سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام

(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی (اسلامک سٹڈیز)

مقالہ نگار:

عفت سلطانہ



نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

۲۰۰۸ء

سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام

(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

مقالہ نگار:

عفت سلطانہ

ایم۔اے (عربک) یونیورسٹی آف پنجاب ۱۹۹۰ء

ایم۔اے (اسلامیات) یونیورسٹی آف پشاور ۱۹۹۴ء

یہ مقالہ

پی۔ایچ۔ڈی (اسلامک سٹڈیز)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ

(اسلامک سٹڈیز)



نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جون ۲۰۰۸ء

سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام

(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

عفت سلطانہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کی پی۔ایچ۔ڈی (اسلامک سٹڈیز) کی ڈگری کی حصول کیلئے یہ مقالہ پیش کیا جاتا ہے۔(اے آئی ایس اینڈ آر۔اسلامک سٹڈیز)

منظور کیا گیا۔

بریگیڈیر(ر) ڈاکٹر عزیز احمد خان
(ریکٹر)

ڈاکٹر شذرہ منور
(ڈین فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ)

اقرار نامہ

میں ،عفت سلطانہ حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے پی ۔ ایچ ۔ ڈی سکالر کی حیثیت سے پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کی حصول کیلئے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

عفت سلطانہ
مقالہ نگار

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
نگران مقالہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز ،اسلام آباد

مئی ۲۰۰۸ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

پیش کار: عفت سلطانہ
پی ایچ ڈی ان اسلامک سٹڈیز

رجسٹریشن نمبر: 277-PhD/IS/2004(Aug)

شعبہ: علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
نگران مقالہ
(مقالے کے نگران کے دستخط)

ڈاکٹر شذرہ منور
ڈین فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ
(ڈین اے آئی ایس اینڈ آر کے دستخط)

بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر عزیز احمد خان
ریکٹر
(ریکٹر کے دستخط)

جون ۲۰۰۸ء

فہرستِ مضامین

فہرستِ مضامین

فہرستِ مضامین

مقالے کا دائرہ کار

سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام

(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

اسلام ایک ایسی روحانی اور اخلاقی قوت کا نام ہے جو دلوں اور روحوں میں انقلاب برپا کرتی ہے۔برعظیم پاک وہند میں مسلمانوں کے وجود کو بقاء اور دوام اسلام کی اسی روحانی اور اخلاقی قوت سے حاصل ہوا۔اس روحانی اور اخلاقی قوت کے حامل ایسے نفوس قدسی ہیں جن کی برکات اور فیض صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی جاری ہیں۔جبکہ فاتحین کے کارنامے صرف تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئے اور مسلمانوں کی شان وشوکت کی داستانیں ماضی کا قصہ پارینہ بن کر رہ گئیں۔

زیر نظر مقالہ میں انہی بوریہ نشین مقدس نفوس میں سے ایک ہستی ''بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ'' کا سلسلہ چشتیہ میں مقام کے تعین کرنے کی ایک کوشش ہے۔جن کی انسان دوستی،شخصیت وکردار اور عشق الٰہی کی تڑپ نے انہیں اُس مقام تک پہنچا دیا جہاں وہ اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے،اُس کے کانوں سے سُنتے اور اُس کی زبان سے بولتے تھے۔یعنی اُن کا ہر عمل واعضاء اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع تھے۔

مقالہ کے موضوع ''سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کا مقام'' کے اعتبار سے مقالہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔مقالہ کے پہلے دو حصے بنیادی حیثیت کے حامل ہیں کیونکہ اُن کے بغیر بابا فریدؒ کے مقام کے تعین کی کوشش تشنہ تھی۔

حصہ اول دو ابواب پر مشتمل ہے۔باب اول سلسلہ چشتیہ کا تعارف پر مبنی ہے اور اس کی مزید دو فصلیں ہیں۔فصل اول ''وجہ تسمیہ چشتیہ'' سے متعلق ہے جس میں مستند حوالوں اور مصادر اصلیہ کے ذریعے وجہ تسمیہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی۔فصل دوم میں شجرۂ مشائخ چشت سے بحث کی گئی اور کوشش کی گئی ہے کہ مستند کُتب کی روشنی میں اصل شجرہ مشائخ چشت سامنے لایا جائے۔اس باب میں ان حقائق کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے۔جو ''سلسلہ چشتیہ'' کی وجہ تسمیہ کا باعث بنے اور یہ بھی کہ شجرۂ مشائخ چشت

دیگر سلاسل کی طرح حضرت علیؓ سے جاملتا ہے۔جنہیں نبی آخر الزمان ﷺ نے خلافت باطنی عطا کی۔

باب دوم دو فصول پر مشتمل ہے جن میں برعظیم پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے آغاز اور اس خطہ میں چشتی مشائخ کی آمد مسلم فاتحین کے تاریخی پس منظر میں بیان کرنے کی اور اس امر کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے کہ اس خطہ کی روحانی اور اصل فتح سلسلہ چشتیہ کی وجہ سے عمل میں آئی۔

فصل دوم میں اس خطہ میں سب سے پہلے تشریف لانے والے اور مستقل قیام فرمانے والے چشتی بزرگ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بابا فریدُالدین گنج شکرؒ تک کا اجمالی تذکرہ کیا گیا۔

حصہ دوم بابا فرید گنج شکرؒ کی سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ چار ابواب پر مبنی ہے۔باب اول کی دو فصلیں ہیں۔باب اول میں بابا فریدؒ کے حسب نسب، آباؤ اجداد، سنِ ولادت، مقام ولادت وغیرہ میں پائے جانے والے اختلافی پہلوؤں کی نشاندہی کر کے اصل حقائق کو مستند مصادر و مراجع کی روشنی میں سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب دوم کی تین فصول ہیں جن میں بابا فریدؒ کی بیعت، خلافت، ورود ہانسی، مرشد کے وصال، ورود اجودھن وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔

باب سوم کی بھی دو فصول ہیں۔جن میں بابا فریدؒ کی عائلی زندگی، اولاد امجاد، معمولات وغیرہ کا ذکر ہے۔

باب چہارم میں آخری ایام وصال و تدفین کے واقعات اور وہ خلفاء عظام جو قدیم ترین ماٴخذوں سے ثابت ہیں کا اجمالی جائزہ مستند حوالوں کی روشنی میں لیا گیا ہے۔

حصہ سوم کا براہِ راست تعلق مقالہ کے اصل موضوع سے ہے یہ حصہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں بابا فریدؒ کی حیات مبارک کے حالات وواقعات، شخصیت و کردار و تعلیمات کی روشنی میں تحقیقی انداز میں مختلف حیثیتوں سے مقام متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بابا فریدؒ کے منفرد روحانی نظام کو اُجاگر کیا گیا اور بحیثیت شاعر اختلافی پہلوؤں کو تحقیقی و تنقیدی بحث کے ذریعے دور کرنے اور اصل حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں ساری بحث کا خلاصہ اور نتائج اختصار سے بیان کیے گئے ہیں۔اور مصادر و مراجع کی فہرست دی گئی ہے۔

ABSTRACT

THE POSITION OF BABA FARID-UD-DIN MASOOD GANJ-E-SHAKKAR IN THE CHISHTI SILSILAH

(A research & Critical Analysis)

In the under discussion thesis an effort has been mad to establish the position of Baba Farid Ganj-E-Shakkar (RA) in the Chishti Silsilah. He by his teaching and strong character greatly inspired thousands of people who ultimately embraced Islam. Later on the same Muslim majority became one of the reasons for the creation of Pakistan.

Fortunately, out of the five great personalities of Chishti Silsilah, Baba Farid (RA) is buried in Pakistan at Pakpatan. He is still a great source of inspiration for millions of the Muslims even today. Not only the Muslims but also the non-muslims greatly admire and respect him. The Sikhs consider him their Guru.

The under discussion thesis is based on three parts according to its topic. The first two parts one of the prime importance as they will help to establish the position of great saint of the subcontinent.

The first part includes two chapters and four sub-chapters. In this part the introduction of the Chishti Silsilah, the arrival of Chisti saints in the subcontinent, and the brief analysis on their life history.

In the second part the life history of Baba Farid has been discussed in detail. An effort has been made to bring out the actual facts by analyzing the controversial aspects in the light of the authentic information.

The third part is directly related to the topic of the thesis. It has seven chapter, in which it has been tried to establish the position of Baba Farid (RA) in the Chishti Silsilah. The research is based on the facts gathered from the life history of Baba Farid (RA).

In the end a summary of the whole discussion and its conclusion has been given.

مقالے کے مقاصد

آج مادہ پرستی کے اس دور میں جہاں ہر طرف نفرت وعداوت کی آوازیں وقتاً فوقتاً گونجتی رہتی ہیں لالچ، حرص اور بے حسی نے خونی رشتوں تک میں دراڑیں ڈال دی ہیں اور انسان داخلی سکون کی تلاش میں بھٹک رہا ہے یہ مسائل کسی ایک ملک یا طبقہ تک محدود نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی لوگ ان مسائل کا شکار ہیں۔ سائنسی ترقی اور تہذیب یافتہ اقوام بھی ان کے آگے عاجز ہیں۔ ایسے ماحول میں جب دُنیا پرستی زیادہ ہوگئی ہے اور اخلاص کی روح معدوم ہوتی جارہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسی ہستیوں کی تعلیمات کو عام کیا جائے جنہوں نے انتہائی پر آشوب دور میں بھی رنگ ونسل اور ہر قسم کے تعصب سے مبرّا ہو کر انسان سازی کے عمل کو جاری رکھا اور جن کے حسن عمل اور اعلیٰ تعلیمات نے انسان کو ایسے ویرانوں میں بھی داخلی سکون مہیا کیا جہاں دنیاوی آسائشیں اور جاہ وحشمت میسر نہیں تھیں۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کی سوانح حیات، شخصیت و کردار اور مقام سے آگاہی ہو۔ یہ سب فرضی اور افسانوی قصے، کہانیاں نہیں بلکہ زندہ حقیقتیں ہیں جن کی گواہی صدیاں گزرنے کے باوجود اُن کے مزاروں کی رونق اور شکستہ لوگوں کا اُن کے آستانوں پر سکون کی تلاش میں جمع ہونا ہے۔ دوسری طرف شان وشوکت، محلات، دولت کے انبار رکھنے والے اور بڑی سلطنتوں کے مالک شہنشاہوں کے مقبرے محض دُنیا کی عدم ثباتی اور عبرت کا نشان ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں ایسے ہی انسان دوست اور عظیم المرتبت ولی اللہ بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ کے مقام کی تعین کی کوشش کی گئی ہے جس میں مندرجہ ذیل اہداف ومقاصد پیش نظر رہے ہیں۔

☆ مقالے کا بنیادی مقصد جیسا کہ اس کے موضوع سے ظاہر ہے۔ اللہ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے سچے دوست اور عظیم صوفی بابا فریدُالدین گنج شکرؒ کا اصل حقائق کی روشنی میں سلسلہ چشتیہ میں مقام کا تعین ہے۔

☆ بابا فریدؒ جس سلسلہ سے وابستہ تھے اس کے بارے میں ابتدائی معلومات مستند مآخذ کے ذریعے

تحقیقِ عمل کے ساتھ مہیا کی جائیں تا کہ اُن کا اُس سلسلے میں مقام واضح ہو۔

☆ بابا فریدُالدین گنج شکرؒ کی پیدائش سے لے کر وصال تک کے حالات وواقعات تحقیق کے ساتھ اصل حقائق کی صورت میں سامنے لانے کی کوشش کی جائے۔

☆ بابا فریدؒ کی تعلیمات اور شخصیت و کردار کے اثرات بیان کیے جائیں۔

☆ یہ حقیقت سامنے لانا کہ بڑے بڑے فاتحین اپنی زندگی ہی میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکے لیکن بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ جیسے سرکردہ ولی اللہ کی تعلیمات آج بھی اپنے مقاصد میں کامیاب ہیں اور سلسلہ فیض جاری ہے۔

☆ کچھ ایسے حقائق اور باتیں یکجا کرنے کی کوشش۔ جو موجودہ دور کے انسان کے لئے بھی باعث سکون اور نجات ہیں۔

☆ ہمارے ہاں تعلیمی اداروں میں تصوف کا مضمون نہ ہونے کی وجہ سے عوام الناس میں سے اکثریت اولیاء کرام کے اصل اور حقائق پر مبنی حالات وواقعات سے ناواقف ہے۔ جس وجہ سے مختلف اختلافات نے جنم لے لیا۔ زیرِ نظر مقالہ میں اولیاء چشت کے اس عظیم ولی اللہ کے مقام کا تعین اصل حقائق اور مستند ماٰخذوں کی روشنی میں اس طرح کرنے کی کوشش کی جائے کہ اختلافی پہلو دور ہو سکیں۔

☆ عوام الناس کی بہت بڑی تعداد بابا فریدؒ کے مستند حالات سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے بابا فریدؒ کے اصل مقام و مرتبہ اور عظیم الشان تبلیغی اور اصلاحی کارناموں سے لاعلم ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔

☆ ان حقائق کی روشنی میں اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے کہ شریعت و طریقت دو متضاد چیزیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی اولیاء کرام صحیح معنوں میں صاحبِ شریعت و طریقت تھے۔

☆ اس بات سے بھی آگاہی دلانا مقصود ہے کہ صوفیہ کرام کی اصل تعلیم کیا ہے اور ان کا طریقہ کار کیا رہا۔

اظہار تشکر

اُس ذات باری تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں جس نے میری کم علمی اور کم مائیگی کے باوجود مجھے یہ توفیق بخشی کہ ایسے موضوع پر جس میں گزرا ہر لمحہ اُس کے اور اُس کے محبوب بندے کے ذکر کی برکت سے ایک عبادت کی حیثیت رکھتا ہے اور ساتھ ہی اُس قادر مطلق نے میرے لئے ایسے وسائل اور اسباب بھی پیدا کیے جن کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

میں اپنے نگران محترم پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ڈین فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز ڈائریکٹر جنرل مین کیمپس، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد کی بے حد مشکور ہوں جن کی شفیق سرپرستی اور مشوروں نے مقالہ کی نوک پلک درست کرنے میں مدد فرمائی۔ موصوف اس موضوع پر وسیع مطالعہ رکھتے ہیں اور اُن کی مایہ ناز کتاب ''معارف فریدیہ'' سے بھی خاطر خواہ استفادہ حاصل ہوا۔

ڈاکٹر شذرہ منور ڈین (فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ) کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے انتہائی مشفقانہ طرز عمل رکھا جس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔

میں محترم پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الحق چیئر مین آف اسلامک سٹڈیز ڈیپارٹمنٹ نمل کی بھی ممنون ہوں جن کی حوصلہ افزائی اور عالمانہ لیکچرز کی روشنی میں مقالہ کی تیاری میں مدد ملی۔

میں پروفیسر ڈاکٹر علی انور ڈین فیکلٹی آف نیئر ایسٹرن لینگویجز اینڈ چیئر مین ڈیپارٹمنٹ آف عربیک نمل کی بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً مفید مشوروں سے نوازا اور حوصلہ افزائی کی۔

میں انتہائی قابل احترام پروفیسر ڈاکٹر نصیب دار محمد چیئر مین شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور کی تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے نہ صرف کورس ورک کے دوران بلکہ مقالہ کی تیاری کے دوران بھی انتہائی مشفقانہ انداز سے رہنمائی فرمائی اور اُن کی حوصلہ افزائی، تعاون اور مشوروں نے بہت سی مشکلات کو سہل بنایا۔

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ جس ہستی کی میں مشکور ہوں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے میرے

لئے بہت بڑا ذریعہ اور وسیلہ بنایا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُن کے بغیر یہ کام مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا اُس شفیق، محترم ہستی کا نام پیر محمد اجمل چشتی ہے جنہیں میں بابا جی کہتی ہوں۔

پیر محمد اجمل چشتی، بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں سے ہیں اور چشتیاں شریف میں رہائش پذیر ہیں جب میں چشتیاں گئی تو انہوں نے فراخ دلی سے اپنا وہ خزانہ میرے حوالے کیا جس میں قدیم قلمی نسخوں سے لے کر دورِ حاضر تک کی اس موضوع پر لکھی جانے والی کُتب پائی جاتی ہیں۔ میں نے سارا سارا دن بابا جی کی لائبریری میں بیٹھ کر استفادہ کیا اور ضروری مواد فوٹوسٹیٹ بھی کروایا بابا جی نے میرا ہر طرح سے خیال رکھا اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مقالہ کی تکمیل کے آخری مراحل تک جو کتاب مجھے چاہیے ہوتی بذریعہ ڈاک ارسال فرماتے رہے اور اُس کے ساتھ ہی اس موضوع پر اپنے مطالعہ کی روشنی میں مُفید معلومات فراہم کرتے رہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اُن کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے میری کامیابی کی کنجی مجھے عنایت کی۔ میں تازندگی اُن کی مشکور اور اُن کے لئے دُعا گو رہوں گی۔

میں اپنے والد اور خاص طور پر والدہ محترمہ کی خدمت میں ھدیہ تشکر پیش کرتی ہوں جن کی دُعاؤں اور ساتھ نے میری ہر مشکل آسان کی۔ اپنی دوستوں، بہنوں، بھائیوں اور دیگر ساتھیوں کی بھی ممنون ہوں جن کی نیک خواہشات اور حوصلہ افزائی نے میری ہمت بڑھائی۔

اپنی مخلص دوست اور بہترین ساتھی وفا کی تہہ دل سے مشکور ہوں جس نے میرا ہر قدم پر ساتھ دیا میری بیماری اور تکلیف میں میرا خیال رکھا اور جب بھی میری ہمت جواب دینے لگی اُس کے ساتھ اور حوصلہ افزائی نے میری ہمت بڑھائی۔

میں کریسنٹ کمیونیکیشن کے سعید بھائی کی مشکور ہوں جنہوں نے ایبٹ آباد جیسے ماحول میں میرے لئے کمپوزنگ کے لئے خاص پردے کا اہتمام کیا اس کے ساتھ میں اُن کی ٹیم توفیق، توقیر زمان بلال اور خاص طور پر وقار عظیم کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے انتہائی لگن، دلچسپی کے ساتھ کم وقت میں اس مقالہ کی کمپوزنگ کا مشکل کام سرانجام دیا۔

مقدمہ

برِعظیم پاک و ہند میں اسلام مسلم فاتحین کے ذریعے داخل ہوا لیکن اس کی آبیاری ایسے گروہ نے کی جو صحیح معنوں میں ''حزب اللہ'' اور ''اولیاء اللہ'' کا گروہ تھا اُن میں وہ تمام صفات پائی جاتی تھیں جن کا ذکر قرآن پاک نے ''عبادالرحمٰن'' کے ضمن میں کیا اور انہی صفات کے حامل ''اصحاب المیمنہ'' کہلائے۔

تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مسلم فاتحین کی کامیابی میں انہی اولیاء اللہ کا ہاتھ تھا۔ اسلامی حکومتوں کے قدم پوری طرح سے مستحکم ہونے سے پہلے ہی ان نفوس قدسی کا گروہ تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا اور اسلامی سلطنتوں کو استحکام انہی صوفیا عظام کے ذریعے نصیب ہوا۔

پروفیسر گب نے اپنی مشہور کتاب ''اسلامک کلچر'' میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیا کا اندازِ فکر فوراً اُس کی مدد کو آجاتا تھا اور اُسے اتنی قوت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اُس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

برِعظیم پاک و ہند میں ان صوفیا عظام کو ایسے حالات کا سامنا تھا جن میں یہ سب ممکن نہ تھا۔ ایک طرف علماء ظاہر تھے جنہیں ان بوریہ نشینوں کی ہر دلعزیزی کھٹکتی تو دوسری طرف ہندو معاشرہ تھا۔ جن کے دلوں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف نفرت تھی کیونکہ ان کے خیال میں مسلمانوں نے اُن سے حکمرانی چھین کر اُن پر غلبہ پا لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ذات پات کی تقسیم اُن کے خون میں رچی ہوئی تھی۔ وہ مسلمان تو دور کی بات کم ذات کے ہندو سے بھی بات کرنا پسند نہ کرتے تھے اور تیسرے یہ کہ اُس ہندو معاشرے میں فلسفہ اور تصوف کے مختلف مکاتب فکر پائے جاتے تھے۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کے وجود کی بقاء کی ایک ہی صورت تھی کہ اسلام کا روحانی اور اخلاقی

انقلاب برپا کیا جائے ۔ان پاکیزہ ہستیوں نے ایسا ہی کیا اور اپنی زندگیاں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور بنی نوع انسان کی روحانی ترقی اور اخلاقی تربیت کے لئے وقف کر دیں ۔ان برگزیدہ ہستیوں نے تلوار نہیں بلکہ اپنے حسن عمل اور اخلاق اور انسان دوستی کے ذریعے اس خطہ کے لوگوں کو اس طرح متاثر کیا کہ انہوں نے اپنے دل کی خوشی اور رضامندی کے ساتھ اس دین کو قبول کیا۔

اولیاء اللہ کی اس جماعت نے سنت نبوی ﷺ کی تقلید صحیح معنوں میں کی اور ہر قسم کے خوف و ہراس سے بے نیاز ہو کر دنیاوی جاہ وحشمت، درباری اور شاہی اثرات سے اپنا دامن بچاتے ہوئے اپنی تعلیمات کے ذریعے اپنے اعلیٰ مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

برعظیم پاک و ہند میں ان نفوس قدسیہ نے انفرادی اور اجتماعی طور پر تعمیر شخصیت و کردار جیسا کٹھن اور اہم ترین کام سرانجام دے کر مسلم معاشرہ کو مستحکم بنیادوں پر اُستوار کیا۔

عہد حاضر کے انسان کی نظریں حقیقت کی متلاشی ہیں اور سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے والی ان عظیم ہستیوں کے حالاتِ زندگی، تعلیمات، اُن کے اثرات اور مقام کو اصل حقائق کے پس منظر میں پیش کرنے کی جتنی ضرورت آج کے اس بدامنی کے دور میں ہے پہلے کبھی نہ تھی۔

برعظیم پاک وہند میں تحریک تصوف کے ان مجاہدوں کے مختلف سلسلے مصروف عمل رہے ۔جن میں مشہور و مقبول، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ ہیں ۔ان تمام سلسلوں نے اپنی ،اپنی جگہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے نمایاں کارنامے سرانجام دیے۔ان میں قدیم ترین سلسلہ، سلسلہ چشتیہ ہے۔

زیرِنظر مقالہ میں اس عظیم سلسلہ کے امام بابا فرید گنج شکرؒ کے مقام کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی جنہیں اس سلسلہ کے امام ہونے کا اعزاز برعظیم پاک وہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ اور اُن کے خلیفہ اکبر قطب الدین بختیار کاکیؒ کی دُعا اور فیض سے حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے اس محبوب بندے اور عظیم المرتبت درویش کے مقام کے تعین کی جسارت راقمہ کے بس کی بات نہ تھی ۔نہ ہے۔

راقمہ تصوف کے کسی اور پہلو یا شخصیت کا انتخاب بھی کر سکتی تھی لیکن اپنی کم علمی اور کم مائیگی کے

باوجوداس اہم موضوع پر قلم اُٹھانے کی وجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ خواب بنا جس کا ذکر شاید راقمہ نہ کرتی لیکن کیونکہ ریسرچر امین ہوتا ہے اور اُس کا کام اصل حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کرنا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل وجہ جو کہ مقالہ کے موضوع کے انتخاب کا باعث بنی کا بیان کرنا اتنا ہی ضروری ہے کہ جتنا کوئی امانت اُسی طرح سے حقدار تک پہنچانا جیسی کہ اُس نے حوالے کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ راقمہ کی کم علمی کا یہ عالم رہا کہ اس عظیم ہستی کے اسم گرامی اور اُس جگہ کے نام سے بھی ناواقف تھی جہاں یہ عظیم درویش آسودۂ خواب ہیں۔اس کم علمی کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہمارے ماحول اور دوران تعلیم ایسا کوئی مضمون نصاب کا حصہ بھی نہیں رہا جس سے آگاہی ہوسکتی۔

بہر حال وجہ جو بھی ہو ایسے کم علمی کے عالم میں جب موضوع کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو راقمہ کی ناقص عقل میں کچھ نہیں آرہا تھا۔سوائے اس خواہش کے کہ تصوف کے موضوع یا اُس کے کسی پہلو پر کچھ کرنیکی کوشش کی جائے اسی کشمکش کے دوران رمضان المبارک میں سحری کے بعد خواب میں مزارِاقدس کی زیارت ہوئی ساتھ ہی پاکپتن کی آواز آئی اور لکھا ہوا بھی نظروں کے سامنے آیا۔اس سے کچھ سمجھ نہ آیا۔اگلے دن بھی ایسا ہی ہوا۔

کیونکہ اس بارے میں کچھ علم نہ تھا۔اس لئے اہل علم کی طرف رجوع کیا تو معلوم کرنے پر علم ہوا کہ پاکپتن اُس جگہ کا نام ہے جہاں سلسلہ چشتیہ کے عظیم درویش بابا فریدالدین مسعود گنج شکر محوِخواب ہیں۔

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جس بارے میں سوچا جائے خواب میں آتا ہے تو انسان گمان کرتا ہے کہ میں نے سوچا تھا اس لئے خواب میں آیا۔لیکن یہاں معاملہ برعکس تھا کیونکہ میں اس ہستی اور اس مقام کے نام سے بالکل ناواقف تھی۔اس لئے یہ خواب بے معنی نہیں ہوسکتا تھا۔

راقمہ نے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رہنمائی سمجھ کر اس موضوع پر قلم اُٹھانے کی جسارت کا فیصلہ کیا۔مشکلات کے باوجود اس ایمان کے ساتھ آغاز کیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا یہی ہے اور وہ جس سے، جو کام، جس طریقے سے چاہے لینے کی قدرت رکھتا ہے۔میری مشکلات بھی وہی آسان کرے گا۔

تحقیقی عمل کے دوران مجھے بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔سب سے بڑی مشکل میری اس

بارے میں کم علمی تھی۔موضوع ایسا تھا کہ انٹرنیٹ کی ویب سائیٹس بھی اس بارے میں خاطر خواہ مدد نہیں دے سکتی تھیں۔اس موضوع کے اصل حقائق تک پہنچنے کی کوشش کے لئے مصادر اصلیہ کا ہونا لازمی امر تھا۔اور مصادر اصلیہ عموماً مارکیٹ میں بھی دستیاب نہ تھے نہ ہی ایبٹ آباد اور گردونواح کی لائبریریز میں میسر تھے۔اس لئے سفر ناگزیر تھا۔کچھ گھریلو وجوہات کی بناء پر راقمہ کے لئے دور دراز کا تنہا سفر بھی مشکل تھا۔راقمہ نے سفر میں طبیعت بگڑنے کی وجہ سے طویل سفر نہ کیے تھے۔لیکن کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل تھی اس لئے وہ ایسے اسباب پیدا کرتا گیا جن کا راقمہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی اور اللہ کے فضل و کرم سے راقمہ نے ایبٹ آباد سے اسلام آباد، لاہور، ملتان، ضلع بہاولنگر، پاکپتن اور چشتیاں شریف کے طویل سفر کیے۔کبھی رات سفر میں گزری کبھی دن۔مختلف جگہوں سے مواد اکٹھا کیا خاص طور پر چشتیاں شریف سے اس موضوع پر مصادر اصلیہ اور مراجع کا خزانہ سامنے آیا۔

راقمہ نے لائبریری ہی میں سارا سارا دن بیٹھ کر استفادہ حاصل کیا اور بعض کتب کے فوٹوسٹیٹ بھی ساتھ لے کر آئی۔

مصادر اصلیہ کا فارسی زبان میں ہونا بھی ایک مشکل تھی کیونکہ فارسی زبان سے ناواقفیت آڑے آرہی تھی۔فارسی کُتب کے ساتھ ترجمہ شدہ کتب بھی زیر مطالعہ رہیں جن کی وجہ سے سمجھنے میں آسانی ہوئی۔

سچ یہ ہے کہ سمندر سے باہر بیٹھ کر اُس کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اس کے لئے سمندر میں اُترنا پڑتا ہے۔تصوف کا موضوع بھی ایک سمندر ہی ہے اور سلاسل تصوف کی تاریخ، سلسلہ چشتیہ کے بارے میں معلومات اور برعظیم پاک وہند میں سلسلہ چشتیہ کے اس سرکردہ ولی اللہ کا مقام متعین کرنے کی کوشش میں اگر اس سمندر کے ایک قطرے کے ہزارویں حصے کے برابر بھی راقمہ کچھ لا سکی تو یہ اللہ تعالیٰ کا کرم اور ان مقدس ہستیوں کی دعاؤں اور برکتوں کا نتیجہ ہے۔

سمندر میں اُترنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس موضوع پر صدیوں پہلے بہت کچھ لکھا گیا۔ان کتب میں کچھ ناپید ہیں اور کچھ دستیاب۔راقمہ نے اس سلسلے میں تقریباً تین سو کُتب کا مطالعہ کیا جن میں مصادر و مراجع، میگزین، رسائل، دستاویزات وغیرہ شامل ہیں۔دستیاب شدہ کتب میں سے جن سے

استفادہ کیا گیا اُن کی تفصیل اور معلومات مقالہ کے زیریں حاشیہ میں دی گئی ہیں۔ یہاں اُن میں سے چند کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

بابا فرید گنج شکرؒ کے بارے میں مستند معلومات کا بہترین اور قدیم ترین ذریعہ امیر حسن علاء سجزی (متوفی ۷۳۸ھ) کی کتاب ''فوائد الفواد'' ہے۔ جو بابا فریدؒ کے محبوب خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات پر مبنی ہے۔ مزید تفصیل مقالہ کے حاشیہ میں موجود ہے۔ اس کا فارسی اور حسن نظامی کا ترجمہ شدہ نسخہ زیر مطالعہ رہے۔

اس کے بعد ''خیرُ المجالس'' قدیم ترین ذریعہ معلومات ہے۔ جسے حامد قلندر نے تالیف کیا ہے اور یہ خواجہ نظام الدینؒ کے خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے کیونکہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اپنے مریدوں کی تربیت کے وقت اکثر بابا فریدؒ کے حالات و واقعات اور ارشادات بیان کرتے رہتے تھے اور انہی ارشادات کو شیخ چراغ دہلویؒ نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی بیان کیا اس لئے یہ ایک مستند حوالہ ہے۔ خیرُ المجالس کا فارسی عکسی نسخہ اور اُردو عکسی نسخہ زیر مطالعہ رہا۔

تیسرا معتبر اور مستند ذریعہ معلومات ''سیرُ الاولیاء'' ہے۔ یہ کتاب بھی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید سید محمد مبارک کرمانی معروف بہ امیر خورد کی تصنیف ہے۔ آپ کے والد اور دادا بابا فریدؒ کے مرید تھے۔ بابا فریدؒ کی تدفین کے وقت جنازے پر ڈالنے کے لئے چادر امیر خورد کی دادی نے ہی دی تھی۔ امیر خورد نے اپنے آباءواجداد اور مُرشد خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے جو کچھ سُنا اس میں بیان کر دیا۔

سیرُ الاولیاء کا قدیم ترین نسخہ کلکتہ لائبریری میں اور دوسرا برٹش لائبریری لندن میں اور تیسرا کراچی میوزیم میں اور چوتھا چرنجی لال ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۷۸ء ہے۔ ان سب کی تفصیل مقالہ میں دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ قوامُ العقائد جو بقول پروفیسر نثار احمد فاروقی سیرُ الاولیاء سے بھی پہلے لکھی گئی ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ شمس العارفین کی روایات پر مبنی ہے۔ ترتیب زمانی میں فوائد الفواد کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔

درر نظامی بھی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو اُن کے مرید علی بن محمود جاندار

نے تالیف کیا۔

ان کے علاوہ کچھ تذکرے سیرُ العارفین حامد بن فضل اللہ جمالی کی تصنیف ہے اورانہوں نے خود تحقیق کرکے اُسے تالیف کیا۔

''اخبارُالاخیار'' شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تصنیف ہےانہوں نے ماہر محدث کی حیثیت سے محققانہ انداز میں تحقیق کرکے مرتب کی۔

''گلزارابرار'' محمد غوثی شطاری کی تصنیف ہے۔اس میں خاص طور پر بابا فریدؒ کی اولاد کے بارے میں تفصیل ملتی ہے۔

اللہ دیا چشتی کی ''سیرُ الاقطاب'' بھی اہم تذکرہ ہے۔جس سے استفادہ کیا گیا۔

مغل شہزادی جہاں آرا بیگم کی تصنیف ''مونس الارواح'' کا قلمی نسخہ، دارا شکوہ کی ''سفینۃُ الاولیاء، عبدالرحمٰن چشتی کی ''مرآۃُالاسرار'' کا اُردوترجمہ بھی زیرِ مطالعہ رہیں جس کی تفصیل مقالہ میں مذکور ہے۔

محمد بلاق چشتی کی مطلوب الطالبین اور روضۃُ الاقطاب کے فارسی اوراُردو نسخے بھی زیرِ مطالعہ رہے۔محمد بلاق چشتی خودکوخواجہ نظام الدینؒ کی اولاد میں سے بتاتے ہیں۔

''اقتباس الانوار'' مولف محمد اکرم، شجرۂ الانوار مولف مولانا رحیم بخش، مناقب المحبوبین مولف مولانا نجم الدین، آئین اکبری، تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی اور دیگر کُتب بھی زیرِ مطالعہ رہیں طوالت کے ڈر سے سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔

اس کے علاوہ میگزین، رسائل اورانٹرویووغیرہ سے بھی مقالہ کی تیاری میں مدد لی گئی گوکہ تقریباً تین سو مصادرومراجع زیرِ مطالعہ رہے لیکن مقالہ کے آخر میں اُنہی مصادرومراجع کی فہرست دی گئی جن کے حوالے مقالہ میں دیئے گئے۔

ایک قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ کوشش کی گئی ہے کہ اُنہی مراجع کوحوالوں میں شامل کیا جائے جن کی بنیاد مستند مصادراصلیہ پر ہے۔

اس مقالہ کے لئے تحقیقی طریقہ کار بیانیہ، مطالعاتی اوراستقرائی اصول ومبادی تحقیق پر محیط ہے اس کے ساتھ دوران گفتگو بھی نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

حصہ اول

باب اول: سلسلہ چشتیہ کا تعارف

فصل اول: وجہ تسمیہ ''چشتیہ''

فصل دوم: شجرۂ مشائخ چشتیہ (از سرور عالم محمد مصطفیٰ ﷺ تا بابا فرید الدینؒ)

حصہ اول

باب اول

سلسلہ چشتیہ کا تعارف

مقالے کا موضوع ''سلسلہ چشتیہ میں بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام'' ہے۔ اس لیے موضوع کے اعتبار سے سلسلہ چشتیہ کا اجمالاً جائزہ ضروری ہے۔

سلسلہ چشتیہ سلاسل تصوف میں قدیم ترین سلسلہ ہے اور آج تک اس سلسلہ کا فیض جاری ہے۔ ذیل میں سلسلہ چشتیہ کا تعارف اور برعظیم پاک و ہند میں اس سلسلہ کے آغاز کا اجمالاً جائزہ پیش ہے۔

فصل اول:

وجہ تسمیہ ''چشتیہ''

برعظیم پاک وہند میں اسلامی تصوّف کے جو سلسلے سب سے زیادہ معروف ومقبول ہوئے وہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ ہیں۔ چشتیہ اور سہروردیہ جگہوں (مقامات) کی نسبت سے موسوم ہیں۔ جبکہ قادریہ اور نقشبندیہ بانی سلاسل کے ناموں سے موسوم ہیں۔ سلسلہ چشتیہ ''چشت'' نامی مقام سے منسوب ہے۔

''چشت'' نام کے دو مقام پائے جاتے ہیں۔ ایک تو خراسان کا مشہور شہر جو ہرات کے نواح میں واقع ہے۔ اور دوسرا ملتان اور اوچ کے درمیان ایک قصبہ ہے۔ تاہم سلسلہ چشتیہ خراسان (موجودہ افغانستان) کے شہر ''چشت'' کی نسبت سے جانا جاتا ہے۔

چنانچہ نظام یمنی نے ''لطائف اشرفی'' میں سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے حوالے سے لکھا ہے۔

چشت دو اند یکے از ولایت خراسان و آں شہر است دوم در ولایت ہند میان ملتان واچہ و آں قریہ قربت بملتان است [۱]

ترجمہ: چشت دو ہیں ایک ولایت خراسان کا شہر ہے اور دوسرا ملکِ ہندوستان میں ملتان اور اچ کے درمیان ایک قصبہ ہے جو ملتان کے قریب واقع ہے۔

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی صابریؒ [۲] نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''مرآۃ الاسرار'' [۳]

۱۔ نظام یمنی (مولانا)، لطائف اشرفی (فارسی، قلمی عکسی)، (ملفوظات ''سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ'')، حصہ اول، ۸۳۰ھ، ص: ۴۲۱

۲۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی مغل بادشاہ جہانگیر اور شاہجہان کے ہمعصر تھے۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ تھا۔ نسباً قریشی ہاشمی علوی تھے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۰۰۵ھ اور تاریخ وفات ۱۰۹۴ھ ہے۔

۳۔ ''مرآۃ الاسرار'' عبدالرحمٰن چشتی کی مشہور تصنیف ہے جو آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے باطنی اشارہ پر ۱۰۴۵ھ میں شروع کی اور ۱۰۶۵ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچائی۔ یہ کتاب اسلامی تاریخ کی پہلی گیارہ صدیوں کے اولیا کرامؒ کے حالات زندگی اور باطنی احوال پر مشتمل ہے۔

میں لطائف اشرفی کے حوالے سے اس طرح ذکر کیا ہے۔

چشت دو ہیں ایک شہر ہے جو ملک خراسان میں ہرات کی نواحی میں واقع ہے۔
دوسرا قصبہ ہے۔ہندوستان میں جو ملتان اور اوچ کے درمیان ہے
ہمارے خواجگان خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔[1]

سید علاؤالدین چشتیؒ [2] نے اپنی مشہور تصنیف ''ماقیماں'' میں درج ذیل شعر میں اس مقام کا ذکر کیا ہے۔

گر بہ ہندوستان شدیم چہ باک
سبزۂ گلشنِ خراسانیم !!! [3]

قدیم تذکروں اور بعد کی تصانیف سے یہ بات ثابت ہے کہ ''چشت'' نام کے دو مقام ہیں ایک خراسان (موجودہ افغانستان) کا شہر ''چشت'' اور دوسرا ملتان اور اوچ کے درمیان موجود ''چشت'' نامی قصبہ ہے اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ سلسلہ چشتیہ خراسان کے شہر ''چشت'' سے منسوب ہے۔

مولانا رحیم بخشؒ [4] نے اپنی تصنیف ''شجرۃ الانوار'' میں اس بارے میں اس طرح تحریر کیا ہے۔

و آں دو مقام اند یکے شہر یست درمیان ولایت خراسان
قریب ہرات، وچشت دویم دہست درولایت ہندوستان
درمیان اوچ وملتان وخواجگان چشت ازچشت خراسان بودہ اند [5]
ترجمہ: دو مقام ہیں ایک خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے۔

---

[1] شیخ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم، واحد بخش سیال، الفیصل، لاہور، ص:۴۷۔

[2] ''مرآۃ الاسرار'' میں میر سید علاؤ الدین چشتیؒ اور ''تاریخ مشائخ چشت'' مؤلف، علامہ خلیق نظامی، ص: ۱۳۶ میں سید علاؤ الدین اودھیؒ تحریر ہے۔علاؤ الدین اودھیؒ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ تھے ''ماقیماں'' ان کی مشہور تصنیف ہے۔

[3] علاؤ الدین اودھیؒ، ماقیماں، مطبع مصطفائی، لکھنو، ۱۲۵۶ھ، ص:۹۔

[4] مولانا رحیم بخش، حضرت فخر الدین دہلویؒ کے خلیفہ تھے اور ''شجرۃ الانوار'' ان کی مشہور تصنیف ہے۔جس میں انہوں نے مشائخ چشت کے حالات جمع کیے ہیں۔

[5] رحیم بخش (مولانا) شجرۃ الانوار (قلمی نسخہ)۔

دوسرا چشت ہندوستان میں اوچ اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے۔
خواجگان چشت خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔

خراسان کے شہر ''چشت'' میں کچھ بزرگان دین نے روحانی اصلاح وتربیت کا ایک ایسا نظام قائم کیا ہے جسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اس مقام ''چشت'' کی وجہ سے وہ نظام ''سلسلہ چشتیہ'' کہلایا۔
حضرت خواجہ ابو اسحاق شامیؒ چشتیوں کے مبداء اور نقطۂ آغاز ہیں[۱]

کیونکہ آپ سب سے پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ لفظ ''چشتی'' آیا ہے۔

---

۱ اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب، مترجم، پروفیسر محمد معین الدین دردائی، طبع دوم، نومبر ۱۹۷۹ء، ص: ۸۴۔
عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص: ۱۷، ص: ۳۷۴، نظام یمنی (مولانا) سید اشرف سمنانیؒ، لطائف اشرفی (قلمی نسخہ)
رحیم بخش (مولانا)، شجرۂ الانوار (قلمی نسخہ)۔
محمد احتشام الدین چشتی، سلسلۃ الذھب، محمدی پریس، کان پور، ۱۳۸۱ھ، ص: ۱۳۔
نجم الدین، بیان الاولیا، آرمی پریس، دہلی، ص: ۷۰۔
مولوی محمد امام الدین، مرآۃ السالکین، میکی پریس گجرانوالہ، ۱۳۰۴ھ، ص: ۴۸۔
خواجہ حسن نظامی دہلوی، نظامی بنسری، حسن نظامی میموریل سوسائٹی، نئی دہلی، ۱۴۰۴ھ، ص: ۵۶۔
خواجہ امام بخش مہارویؒ مخزن چشت، تالیف ۱۲۷۷ھ، مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی، اشاعت ۱۴۰۹ھ، ص: ۱۶۱۔
خواجہ امام بخش مہارویؒ (ولادت ۱۲۱۲ھ وفات ۲۰ صفر ۱۳۰۰ھ) آپ کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہے۔ آپ خواجہ نور محمد مہارویؒ کے صاحبزادے خواجہ نور احمد مہارویؒ کے پوتے ہیں۔ نور محمد مہارویؒ مولانا فخر الدین دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔
''مخزن چشت'' کا زمانہ تالیف ۱۲۷۷ھ ہے، مؤلف نے رسول اللہ ﷺ سے شروع کیا اور دیگر خلفاءِ راشدین کے بعد حضرت علیؓ سے لے کر آخر تک ۳۴ مشائخ چشتیہ کے مناقب وحالات مخصوص انداز میں قلمبند کیے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں گلشن ابرار، پنج گنج، مکتوبات اور دیوان حاجز قابل ذکر ہیں۔
خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دار المؤلفین، اسلام آباد، سن اشاعت درج نہیں، ص: ۱۳۶،

آپ کی تاریخ وفات ۳۲۹ھ/۹۴۰ء[۱] ہے۔آپ کا لقب ''شریف الدین'' تھا[۲] آپ ملک شام کے رہنے والے تھے۔

آپ ایک زبردست روحانی نظام کے بانی ہیں آپ نے خرقۂ ارادت وخلافت اپنے عہد کے مرتاض بزرگ خواجہ مُمشاد عُلو دینوریؒ [۳] (المتوفی ۲۹۹ھ/۹۱۰ء) سے حاصل کیا [۴]

خواجہ ابواسحاق شامیؒ نے جب مرید ہونے کا ارادہ کیا تو مسلسل چالیس روز تک استخارہ کیا۔آپ کو حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کا اشارہ ملا[۵]۔

---

۱ مرآۃ الاسرار،ص:۳۷۴، میں تاریخ وفات ۱۴ ربیع الثانی اور سن وصال معلوم نہیں لکھا ہے۔

اللہ دیا چشتی،سیر الاقطاب،ص:۸۶،۱۴ ربیع الثانی تحریر ہے۔

محمد احتشام الدین چشتی،سلسلۃ الذھب،ص:۱۴ پر ۱۴ ربیع الثانی درج ہے مخزنِ چشت،ص:۱۹۱ میں ۱۴ یا ۲۷ ربیع الثانی ہے

مولوی محمد امام الدین،مرآۃ لسالکین،ص:۵۰،۱۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ۔تاریخ مشائخ چشت،ص:۱۳۶ پر ۳۲۹ھ درج ہے۔

۲ اللہ دیا چشتی،سیر الاقطاب،ص:۸۳، مرآۃ السالکین،ص:۴۷۔

اخلاق حسین دہلوی (علامہ)،حیات طیبہ ابواسحاق شامیؒ طبع اول،برقی پریس،دہلی،۱۹۶۷،ص:۵۔

۳ خواجہ ممشاد علو دینوریؒ،خواجہ ہبیرہ بصریؒ کے خلیفہ تھے اور ریاضت ومجاہدہ میں اعلیٰ مقام پر تھے۔دائم الصوم تھے۔پیدائش سے منتہائے عمر تک روزے سے رہے۔آپ کی خدمت میں عقیدت مند دور دور سے حاضر ہوتے۔

اخلاق حسین دہلوی (علامہ)،حیات طیبہ ابواسحاقؒ،ص:۶۔

۴ میر خورد کرمانی،سیر الاولیاء (فارسی)،ص:۴۹۔سیر الاولیاء (اُردو ترجمہ)،مترجم غلام احمد بریاں،ص:۹۵۔

(نوٹ) ''سیر الاولیاء'' کے مصنف سید محمد کرمانی میر خورد خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے۔میر خورد کے دادا سید محمد کرمانی اور والد سید نور الدین مبارک بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مرید تھے۔''سیر الاولیاء'' معتبر ماخذ ہے یہ کتاب ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ/۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۱ء میں لکھی گئی۔

سیر الاقطاب،ص:۸۳ (اُردو ترجمہ)،مرآۃ السالکین،ص:۴۸، سیر الاولیاء (فارسی)،ص:۴۹۔

مرآۃ الاسرار،ص:۱۷،نفس المصدر،ص:۳۷۱،بیان الاولیاء،ص:۷۰ ، شجرۃ الانوار (قلمی نسخہ عکسی)۔

سیر الاقطاب،ص:۸۳ ، سلسلۃ الذھب،ص:۱۳ ، مخزن چشت،ص: ۱۶۲ ، مرآۃ السالکین،ص:۴۷۔

۵ سیر الاقطاب (اردو ترجمہ)،ص:۸۳،مرآۃ السالکین،ص:۴۸۔

آپ ملک شام سے بغداد میں خواجہ ممشاد علو دینوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

خواجہ ممشاد علو دینوریؒ نے دریافت فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: ابو اسحاق شامی

خواجہ ممشاد علو دینوریؒ نے فرمایا:

از امروز ترا ابو اسحاق چشتیؒ خوانند کہ خلائق چشت و دیار آں از تو ہدایت یابند۔
وہر کہ سلسلہ ارادت تو درآید آنہارا نیز تا قیام قیامت چشتی خوانند [1]

ترجمہ: آج سے لوگ تمہیں ابو اسحاق چشتی کہیں گے چشت اور اس کے نواح
کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تیرے سلسلہ ارادت میں
داخل ہوگا۔ اسے قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خواجہ ابو اسحاق شامیؒ سلوک کی تکمیل کے بعد اپنے مرشد گرامی کے حسب فرمان خراسان (افغانستان) کے شہر چشت تشریف لے گئے اور آپ کی مساعی جمیلہ سے اہل چشت نے دینی وروحانی فیض پایا اور واصلان حق ہوئے اور چشت میں اس عظیم الشان سلسلہ کی داغ بیل پڑی اور یہ شہر (چشت) ایک زبردست روحانی نظام کا مرکز بنا۔ اور یہ روحانی سلسلہ آپ کی نسبت سے "سلسلہ چشتیہ" کے نام سے موسوم ہوا۔

ایک بزرگ نے آپ کے بارے میں یوں ارشاد کیا۔

وبِہٖ اقتدیٰ مِنْ اَھلِ چِشْتِ شُیُوخِھِمْ کُلُّ وَلِیِّ اللّٰہِ فِیْ مِیْلَادِہٖ
مِنْھُمْ اَبُوْ اِسْحٰقَ اَکْبَرُ شَیْخِھِمْ طَوْدُ سَمَاءٍ مِنْ شَیْخِ اَطْوَادِہٖ
اَضْحیٰ ھُدَاۃُ الَّذِیْنَ یَتْبَعُوْنَہٗ لَا یَعْدِلُوْنَ اَلنَّھْجَ فِیْ مَعَادِہٖ [2]

ترجمہ: اہل چشت کے مشائخ میں سے تمام اولیاء اللہ نے اس کے میلاد میں اقتدا کی ان میں سب سے بڑے اور ذی وجاہت شیخ ابو اسحاق ہیں جو مشائخ میں ایسے ہیں جیسے پہاڑوں میں بلند اور اونچا پہاڑ۔ دین کے رہبر کے پیرو ہیں اور

---

[1] اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب، ص:۸۴، عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۱۷ اور ص:۳۷۱۔
لطائف اشرفی (قلمی نسخہ)، شجرۃ الانوار (قلمی نسخہ)، مخزن چشت، ص:۱۶۱۔
رسالہ خواجہ خاجگان، مضمون "سلسلہ عالیہ چشتیہ" سید محمد ذوقی شاہ (مولانا)، احتشام پریس، کراچی، ۲،۱۹۷۲: ص:۳۸۹۔
پیر محمد اجمل چشتی، تاج العارفین، مرکز تعلیمات فریدیہ چشتیاں، بہاول نگر، ۲۰۰۱ء، ص:۳۱۔

[2] میر خورد، سید محمد بن مبارک کرمانیؒ، سیر الاولیاء (فارسی عکسی)، مرکز تحقیقات فارسی وایران، پاکستان اسلام آباد، ۱۳۰۲ھ۔

ص:۵۰

اُن کی راہ سے عدول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے [۱]

خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ کے علاوہ چار اور صاحب عظمت بزرگ ہیں جو یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوئے اور ان کی خواجہ ابو اسحاقؒ سے روحانی اور قریبی نسبت ہے انہیں ''خواجگان چشت'' [۲] اور ''پنج تن'' [۳] بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) خواجہ ابو احمد ابدالؒ (۲) خواجہ ابو محمد چشتیؒ (۳) خواجہ ابو یوسف چشتیؒ (۴) خواجہ مودود چشتیؒ

[۱] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، (اردو ترجمہ)، مترجم، غلام احمد بریاں، تالیف ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ، ص:۹۵۔

[۲] اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب، مترجم، پروفیسر محمد معین الدین دردائی، طبع دوم، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۹ء، ص:۸۴

[۳] عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۱۷، نفس المصدر، :۳۷۱۔

(نوٹ) یہ حضرات گرامی ''مقام چشت'' (خراسان) میں سلسلہ چشتیہ کے ''پنج تن'' کہلاتے ہیں۔

فصل دوم:

شجرۂ مشائخ چشتیہ (از سرور عالم محمد مصطفیٰ ﷺ تا بابا فرید الدینؒ)

کلمہ ''شجرۂ چشت'' کو خواجہ امام بخش مہارویؒ [1] نے اپنی مشہور تصنیف ''مخزن چشت'' کے دیباچے میں قرآن مجید کے اس استعارے سے ماخوذ قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''کلمۂ توحید'' کیلئے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (سورۃ ابراہیم آیت ۲۴)

شجرۂ طریقت بھی پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں زمین میں مستحکم ہیں اور شاخیں آسمان تک بلند ہیں۔ یہ سلسلہ کئی دعاؤں اور پیرانِ عظام کے اسمائے گرامی اور القاب کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ یہ سلسلہ ہر خاص و عام اور تمام مشائخ میں بے حد مقبول ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اگر چہ اس شجرۂ پیران چشت کے مصنف کے متعلق کوئی حتمی تعین تو نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کون تھے؟ اور اُن کا نام کیا تھا؟ تاہم یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ متقدمین میں سے کسی بزرگ نے اسے تالیف کیا ہوگا اور متاخرین حضرات نے ان بزرگوں کے اسماء القاب اور مشائخ کے حسب و نسب کے اضافہ کے ساتھ تصنیف کی شکل دے دی ہوگی [2]

اس شجرۂ طیبہ چشتیہ کی اصل خود آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اور اس کے ابتدائی برگ و بار صحابہ کرامؓ کی شکل میں نمودار ہوئے۔ تمام سلاسل اولیاء اس ایک مرکز کی شاخیں ہیں اور یہ شجر مستحکم جڑوں کے ساتھ عہد بہ عہد پھیلتا چلا گیا ہے۔ تمام سلاسل نبی کریم ﷺ سے فیض یافتہ ہیں۔

---

[1] خواجہ امام بخش مہارویؒ کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آچکی ہے۔

[2] امام بخش مہارویؒ، مترجم، پروفیسر افتخار احمد چشتی، مخزن چشت، تالیف ۱۲۷۷ھ، اشاعت ۱۴۰۹ھ، ص: ۵۰-۵۱۔

اور نبی آخرالزماں ﷺ نے یہ خلافت کبریٰ [1] (باطنی خلافت) حضرت علیؓ کو عنایت فرمائی۔ اس طرح تمام سلاسل کا آغاز حضرت علیؓ سے ہوا۔ تمام ارباب تصوف خرقہ خلافت نبی پاکؐ سے حضرت علیؓ کو ملنے پر متفق ہیں۔

''سیر الاولیاء'' میں میر خورد لکھتے ہیں:

''آپ ہی خلفاءِ اربعہ میں اس خرقۂ فقر کی خلعت سے مشرف وممتاز ہوئے جو جناب رسول کریم ﷺ کو معراج کی رات میں خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا اور جب یہ ہے تو قیامت کے دن تک حضرات مشائخ قدس اللہ اسرارہم کے خرقہ کے پہنانے کا طریقہ آپ ہی سے جاری رہے گا اور اس کی نسبت آپ ہی کی ذات مبارک کی طرف کی جائے گی۔
کیونکہ اس دینی کام نے آپ ہی کی بدولت استقامت حاصل کی ہے۔ تصوف میں آپ کا نہایت بلند مقام اور عظیم الشان مرتبہ ہے'' [2]

امیر حسن علاؤ الدین سجزیؒ [3] اپنی کتاب ''فوائد الفواد'' [4] میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی

---

[1] ''مرآۃ الاسرار'' میں جوامع الکلم کے حوالے سے لکھا ہے کہ خلافت پیغمبر دو قسم کی ہے۔
کبریٰ اور صغریٰ۔ کبریٰ خلافت باطنی ہے اور صغریٰ خلافت ظاہری ہے۔

[2] میر خورد، محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء، مترجم، غلام احمد بریاں، ص:۴۶۔
میر خورد، محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۱۸-۱۹۔

[3] امیر حسن علاء الدین سجزیؒ (ولادت ۶۵۲ھ وفات ۷۳۶ھ) خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے معروف مرید اور امیر خسرو اور ضیاء الدین برنی کے دوست تھے۔ وہ قابل شاعر اور ادیب بھی تھے۔
آپ نے سب سے پہلے ۷۰۷ھ میں ملفوظات جمع کرنے کی تاریخ کا آغاز کیا اور اُس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا، آپ کی سب سے معروف و مشہور تصنیف ''فوائد الفواد'' ہے۔

[4] ''فوائد الفواد'' حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ جو ۷۰۷ھ تا ۷۲۰ھ کی مدت میں لکھے گئے یہ ۱۸۸ مجلسوں اور پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور اسے معتبر اور مستند ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

زبانی بیان کرتے ہیں کہ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ

مصطفیٰ ﷺ کو شب معراج میں ایک خرقہ ملا تھا اس خرقے کو خرقۂ فقر کہتے ہیں اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہؓ کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے ایک خرقہ ملا ہے اور مجھے حکم ہے کہ یہ خرقہ ایک شخص کو عطا کروں اور میں صحابہؓ سے ایک سوال پوچھوں گا کہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ جو شخص یہ جواب دے اس کو خرقہ عطا کر دینا اور میں اس جواب کو جانتا ہوں (دیکھیں کون یہ جواب دیتا ہے) پھر (حضور ﷺ نے) ابوبکرؓ کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ اگر یہ خرقہ تمہیں دے دوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ میں سچ کو اختیار کروں گا اور اطاعت کروں گا اور داد و دہش اپناؤں گا اس کے بعد حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت عمرؓ بولے میں عدل کروں گا اور انصاف کا خیال رکھوں گا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کی کہ میں خرچ اور بخشش کیا کروں گا۔ پھر حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا میں پردہ پوشی سے کام لوں گا اور خدا کے بندوں کے عیب چھپاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لو! یہ خرقہ تم کو دیتا ہوں کیونکہ مجھے حکم تھا کہ جو یہ جواب دے اسی کو یہ خرقہ دے دینا[1]

شب معراج میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خلعت کا عطا ہونا اور پھر اُس خلعت سے آپ کا حضرت علیؓ کو نوازنے کا یہ واقعہ الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ دوسرے قدیم ترین ماخذوں میں بھی ملتا ہے۔ جن میں قوام العقائد[2] (تالیف ۷۵۵ھ)

---

[1] امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، مترجم، خواجہ حسن نظامی دہلوی، اشاعت، جنوری ۲۰۰۶، مجلس نمبر ۴۹، ص: ۳۵۷۔

[2] قوام العقائد سیر الاولیاء سے بھی پہلے لکھی گئی۔ اس کے راوی قوام الدین معروف بہ شمس العارفین خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ تھے۔ ان روایات کو ان کے پوتے محمد جمال قوام الدین نے ان کی زندگی میں محرم ۷۵۵ھ سے رجب ۷۵۵ھ کے عرصے میں اُن کے سامنے قلمبند کیا۔ اس طرح یہ چشم دید راوی کے بیانات پر مشتمل کتاب ہے۔ ترتیب زمانی میں فوائد الفواد کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے۔ مقام تالیف، دولت آباد، (مہاراشٹر)۔

محمد جمال قوام الدین، قوام العقائد، مترجم پروفیسر نثار احمد فاروقی، نئی دہلی ۲، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۰۵-۱۰۶۔

دُرر نظامی [۱] مرآۃ الاسرار وغیرہ ہیں مرآۃ الاسرار کے مقدمہ میں لطائف اشرفی (ملفوظات سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ) کے حوالے سے ایک روایت بھی بیان ہوئی ہے کہ جبرائیلؑ بارگاہِ ایزدی سے ایک کپڑا لائے اور رسول اللہ ﷺ کو دیا۔ آپؐ نے اُس کے چار حصے کیے اور ایک حصہ حضرت ابوبکرؓ کو ، ایک حضرت عمرؓ کو، ایک حضرت عثمانؓ اور ایک حضرت علیؓ کو دیا اور فرمایا کہ اس کی حفاظت کرنا اور بوقت ضرورت لے آنا۔

پھر ایک دن آپؐ نے اصحابؓ مذکورہ سے وہ کپڑا طلب فرمایا۔ پہلے تین صحابہ کرامؓ نے اُس کپڑے کو غائب پایا اور حضرت علیؓ نے چاروں حصے رسول اللہ ﷺ کو پیش کر دیے آپؐ نے فرمایا:

''مبارک ہو!
اسے پہنو اور پہناؤ'' [۳]

قدیم ترین ماخذوں اور جدید کتب سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت علیؓ کو خرقہ خلافت سے نوازا جیسا کہ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دیگر سلاسل کی طرح سلسلہ چشتیہ کا آغاز بھی حضرت علیؓ سے ہوتا ہے اور اس طرح تمام سلاسل تصوف ایک ہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

---

۱ دُرر نظامی علی محمود بن جاندارؒ کی تصنیف ہے۔ مؤلف خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید ہیں اور اس کتاب میں انہوں نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کو ۳۰ ابواب میں تقسیم کیا۔ اس میں کچھ ملفوظات وہی ہیں جو ''سیر الاولیاء'' اور ''فوائد الفواد'' میں بھی مل جاتے ہیں اور ایک حصہ وہ ہے جس کے راوی صرف مؤلف دُرر نظامی ہیں۔ اس کی تالیف ۷۵۰ھ کے قریب ہوئی۔

علی محمود بن جاندار، دُرر نظامی، مترجم صاحبزادہ یٰسین علی نظامی، کتب خانہ نذیریہ، مسلم منزل، باولی دہلی، تالیف، ۷۵۰ھ۔

۲ عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم، واحد بخش سیال، (تالیف، ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ)، ص: ۶۵۔

۳ عبد الرحمٰن چشتی، مترجم، واحد بخش سیال، مرآۃ الاسرار، الفیصل، لاہور، ص: ۶۶۔

نوٹ: بہر حال فوائد الفواد کی روایت زیادہ مستند ہے۔

ذیل میں شجرہ مشائخ چشتیہ از سرور عالم محمد مصطفیٰ ﷺ تا بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ درج ہے۔

اسمائے گرامی	جائے ولادت و سن ولادت	مدفن و سن وفات
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ	۱۲ ربیع الاول مکہ شریف	مدینہ منورہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ
حضرت علی کرم اللہ ابن ابی طالب	۱۳ رجب بیت اللہ شریف	نجف اشرف / ۲۱ رمضان ۴۰ھ
حضرت خواجہ حسن بصریؒ	مدینہ منورہ	بصرہ، یکم رجب ۱۱۰ھ
حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد ابن زید تمیمیؒ	بصرہ	بصرہ، ۲۷ صفر، ۱۷۷ھ
حضرت خواجہ ابوالفیض فضیل بن عیاضؒ	سمرقند	مکہ معظمہ، ۱۸۷ھ
خواجہ ابراہیم ادہم بلخیؒ	بلخ	شام یا بغداد، ۲۶۱ھ [1]
خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشیؒ	مرعش	شوال ۲۸۴ھ
خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ البصریؒ	بصرہ	۲۸۷ھ یا ۲۸۸ھ
خواجہ ممشاد علو دینوریؒ	دینور	محرم الحرام ۲۹۹ھ
خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ	چشت	شہر عکہ، ۳۲۹ھ یا ۳۲۰ھ
خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ	چشت ۲۶۶ھ	چشت، ۱۱ جمادی الاخر ۳۵۵ھ
خواجہ ابو محمد چشتیؒ	چشت	غرہ، ۴۱۱ھ یا ۴۲۱ھ [2]
خواجہ ابو یوسف چشتیؒ	چشت	ربیع الاول ۴۵۹ھ
خواجہ مودود چشتیؒ	چشت ۴۳۰ھ	چشت غرہ، ۵۲۷ھ
خواجہ حاجی شریف زندنیؒ	زندنہ ۴۹۴ھ	زندنہ، رجب ۶۱۲ھ
خواجہ عثمان ہرونیؒ	ہارون ۵۲۶ھ	۶۱۷ھ
خواجہ معین الدین چشتی سجزیؒ	سجستان، اجمیر شریف،	۶۳۳ھ
خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	اوش، ۵۸۲ھ	دہلی، ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ
بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ	۵۷۶ھ، کوٹھے وال	۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ، پاکپتن

---

[1] عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص: ۲۹۰، میں تین روایات ۱۶۱ھ، ۱۶۶ھ، ۱۸۷ھ لکھی ہیں۔

[2] مرآۃ الاسرار (اردو ترجمہ) ص: ۴۲۵، میں آپ کی وفات سلطان محمود غزنوی کے عہد (۴۲۱ھ) میں ہوئی لکھا ہے۔

اس ترتیب سے شجرہ مشائخ چشتیہ مختلف کتب میں ملتا ہے بعض کتب میں منظوم شکل میں بھی ملتا ہے۔ کہیں فارسی زبان میں کہیں عربی زبان اور کہیں اُردو زبان میں لیکن ترتیب یہی ہے۔[۱] ہندوستان کے مذہبی اور غیر مذہبی لٹریچر میں فتوح السلاطین وہ پہلی کتاب ہے جس میں مشائخ چشت کا شجرہ نظم کیا گیا۔

''فتوح السلاطین'' میں شجرہ مشائخ چشت اس طرح منظوم ہے۔

علی چوں[۱] ازیں کارواں رخت برد — یکے خرقہ بر پیر[۲] بصری سپرد

حسن چوں سفر کرد ازیں کوچگاہ — شرف یافت از وعبد[۳] واحد کلاہ

رسیدہ از و بر فضیل[۴] عیاض — کہ شد تازہ از بوئے خلقش ریاض

وزو خرقہ بر پور ادہم[۵] رسید — ملک وار آں حلہ در بر کشید

از و یافت آں خواجہ مرعشی — حذیفہ[۶] بہ صد فرحت و دل خوشی

پس آں گہ بہ صدق ارادت ربود — حبیرہ کہ تعریفش از بصرہ بود

ازاں پس بہ خواجہ[۸] علو کش عرب — بہ دینور نسبت کند در نسب

وزو خواجہ اسحٰق[۹] چشتی نژاد — بہ بر در کشید آں لباس مراد

پس آں خرقہ بو احمد[۱۰] چشت یافت — کہ خورش بہشت و ملائک بیافت

محمد[۱۱] کہ او نیز از چشت بود! — ز سودائے خوش کرد زاں مایہ سود

وزو یوسف[۱۲] آں پیر چشتی گرفت! — چو روحش ہوائے بہشتی گرفت

وزو یافت آں قطب چشتی سرشت — کہ بودست مودود[۱۳] و مقبول چشت

وزو یافت آں اشرف الدین شریف — کہ شد زندنی[۱۴] نسبت آں حریف

وزو یافت ہارونی[۱۵] عثمان ہبر — در آورد آں خلعت خوش بہ بر

۱؎ میر عبد الواحد بلگرامی، مترجم مفتی محمد خلیل خان، سبع سنابل، تالیف ۹۶۹ھ، ص:۱۲۸-۱۲۹۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وزو در بر آں خرقہ عبدے بعید　　معین الدین [۶] آں پیر ہجری کشید [۱]

بعض کتب میں وِرد کے طور پر بھی یہ شجرہ مشائخ چشتیہ لکھا ملتا ہے۔ اور ان کی وساطت سے دُعا کی جاتی ہے۔ وِرد کے طور پر ان الفاظ میں یوں آغاز ہوتا ہے۔

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ الٰہی بحرمتِ امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الٰہی بحرمت خواجہ حسن بصریؒ ... الیٰ آخرہٖ [۲]

بعض کتب میں "اَللّٰھُمَّ صَلِّی علیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الَّذِی کَانَ عَلِیًّا فِیْ دَرَجَاتِہٖ ... الیٰ آخرہٖ [۳]

بہر حال شجرہ چشتیہ کسی بھی شکل میں ہو ترتیب یہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور بعض دوسرے لوگوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خرقہ خلافت خواجہ حسن بصریؒ تک حضرت علیؓ کے ذریعے نہیں پہنچا بلکہ آپ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے ذریعے پہنچا۔ بعض کے خیال میں آپ کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کے خیال میں وجہ یہ ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ اس وقت خورد سال تھے اور خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن شاہ فخر الدین دہلویؒ جو شاہ ولی اللہؒ کے ہمعصر تھے۔ نے اپنی کتاب "فخر الحسن" میں شاہ ولی اللہؒ کے اس خیال کی تردید کی ہے۔ اور حضرت خواجہ بصریؒ کا حضرت علیؓ سے خلافت پانا ثابت کیا ہے۔ کتاب "فخر الحسن" کی شرح مولانا احسن الزمان حیدرآبادی نے "قول المستحسن فی شرح فخر الحسن" کے نام سے عربی زبان میں کی ہے۔ [۴]

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) خواجہ حسن نظامی دہلوی، نظامی بنسری، اشاعت چہارم، نئی دہلی، ۱۴۰۴ھ، ص: ۵۶۔
محمد محمود نظام الدین، صحیفۂ نظامی (فارسی قلمی عکسی) ص: ۲۴-۲۵۔
محمد احتشام الدین مارنولی چشتی، سلسلۃ الذھب، مع حالات مشائخ، محمدی پریس کانپور، ۱۳۱۸ھ، ص ۴۲ تا ۵۰۔
خلیق نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۳۹-۱۴۰۔

۱؎ فتوح السلاطین (بہ تصحیح محمد یوشع مدراس ۱۹۴۸ء) ص ۷-۸ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ۱۴۰-۱۴۱۔
۲؎ نور الدین محمد بن حالم، ذخیرۃ المشائخ (قلمی فارسی)، ۱۱۱۰ھ، ص: ۲۷۶-۲۷۸۔
۳؎ نعمت علی، سُبُل السلام، بہاولنگر، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۴ء، ص: ۷۴-۷۵۔

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب نے اپنی کتاب ''الاکمال فی اسماء الرجال مشکوۃ مصابیح'' میں لکھا ہے اگر چہ حسن بصریؒ کا بصرہ میں حضرت علیؓ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں لیکن مدینہ میں ثابت ہے۔انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بھی دیکھا اور عمرؓ نے آپ کی تحنیک (کھجور منہ میں چبا کر بچہ کے تالو سے لگانا) کی۔مزید یہ کہ آپ نے ابوموسیٰ اشعریؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے صحابہ اکرامؓ سے روایت کی ہے۔آپ کی پرورش کاشانہ نبوت میں ہوئی ام المومنین ام سلمہؓ نے آپ کو دودھ بھی پلایا اور پرورش بھی کی آپ کے والد یسارؓ حضرت زید بن ثابتؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ [1]

اسی لیے امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ آپ کا کلام انبیاء علیہم السلام کے کلام سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ [2]

سیر الاولیاء اور مرآۃ الاسرار میں بھی تحریر ہے کہ آپ کا نام حضرت عمر فاروقؓ نے رکھا اور یہ کہ آپ کی والدہ ام المومنین ام سلمہؓ کی کنیز تھیں والدہ گھر کے کام کاج کرتیں اور آپ ام المومنین کی گود میں ہوتے انہوں نے آپ کو دودھ بھی پلایا۔اوران کے حق میں دعا گو بھی رہتی تھیں آپ نے ایک سوتیس صحابہ اکرامؓ کو پایا۔

سیر الاولیاء [3] اور مرآۃ الاسرار [4] میں آپ سے حضرت علیؓ کی بصرہ میں ملاقات کرنا بھی ثابت ہے۔

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب، الاکمال فی اسمار الرجال، کراچی، ص:۲۶۔

[2] امام ابوحامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ج، لکھنو، ۱۲۹۰ھ، ص:۱۶۸۔

[3] میر خورد، سید محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۴۲۔
میر خورد، سید محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء، مترجم غلام احمد بریاں، ص:۸۴-۸۵۔

[4] عبدالرحمن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم واحد بخش سیال، ص:۲۳۰۔

اور یہ واقعہ بھی بیان ہے کہ حضرت علیؓ جب بصرہ تشریف لے گئے تو تمام واعظوں کے وعظ بند کروا دیئے اور ممبر توڑنے کا حکم دیا لیکن خواجہ حسن بصریؒ سے سوال کیے اور آپ کے جواب سے مطمئن ہو کر فرمایا نوجوان شائستہ کلام ہے۔ آپ نے خواجہ حسن بصریؒ کو وضو اور ظاہری و باطنی طہارت کی تعلیم بھی دی اس مقام کو ''باب الطشت'' کہا جاتا ہے۔

اس مقام پر حضرت علیؓ نے خواجہ حسن بصریؒ کو وضو کرنا سکھایا اس مقصد کے لئے طشت لایا گیا۔ اس لئے اس کو ''باب طشت'' کہا جاتا ہے۔[1]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۴۲۔

باب دوم: برعظیم پاک و ہند میں چشتیہ سلسلہ کا آغاز

فصل اول: برعظیم پاک و ہند میں چشتی مشائخ کی آمد

فصل دوم: مشائخ چشت از خواجہ معین الدین چشتیؒ

تا

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

باب دوم:

برعظیم پاک و ہند میں چشتیہ سلسلہ کا آغاز

برعظیم پاک و ہند میں پہلی صدی ہجری میں ہی مسلمان فاتحین کی آمد کا آغاز ہو گیا تھا جب ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی شیراز کے راستے سرزمین ہندوستان میں داخل ہوا اور سندھ، ملتان اور سیوستان تک کے علاقوں کو فتح کر کے اپنے تصرف میں لے لیا۔[۱] اس نوجوان مسلم فاتح کے حسن سلوک اور اخلاق حسنہ کے سبب ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور داعیان اسلام کے مراکز اور خانقاہیں قائم ہوئیں۔

دوسری بار اسلام ترک فاتحین کی یلغار کی صورت میں درہ خیبر، بولان کے راستے برعظیم پاک و ہند میں داخل ہوا۔ لیکن ان فتوحات کا دائرہ اثر محدود رہا۔ اُن کے حسن سلوک نے کسی حد تک تو ہندو معاشرے کو متاثر کیا لیکن اشاعت اسلام کے سلسلے میں زیادہ ممد و معاون ثابت نہ ہوئے۔

جو کام غازیان اسلام کی شمشیر آبدار نہ کر سکی اُس کا بیڑہ مسلم صوفیائے عظام نے اٹھایا۔ انہوں نے اپنے حسن عمل اور اخلاق محمدیؐ کے ذریعے اشاعت اسلام اور دین کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا اور برعظیم پاک و ہند کو اسلام کی فکری اور روحانی قوت کا اہم مرکز بنا دیا۔

یہ سب خواجگان چشت کی مساعی جمیلہ سے ممکن ہوا۔ خواجگان چشت کی برکت اور توجہ سے غزنوی اور غوری ہندوستان پر مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کر سکے۔ صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ سب سے پہلی اور سب سے آخری فتح ہند خواجگان چشت کی برکت سے وقوع پذیر ہوئی اور خواجگان چشت کا تمام ملک پر تصرف ہے۔[۲]

۱؎ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص: ۴۲۲۔

۲؎ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم واحد بخش سیال، ص: ۴۲۴۔

فصل اول:

پاک و ہند میں چشتی مشائخ کی آمد

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان کی فتح سے پہلے صوفیہ کے سلسلے وجود میں آ چکے تھے۔اور اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان میں پہنچ گیا تھا۔لیکن ہندو پاک کی روحانی فتح سلسلہ چشتیہ کے حصے میں آئی۔

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ پاک و ہند کا سب سے پہلا فاتح سلطان محمود غزنوی تھا[۱]۔سب سے پہلے چشتی بزرگ خواجہ ابو محمد چشتیؒ (م ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء) ہیں جو اشارہ غیبی سے محمود غزنوی کی فوج میں شامل ہوئے اور پاک و ہند میں جہاد میں حصہ لیا۔مولانا عبدالرحمٰن جامی ''نفحات الانس'' میں لکھتے ہیں۔

وقتی کہ سلطان محمود بہ غزو سومنات رفتہ بود، خواجہ (ابو محمد چشتی) را در واقعہ نمودند کہ بمددگاری وی باید رفت، در سن ہفتاد سالگی با درویش چند متوجہ شد، چوں آنجا رسید بہ نفس مبارک خود با مشرکان وعبد اصنام جہاد کرد[۲]

ترجمہ: جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف گیا ہوا تھا، خواجہ (ابو محمد چشتی) کو اشارہ غیبی ہوا کہ اس کی مدد کے لیے جائیں وہ ستر برس کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس جہاد میں شرکت کی۔

صاحب ''مرآۃ الاسرار'' نے بھی نفحات الانس کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے لیکن انہوں نے آپ کی تاریخ وفات ۴۲۱ھ [۳] بتائی ہے اور سومنات ۴۱۶ھ میں فتح ہوا۔جبکہ آپ کی تاریخ وفات ۴۱۱ھ بتائی جاتی ہے اگر صاحب مرآۃ الاسرار کا مذکورہ سنہ وفات درست ہے تو پھر جامیؒ کی مراد

۱۔ عبدالرحمٰن چشتی مرآۃ الاسرار، مترجم واحد بخش سیال، ص: ۴۲۴۔

۲۔ عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس، لکھنو، ۱۳۳۳ھ، ص: ۲۹۷۔

۳۔ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم واحد بخش سیال، ص: ۴۲۵۔

سومنات کا حملہ ہی ہے اور اگر آپ کا سن وفات ۴۱۱ھ مانا جائے تو پھر عبدالرحمٰن جامی کی مراد حملہ سومنات سے حملہ ہندوستان ہے کیونکہ حملہ سومنات سے پہلے محمود غزنوی نے ہندوستان پر آٹھ حملے کیے۔ اور غالباً پہلے حملے میں خواجہ ابو محمد چشتیؒ [1] محمود غزنوی کے ہمراہ تھے لیکن انہوں نے ہندوستان میں مستقل قیام نہیں کیا بلکہ چشت واپس چلے گئے۔ اُن کا مقصد محمود غزنوی کی پشت پناہی تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے پے در پے کامیاب حملوں نے ہندو راجاؤں کا زور توڑ دیا لیکن وہ کوئی مستحکم حکومت قائم نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ محمد غوری (۶۰۲ھ/۱۲۰۵م) نے ۵۸۸ھ میں رائے پتھورا [2] کو شکست فاش دی۔ اس سے پہلے ۵۸۷ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو پرتھوی راج نے سلطان کو ترائن کے مقام پر شکست دی۔ اگلے سال سلطان نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا اور پرتھوی تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھیوں کے ساتھ مقابلہ پر آیا لیکن خواجہ معین الدین چشتیؒ کی دعا اور توجہ کی برکت سے سلطان کو فتح حاصل ہوئی۔ (ملاحظہ ہو باب ھذا کی فصل دوم)

''طبقات ناصری'' کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمانی جوز جانی نے لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سلطان شہاب الدین غوری کے اُس لشکر کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے جس نے پرتھوی راج کو شکست دی۔ [3]

---

[1] خواجہ ابو محمد چشتیؒ (م ۴۱۱ھ یا ۴۲۱ھ) خواجہ ابو احمد چشتیؒ کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ کا لقب ناصح الدین تھا۔

[2] رائے پتھورا معروف بہ پرتھوی راج سومیشور کا بیٹا تھا۔ راجپوتوں کی دو طاقتور مرکزی سلطنتوں دہلی اور اجمیر کا حکمران تھا۔ اس کا قیام اجمیر میں رہتا تھا۔ اجمیر اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا مذہبی اور سیاسی مرکز تھا۔ وہ فنون سپہ گری میں ماہر اور بہادر راجپوت تھا اس نے بہت سی جنگوں میں نمایاں فتوحات حاصل کیں۔ جس کی بنا پر ہندوستان کے دور آخر کے بہادر اور طاقتور رہنماؤں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ لیکن اُس کی اِس شکست نے اُس کی عظمت پر پردہ ڈال دیا اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے فرمان کے مطابق زندہ گرفتار ہو کر سلطان شہاب الدین کے ہاتھوں قتل ہوا۔ (اس کی تفصیل فصل دوم میں ملاحظہ فرمائیں)

[3] قاضی منہاج الدین عثمانی جوز جانی، طبقات ناصری، کلکتہ، ۱۸۶۴ء، ص: ۱۴۰۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سلطان محمد غوری کے حملوں جو ۵۷۹ھ سے ۶۰۲ھ تک جاری رہے کے دوران ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر (جو کہ اس وقت راجپوت طاقت وحکومت اور ہندو مذہب اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز تھا) کو اپنا مسکن بنایا۔ [۱]

والئ اجمیر پرتھوی راج آپ کی کرامات اور مقبولیت کی وجہ سے آپ کی اجمیر میں سکونت سے خوش نہیں تھا۔ اسی لیے اس نے مسلمان مقرب کو تکلیف دینا شروع کر دی اور وہ واقعہ پیش آیا جو محمد غوری کی فتح کا باعث بن گیا۔ (تفصیل باب ھذا کی فصل دوم میں آئے گی)

خلیق نظامی مرحوم نے اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' میں اس خیال کو غلط قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی محمد غوری کے حملوں کے بعد شروع ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان محمد غوری کے حملوں سے پہلے ہندوستان میں متعدد جگہوں پر مسلم نو آبادیاں جہاں ان کے مدرسے، خانقاہیں اور دینی ادارے قائم تھے۔ اجمیر، بدایوں، قنوج، ناگور اور بہار کے بعض شہروں میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ صاحب ''مشارق الانوار'' مولانا رضی الدین حسن صغانیؒ جو ہندوستان کے علماء حدیث میں سرفہرست ہیں۔ سلطان محمد غوری کی فتوحات کے سلسلے سے تقریباً دس سال قبل بدایوں میں پیدا ہوئے اور وہیں دینی تعلیم حاصل کی۔ [۲]

خلیق نظامی مرحوم نے بنارس یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر آر۔ ایس۔ تریپاٹھی کی ایک کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ قنوج میں مسلم حکومت قائم ہونے سے پہلے مسلمان موجود تھے۔ اور وہ لکھتے ہیں بہار کے متعلق بھی جدید تحقیقات یہی ہیں کہ محمد بن بختیار خلجی (۱۱۹۹ء) کی فتح سے قبل وہاں صوفیہ کرام اور بزرگان دین پہنچ چکے تھے۔ [۳]

---

۱ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۵۶ ، میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، مترجم، غلام احمد بریاں، ص: ۱۰۳۔

۲ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دار المولفین، اسلام آباد، ص: ۱۴۳۔

۳ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۴۔

اگر چہ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مبلغین اور علماء کی آمد برعظیم پاک وہند میں شروع ہو گئی تھی۔صوفیہ اور مشائخ میں سے بھی بعض برعظیم پاک وہند میں تشریف لائے اور ان لوگوں نے فیض بھی پایا۔لیکن انہوں نے وسیع پیانہ پر سلسلہ طریقت قائم نہیں کیا۔اور حقیقت یہ ہے کہ برعظیم پاک وہند کی روحانی فتح کیلئے قدرت نے سلسلہ چشتیہ کا انتخاب کیا۔اس بنا پر برعظیم پاک وہند کو سلسلہ چشتیہ کا ورثہ بھی کہا جاتا ہے۔ان چشتی مشائخ نے اس خطہ کے لوگوں کے مزاج کے مطابق اور ان کے ماحول میں رچ بس کے ان کے سامنے اسلام کے زریں اصولوں اور اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کیا۔اور اشاعت اسلام میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

خواجہ ابو محمد چشتیؒ سب سے پہلے بزرگ تھے جو اس خطہ میں تشریف لائے لیکن ان کے کام کی تکمیل اور برعظیم پاک وہند میں اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام اور اس عظیم سلسلہ کی بنیاد رکھنے کا سہرا خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سر ہے۔آپ اور آپ کے خلفاء کا بلاشبہ اس خطے برعظیم پاک وہند کی بعد کی نسلوں پر بھی احسان عظیم ہے۔بقول مولانا غلام آزاد علی بلگرامی یہ درست ہے کہ

لاشک بزرگان چشت عنبر سرشت راحقی است قدیم بر ولایت ہند[1]

اس میں شک نہیں کہ بزرگان سلسلہ چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی برعظیم پاک وہند میں تشریف آوری ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔جس سے برعظیم پاک وہند دعوت اسلام کا عظیم مرکز بن گیا اور سسکتی ہوئی انسانیت کو نجات کا راستہ نظر آ گیا۔فصل دوم میں خواجہ خواجگان معین الدین چشتیؒ کی حیات مبارک کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1] غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکرام، آگرہ، ۱۹۱۰ء، ص: ۷۔

فصل دوم:

مشائخ چشت از خواجہ معین الدین چشتیؒ

تا

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ

آپ کا نام اکثر تذکروں میں معین الدین حسن سنجری [1] درج ہے۔ سیر الاولیاء میں آپ کا نام خواجہ معین الحق والدین خواجہ معین الدین سنجریؒ درج ہے [2]۔ آپ کے والد کا نام سید غیاث الدین حسن تھا۔ مرآۃ السالکین میں سفینۃ الاولیاء اور اقتباس الانوار کے حوالے سے لکھا ہے کہ سجز بفتح سین اور سکون جیم و زاء معجم مخفف سجستان کا ہے۔ خیرُ الاذکار کے حوالے سے نور محمد مہارویؒ سے منقول کیا ہے

---

[1] خلیق نظامی مرحوم نے تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۰ کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ اصل لفظ ''سجزی'' ہے۔ ''سنجری'' نہیں کیونکہ خواجہؒ کا وطن سجستان تھا اسی نسبت سے سجزی کہلائے کاتب کی غلطی کی وجہ سے ''سنجری'' مشہور ہو گیا۔ بقول اُن کے ''رسالہ احوال پیران چشت'' غالباً پہلا قدیم مسودہ ہے جس میں یہ لفظ صحیح لکھا ہوا ان کی نظر سے گزرا۔
تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۰۔

قدیم جغرافیہ دان سجستان کو خراستان کا حصہ مانتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں اس کا اکثر حصہ ایران میں شامل ہے اور باقی افغانستان میں بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک سجز، سجستان کے خاص مقام کا نام ہے۔ جس کی طرف سجزی نسبت آتی ہے۔ بعض اوقات پورے سجستان کی طرف بھی سجزی کہہ کر نسبت کرتے ہیں۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (اُردو)، ص: ۱۰۲۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الالیاء (فارسی) ص: ۵۵۔

کہ آپ کے والد قریہ سنجار متعلقہ عراق کے باشندہ تھے اس لیے آپ کو سنجری کہتے ہیں۔ [1]

علامہ اقبالؒ جیسے محقق اور وسیع المطالعہ عالم نے بھی آپ کو 'پیر سنجر'' لکھا ہے۔

سید تجویر مخدومِ امم
مرقدِ اوپیر سنجر را حرم!

(اسرارِ خودی)

بہرحال زیادہ تر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ ''سنجری'' کی بجائے درست لفظ ''سجزی'' ہے۔اور ''سنجری'' کاتب کی غلطی سے مشہور ہوا۔

خواجہ معین الدین حسن سجزیؒ کی تاریخ ولادت کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔جو ملفوظات اور تصنیفات ان کی طرف منسوب ہیں ان میں سنِ ولادت کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی طرح سیر الاولیاء جیسے قدیم تذکرے میں بھی آپ کی سنِ ولادت کا ذکر نہیں۔اخبارالاخیار میں ۵۲۷ھ [2] لکھا ہے۔ آئینِ اکبری (جلد سوم) میں ۵۳۷ھ ہے۔گلزارِ ابرار میں ۵۳۷ھ۔ سیر الاقطاب میں سنِ ولادت و وفات دونوں کا اندراج نہیں۔سفینۃ الاولیاء میں سن ولادت ۵۳۷ھ اور آپ کی عمر مبارک ۹۷ سال بتائی جاتی ہے۔اس حساب سے آپ کی تاریخ وفات جو ۶۳۳ھ آئینِ اکبری، تاریخ فرشتہ اور اخبارُ الاخیار میں مذکور ہے۔اور ۶۳۲ھ (انوارُ الفرید،ص:۲۰۲) مطلوب الطالبین میں بھی ۶۳۲ھ ہے اگر ۶ رجب ۶۳۲ھ تاریخ وفات تسلیم کی جائے جو ۹۷ سال کی عمر کے حساب سے خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تاریخ پیدائش ۵۳۵ھ بنتی ہے۔نزھۃُ الخواطر میں [3] آپ کی تاریخ پیدائش ۵۳۶ھ مذکور ہے۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء کے مطابق سنِ ولادت ۵۳۷ھ معتبر تسلیم ہے۔ [4]

---

[1] مولوی محمد امام الدین، مرآۃ السالکین، میکی پریس، گوجرانوالہ، ۱۳۰۴ھ، ص:۷۵۔

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُالاخیار، مترجم، مولانا سبحان محمود، مَیا محل دہلی، ۱۹۹۴ء، ص:۵۵۔

[3] سید عبدالحی ندوی، نزھۃ الخواطر، مترجم ابو یحیٰی امام خان، لاہور، ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۷ء، ص:۲۰۶۔

[4] ماہنامہ "سلطان الہند" مدیران، قاری محمد میاں مظہری، پیرزادہ امام الدین معینی، ناشر نجم الدین معینی، ج ۱۱ شمارہ ۵، مئی ۱۹۸۱ء، ص:۳۵

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی نشوونما خراسان میں ہوئی اور آپ کا سلسلہ نسب امام حسنؓ بن امیر المومنین علی بن طالب کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔[1]

صاحب سیر الاولیاء میر خورد نے آپ کو "نائب رسول اللہؐ فی الہند" [2] لکھا ہے۔ ایک مجذوب بزرگ ابراہیم قندوزیؒ کی توجہ سے طالب حق کا جذبہ پیدا ہوا۔ سب کچھ راہِ اللہ تقسیم کرکے تحصیل علم کیلئے سفر اختیار کیے سمرقند و بخارا میں رہے علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد علوم باطنی کے لیے عرب کے ملک عراق تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ (ھرونیؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیس سال[3] تک مرشد کی زیر تربیت اور خدمت رہے اور خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے۔

اسی دوران مرشد کے ہمراہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے سفر کیا اور مرشد نے وہاں آپ کی مقبولیت کی دعا کی اور آپ کو بشارت دی۔ آپ مرشد سے رخصت ہو کر مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ شیخ ابوالحسن علی ہجویری داتا گنج بخشؒ (م ۴۶۵ھ) کے مزار پر چلہ کاٹا۔ اور براستہ ملتان دہلی اور پھر اجمیر تشریف لائے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ چھٹی صدی ہجری میں اجمیر تشریف لائے یہ وہ زمانہ تھا جب سارا ہندوستان کفر وضلالت کے سیاہ اندھیروں میں لپٹا ہوا تھا اور اجمیر ہندوؤں کا مذہبی اور سیاسی گڑھ تھا۔ صاحب سیر الاولیاء "میر خورد" ان الفاظ میں رقمطراز ہیں۔

> مملکت ہندوستان تا حد برآمدنِ آفتاب ہمہ دیار کفر وکافری وبت پرستی بود،
> ومتمردانِ ہند ہر یکی دعوٰی "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" می کردند وخدای را جل وعلی
> شریک می گفتند وسنگ وکلوخ ودرخت وستور وگاؤ وسرگینِ آن را سجدہ می کردند وبہ
> ظلمت کفر قفل دل ایشاں مظلم ومحکم بود [4]

---

[1] عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم، واحد بخش سیال، ص:۵۹۲۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، مترجم، غلام احمد بریاں، ص:۱۰۲ ، میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی) ص:۵۵۔

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مترجم، سبحان محمود، ص:۵۵۔

[4] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۵۷۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

ہمہ غافل از حکم دین وشریعت
ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ھرگز کسے دیدہ ھنجار قبلہ
نہ ھرگز شنیدہ کس اللہ اکبر [1]

ترجمہ: سب کے سب دین وشریعت کے حکم سے غافل اور خدا اور پیغمبر کے حکم سے بے خبر تھے۔ کسی آنکھ نے نہ کبھی قبلہ دیکھا نہ اللہ اکبر کی آواز کسی کان نے سُنی تھی۔

ایسے بھیانک ماحول میں ہندوستان کے قلب سیاسی ومذہبی مرکز اجمیر کو اپنا مسکن بنانے کا فیصلہ اُن کی اولوالعزمی اور جرأت ایمانی کا واضح ثبوت ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایسے گمراہی کے ماحول میں انہوں نے اسلام کے نظریہ توحید کو عملی شکل میں پیش کیا۔ جس کے نتیجے میں وہاں کے لوگوں کو اپنی نجات اور کامیابی اسی دین اسلام میں نظر آئی اور وہ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ غوری کے حملوں کے دوران ہی ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہندوستان کی قسمت کو بدل کر رکھ دیا۔ (فصل اول باب ھذا) میں اس واقعہ کا اشارۃً تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہاں اجمالاً واقعہ درج ہے۔

پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حلقہ مریدین میں سے تھا۔ پتھورا کا جب خواجہ معین الدین چشتیؒ پر کوئی بس نہ چلا تو اس نے مسلمان درباری کو اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ اُس درباری نے خواجہ سے شکایت کی جس پر خواجہ معین الدین چشتیؒ نے رائے پتھورا کو نرمی سے سفارش کی لیکن اُس گھمنڈی نے آپ کی شان میں ناشائستہ الفاظ استعمال کیے۔ اور باز نہ آیا۔ جس پر آپ نے فرمایا

"پتھورا رازندہ گرفتہ بدست لشکر اسلام دادم"۔ [2]

یعنی ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا۔

انہی دنوں شھاب الدین غوری لشکر اسلام کے ساتھ حملہ آور ہوا اور اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۵۷ ، میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، مترجم، غلام احمد بریاں، ص: ۱۰۴۔
[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۵۶-۵۷ ، عبد الرحمٰن چشتی، مراۃ الاسرار، ص: ۵۹۹۔

سے مقابلہ کر کے پرتھوی کو زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا۔[۱] اور اسی دن سے خواجہ معین الدین چشتیؒ کی پشت پناہی اور دعا سے ہندوستان میں اسلام مستحکم ہو گیا۔

جو سر زمین ہزاروں سال سے معرفت سے محروم اور توحید سے نا آشنا تھی علماء و اولیاء کی سر زمین اور دارالاسلام بن گئی۔

ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' میں لکھا ہے۔

عزلت گزیں بہ اجمیر شد فراوان چراغ بر افروخت،
وازدم کبرائی اوگروہا گروہ مردم بہرہ برگرفتند۔[۲]

ترجمہ:- آپ اجمیر میں گوشہ نشیں ہوئے اور ہدایت کے بے شمار چراغ روشن کیے اور ان کے نفس قدسیہ کی برکت سے لوگوں کی بڑی بڑی جماعتوں نے فائدہ اٹھایا

جب برعظیم پاک و ہند میں آپ کے لگائے ہوئے پودے کی جڑیں مضبوط ہو گئیں تو آپ ۶۳۳ھ میں ۹۷ سال کی عمر میں رحلت فرما گئے آپ کا مزار شریف اجمیر میں ہے

آپ کے کئی خلفاء میں سے دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شیخ حمید الدین صوفی سوالی ناگوریؒ[۳] اور شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔

سلسلہ کا اجراء قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ہوا۔

۱۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، مترجم غلام احمد بریاں، ص:۱۰۳-۱۰۴ ، سیر الاولیاء (فارسی)، ۵۶-۵۷۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مترجم، مولانا سبحان محمود، ص:۵۵-۵۶۔
عبدالرحمٰن چشتی، مترجم، واحد بخش سیال، مرآۃ الاسرار، ص:۵۹۹۔

۲۔ ابوالفضل، آئین اکبری، دہلی، ۱۲۷۲ھ (سر سید ایڈیشن) ص:۳۷۔

۳۔ شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے ناگور میں قیام کیا ایک بیگہ زمین کاشت کر کے روزی کا سامان کرتے۔ غریبی میں بھی استغناء کی شان تھی۔ آپ جید عالم تھے۔ ''سرور الصدور'' آپ کے ملفوظات ہیں جسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دین کے بنیادی مسائل، او امر و نواہی اور فرائض سے مسلمان پوری طرح واقف ہوں۔ انہوں نے علم حدیث کو علم تصوف سے زیادہ اہمیت دی۔ اُن کی تصانیف، مکتوبات اور اشعار مشہور ہیں۔ علماء و صوفیا میں اُن کی کتاب اصول الطریقہ مقبول ہے۔ انہوں نے طویل عمر کے بعد ۶۷۳ھ یا ۶۷۲ھ میں وفات پائی۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بن کمال الدین[۱] احمد بن موسیٰ اوشی قصبہ اوش[۲] (ماوراالنہر) کے رہنے والے تھے۔ سادات حسینی میں سے ہیں۔ آپ ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مرآۃ الاسرار[۳] میں ہے کہ کاکی اور بختیار لقب ہے جبکہ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ قطب الدین لقب اور بختیار نام ہے[۴] پانچ سال کی عمر سے مولانا ابو حفصؒ کی زیر تربیت رہے اور ظاہری و باطنی علوم اور آداب شریعت کی تعلیم حاصل کی۔

پھر بغداد کا سفر کیا اور سلطان الہند سے ۵۲۲ھ میں امام ابواللیث سمرقندیؒ کی مسجد میں شہابُ الدین سہروردیؒ، اوحد الدین کرمانی ؒ، شیخ برہان الدین چشتیؒ اور شیخ محمد[۵] صفاہانیؒ (شیخ محمود اصفہانیؒ) کے سامنے بیعت سے مشرف ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔[۶]

۱۔ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم، واحد بخش سیال، ص:۶۸۴، محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، لکھنو، ۱۲۸۱ھ، ص:۳۷۷۔
۲۔ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم، واحد بخش سیال، ص:۶۸۴، اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب (اردو ترجمہ) ص:۱۶۸۔
مرآۃ الاسرار میں درج ہے کہ اوش دیار فرغانہ میں ہے۔ فرید، نانک، بلھا، وارث میں تحریر ہے کہ یہ قصبہ منصور حلاج کے عقیدت مندوں کا گڑھ مشہور ہے اور ''تزک بابری'' میں بابر نے اس کا مکمل تعارف بیان کیا ہے۔
سید افضل حیدر، فرید، نانک، بلھا، وارث، دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص:۵۵۔
۳۔ مرآۃ الاسرار، ص:۶۸۴۔
۴۔ اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب (مترجم) معین الدین دردائی، ص:۱۶۹۔
۵۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، مترجم غلام احمد بریاں، ص:۱۰۵، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۵۸، مرآۃ الاسرار، ص:۶۸۵۔
سیر الاولیاء میں شیخ محمد صفاہانیؒ اور مرآۃ الاسرار میں شیخ محمود اصفہانیؒ درج ہے۔
۶۔ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۶۸۵۔

اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ پہلے لاہور پھر دہلی منتقل ہو گیا تھا۔ خواجہ قطب الدین بختیارؒ کو جو خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ خواجہ خواجگانؒ نے دہلی بھیج دیا۔ خواجہ قطب الدینؒ نے دہلی میں رہ کر سلسلہ کی نشر و اشاعت پر کام شروع کر دیا۔ جلد ہی دہلی کے عوام و خواص آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ آپ کی مقبولیت اس حد تک تھی کہ سلطان شمس الدین التمش اسکے باوجود کہ آپ نے دربار سے تعلق رکھنا پسند نہیں کیا سلطان برابر عقیدت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ سلطان نے آپ کی یاد میں قطب مینار تعمیر کرایا۔ حوض شمسی کے بنانے میں بھی آپ کے مشوروں پر عمل کیا۔ [۱] آپ کی یہ مقبولیت بعض لوگوں کو پسند نہ آئی جن میں شیخ نجم الدین صغریؒ بھی شامل تھے۔

ایک دفعہ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ دہلی تشریف لائے تو انہیں یہ صورتحال دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ نجم الدین صغریؒ جیسے لوگ محض بختیار کاکیؒ کی مقبولیت پر ناخوش ہیں تو انہوں نے بختیار کاکیؒ کو اپنے ساتھ اجمیر لے جانے کا فیصلہ کیا فرمانبردار مرید نے آپ کے فیصلے پر لبیک کہا۔ لیکن جب شہر سے باہر قدم رکھا لوگوں کو علم ہوا تو سلطان سمیت سب آپ کے پیچھے نکلے جس جگہ بختیار کاکیؒ قدم رکھتے وہاں کی خاک تبرکاً اٹھا لیتے۔ اور سب آپ کو روک رہے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر خواجہ معین الدینؒ نے آپ کو اجمیر لے جانے کا فیصلہ بدل دیا اور فرمایا

بابا بختیا! ہمدرین مقام باش کہ خلائق از بیرون آمدن تو در اضطراب وخراب است روا ندارم کہ چندیں دلہا خراب وکباب باشند بروایں شہر را درپناہ تو گذاشتیم [۲]

ترجمہ: بابا بختیار! تم وہیں رہو کیونکہ مخلوق تمہارے جانے سے بے چین وبیقرار ہے میں ہرگز اس بات کو جائز

---

[۱] عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص: ۶۸۹ - ۶۹۰، واحد بخش سیال، مقام گنج شکر، الفیصل، باردوم، جون ۲۰۰۰ء، ص: ۱۲۷ - ۱۲۸۔

[۲] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۶۴ - ۶۵، میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، (مترجم غلام احمد بریاں) ص: ۱۱۳۔
اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب: ص: ۱۸۰ - ۱۸۱، مرآۃ الاسرار (اردو ترجمہ) ص: ۶۸۹۔
واحد بخش سیال، مقام گنج شکر، ص: ۱۲۷۔

نہیں سمجھتا کہ اتنے دل خراب وکباب ہوں
جاؤ ہم نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا

قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دہلی میں قیام سلسلہ چشتیہ کے حق میں بہت سودمند ثابت ہوا۔ تاتاریوں کے فتنہ کے سبب گردونواح سے بھی بہت بڑی تعداد میں علماء مشائخ دہلی میں ہجرت کر کے آ چکے تھے۔ تمام عناصر جو آئندہ صدی میں مسلمانوں کی دینی وسماجی وثقافتی زندگی پر اثر انداز ہونے والے تھے۔ دہلی میں جمع تھے۔ دہلی نہ صرف دارالحکومت بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت وتجدید اسلام کا نیا مرکز تھا۔ آپ نے اس نئی ابھرتی ہوئی اسلامی سلطنت میں اپنا دامن فقر واستغناء آلودہ کیے بغیر اُن مقاصد عالیہ کو پورا اور صدیوں تک کے لیے محفوظ کر دیا جن مقاصد عالیہ کے لیے سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ہندوستان میں قیام فرمایا۔

ایک مرتبہ محفل سماع میں شیخ علی سجزیؒ کی خانقاہ میں جب مغنی شیخ احمد جام (م۵۳۶ھ) کے اس شعر پر پہنچے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را　　　　ہر زمان از غیب جانی دیگر است

اس شعر کے سنتے ہی آپؒ پر وجد طاری ہو گیا۔ چار دن تک آپ اسی شعر کی فرمائش کرتے رہے اور آپ پر تحیر ووجد کی یہی کیفیت طاری رہی جب نماز کا وقت ہوتا۔ ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کرتے۔[1] پانچویں روز ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں وفات پا گئے آپ کا مزار مبارک دہلی میں ہے۔

خواجہ بختیار کاکیؒ کا انتقال اپنے پیر ومرشد کی حیات مبارک میں ہی ہو گیا تھا۔[2]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی عکسی)، ص: ۶۵۔
میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (مترجم غلام احمد بریاں) ص: ۱۱۴-۱۱۵۔
عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (مترجم واحد بخش سیال)، ص: ۶۹۳-۶۹۴۔
رکن الدین نظامی، اسم کتاب نامعلوم عکسی، ص: ۹-۱۰۔
[2] نثار احمد فاروقی (پروفیسر)، نقد ملفوظات، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۹-۳۰۔

روایت ہے کہ آپ نے آخری عمر میں عقد کیا دو صاحب زادے تھے چھوٹے صاحبزادے کا انتقال بچپن میں ہو گیا۔ بڑے صاحبزادے خواجہ احمد بڑی عمر تک زندہ رہے۔ [1]

انتقال سے پہلے آپ نے عید کے روز وہ جگہ جہاں آپ مدفون ہیں اپنے ذاتی خرچ سے خریدی۔

آپ کے خلفاء کی تعداد کافی ہے لیکن آپ کے دو خلفاء مشہور ہیں۔
بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اور شیخ بدرالدین غزنویؒ
سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام زیادہ تر بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے سرانجام دیا۔

بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ چشتیہ کے برعظیم پاک و ہند میں پانچ مشہور اولیاء کرامؒ ہیں جنہیں برعظیم پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے پنج تن [2] بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) خواجہ معین الدین چشتیؒ (۲) قطب الدین بختیار کاکیؒ (۳) بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ
(۴) خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (۵) خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کا تفصیلی ذکر جو تحقیق کا اصل موضوع ہیں۔ آپ حصہ دوم اور سوم میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، بابا فریدالدینؒ کے خلیفہ اور خواجہ نصیرالدینؒ، خواجہ نظام الدینؒ کے خلیفہ ہیں۔

---

[1] رکن الدین نظامی، اسم کتاب نامعلوم عکسی، سن اشاعت نامعلوم، ص:۶۔

[2] خواجہ حسن نظامی دہلوی نظامی، بنسری، ص:۱۴۔

حصہ دوم

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

فصل اول: حسب ونسب وآباؤ اجداد اور شجرۂ نسب

فصل دوم: پیدائش، سن ولادت اور مقام ولادت

سن ولادت سن وصال کا تعین

فصل سوم: وجہ تسمیہ گنج شکرؒ یا شکر بارؒ

ابتدائی تعلیم اور ظاہری و باطنی علوم کا حصول

حصہ دوم

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ عام طور پر ''بابا فریدؒ'' کے نام سے مشہور ہیں۔مولانا نور احمد فریدی نے اپنی کتاب ''تذکرہ مشائخ چشت'' میں آپ کے لقب ''بابا'' سے اختلاف کیا ہے بقول اُن کے ''بابا فریدؒ'' سے مراد ''ابراہیم فریدؒ'' ہیں جو گیارہویں پشت میں شیخ فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں سے ہیں۔[1]

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا شمار قرون وسطیٰ کے مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔آپ کا دور بنی نوع انسان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ قرون وسطیٰ کے سرکردہ ولی اللہ تھے اس تحقیقی مقالے کے حصہ دوم اور سوم میں اس عظیم المرتبت ولی اللہ کی سوانح حیات اور پھر سلسلہ چشتیہ میں اُن کے مقام کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔

---

[1] مولانا نور احمد خان فریدی،تذکرہ مشائخ چشت،قصر الادب رائٹرز کالونی،ملتان،ص:۱۳۷۔

نوٹ:خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ،فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کو ''بابا'' سے خطاب کیا کرتے تھے۔اسی لیے ان کا لقب ''بابا'' ہو گیا۔

بختیار کا کیؒ نے ملتان میں شیخ فریدؒ کو ''بابا فریدؒ'' کے لقب سے پکارا۔

سیر الاقطاب فارسی نسخہ میں اس طرح درج ہے

''حضرت خواجہ فرمود بابا فرید بر وو چندگاہ در ملتان تحصیل علم کن بعدش در دہلی نزدم بیا آں''

اللہ دیا چشتی،سیر الاقطاب،مطبع منشی نول کشور،ص:۱۶۴۔

گلزار فریدی میں پیر محمد حسین نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور بختیار کا کیؒ آپ کو ''بابا فرید'' کہہ کر بلاتے تھے۔

پیر محمد حسین ''گلزار فریدی (اُردو) شیخ الٰہی بخش،جلال الدین اینڈ سنز لاہور،۱۳۰۱ھ،ص:۳۰۔

فصل اول:

حسب ونسب وآباؤ اجداد اور شجرۂ نسب

چھٹی صدی ہجری/بارھویں صدی عیسوی کا دور جنگ وجدل اور ہنگاموں کا دور تھا۔ اس فتنہ انگیز اور پُر آشوب دور میں ہی شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے اجداد کابل سے ہجرت کر کے برعظیم پاک وہند تشریف لائے۔

اکثر تذکرہ نگاروں نے آپ کے اجداد کی ہجرت کی وجہ فتنہ تاتار بیان کی ہے۔ اُن کے بیان کے مطابق آپ کے پردادا اس فتنہ میں شہید ہو گئے اور یہ واقعہ برعظیم پاک وہند کی طرف ہجرت کا باعث بنا۔[1] یہ بیان بلحاظ ادوار درست نہیں۔ کیونکہ کابل پر تاتاری حملہ ساتویں صدی ہجری یعنی ۶۱۵ھ سے ۶۲۰ھ کے درمیان پیش آیا جبکہ قاضی شعیب آپؒ کی پیدائش سے پہلے ہجرت کر کے برعظیم پاک وہند آگئے تھے اور بابا فریدؒ کا سن ولادت ۵۷۶ھ ہے (سن ولادت پر آگے چل کر تفصیلی بحث آئے گی) اور آپ کی سن ولادت ساتویں صدی ہجری نہیں بلکہ چھٹی صدی ہجری بنتی ہے۔

---

1. محمد بن مبارک علوی کرمانیؒ، سیر الاولیاء (فارسی)، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ص:۶۹۔
عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم، واحد بخش سیال، ص:۷۵۵۔
جہاں آرا بیگم، مونس الارواح (فارسی قلمی)، ص:۲۱۹۔
اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب (فارسی)، مطبع منشی نول کشور، ص:۱۶۳۔
محمد اکرم قدوسی، اقتباس الانوار، مترجم، واحد بخش سیال، تالیف ۱۱۳۰ھ، ص:۴۲۹-۴۳۰۔
مولانا نجم الدین چشتی، مناقب المحبوبین (فارسی)، ص:۲۹۔
مصطفائی بیگم، خاصان خدا، معارف پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۱۷۹۔
دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد ۱۵، طبع اول ۱۳۹۵ھ، ص:۳۳۹۔

غالب امکان یہی ہے کہ غز قبائل کے حملے کی کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا۔ ان ہنگاموں کا دورانیہ ۵۴۸ھ تا ۵۶۹ھ ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ غز قبائل کی خونریزی اور یلغار ترک وطن کا باعث بنی۔ [۱]
مطلوب الطالبین اور روضۃ الاقطاب میں لکھا ہے کہ قاضی شعیبؒ غزنی سے لاہور آئے۔ [۲]
جبکہ صاحب سیر الاولیاء اور دیگر کتب سیر آپ کی آمد کابل سے لاہور بیان کرتے ہیں۔ [۳]
قاضی شعیبؒ اپنے تین فرزندوں، [۴] پیروکاروں اور اہل وعیال کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ [۵]
صاحب سیر العارفین نے آپ کے دادا قاضی شعیبؒ کی بجائے آپ کے والد شیخ جمال الدین سلیمانؒ کی ہجرت کرنا بیان کیا ہے۔ [۶]

۱۔ غز قبیلہ نے ۵۴۸ھ میں سلطان سنجر کے خلاف بغاوت کی اور اُسے قید کر کے سلطنت میں تباہی مچادی ۵۵۲ھ میں اُس نے غزنی پر حملہ کیا اور خسرو شاہ مقابلہ نہ کر سکا۔ غزنی اس سے چھن گیا اور غز قبیلہ اس پر قابض ہوگیا (ریورٹی، ص:۱۱۱-۱۱۲)
غالباً یہی وہ زمانہ ہے جس میں شیخ فریدؒ کے آباء واجداد ہندوستان آئے۔
کیپٹن ویڈ نے اُن کی آمد بہرام شاہ جو خسرو شاہ کا باپ تھا کے ساتھ بتائی ہے۔
جنرل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ گزیٹر ۱۸۷۳ء، ص:۱۹۲-۱۹۳۔
۲۔ مطلوب الطالبین (فارسی قلمی) ص:۱۹۵، محمد بلاق چشتی، روضۃ الاقطاب (اُردو)، مطبع محب ہند، دہلی، ۱۳۰۹ھ، ص:۶۵
۳۔ میر خورد، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۶۹، مرآۃ الاسرار، ص:۷۵۵۔
۴۔ خواجہ جمال الدین سلیمانؒ، خواجہ احمدؒ، خواجہ سعد حاجیؒ۔
انوار الفرید میں خواجہ احمدؒ کی بجائے شیخ (عبداللہ) کا نام ہے جن کی اولاد میں مجدد الف ثانیؒ ہیں۔ انوار الفرید، ص:۳۶۔
۵۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۶۹، اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب (فارسی)، ص:۱۶۳۔
جہاں آرا بیگم، مونس الارواح (فارسی قلمی) ص:۲۱۷-۲۱۸، شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اردو)، ص:۴۱۹-۴۲۰۔
مرزا آفتاب بیگ، تحفۃ الابرار، مطبع رضوی، دہلی، ۱۳۲۵ھ، ص:۳۴، محمد بلاق چشتی مطلوب الطالبین (فارسی قلمی) ص:۱۹۵
دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) جلد ۱۵، طبع اول، ۱۹۷۵ء، ص:۳۳۹، نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین (فارسی)، ص:۲۹
۶۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، مترجم محمد ایوب قادری، اردو بورڈ، لاہور، اپریل ۱۹۷۶ء، ص:۴۲۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، احسن برادرز، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص:۳۹۔
۶۔ نوٹ: جمالی نے آپ کے والد جمال الدین سلیمانؒ کی سب سے پہلے برعظیم پاک وہند کی طرف ہجرت کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ کھوال کے قاضی کی حیثیت سے آپ کے دادا قاضی شعیبؒ کی تقرری مستند ہے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے والد ماجد کو سلطان محمود غزنوی کا بھانجا لکھا ہے۔ سیر الاقطاب کے الفاظ یہ ہیں۔

''پدر بزرگوار آں حضرت خواہرزادہ ''سلطان محمود غزنوی است'' [۱]

خلیق نظامی مرحوم نے اپنی کتاب

The life and times of SHAIKH FARID-UD-DIN GANJ-I-SHAKAR

میں سیر العارفین کے اس بیان کو کہ

''پدر بزرگوار بو جمال الدین سلیمان ازطرف کابل درعہد سلطان شہاب الدین غوری خواہرزادہ سلطان محمود غزنوی درطرف ملتان آمدہ بود'' [۲]

انوکھا اور عجیب کہا ہے۔ [۳] سیر العارفین کے مترجم محمد ایوب قادری نے بھی اس عبارت کے ترجمے میں جمال الدین سلیمانؒ کو سلطان محمود غزنوی کا بھانجا اخذ کیا ہے۔ [۴] جبکہ سیر العارفین کی فارسی عبارت سلطان شہاب الدین غوری کو محمود غزنوی کا بھانجا ظاہر کرتی ہے۔

بیشتر کتب سیر سے یہ بات ثابت ہے کہ شیخ فریدؒ کے اجداد میں سے سب سے پہلے آپ کے دادا

۱۔ اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب (فارسی)، ۱۰۵۶ھ، ص:۱۶۳۔

۲۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (فارسی)، مطبوعہ رضوی پریس دہلی ۱۳۱۱ھ، ص:۳۲۔

۳۔ KHALIQ AHMAD NIZAMI, The life and times of SHAIKH FARID-UD-DIN GANJ-I-SHAKAR IDARAH-I-ADABIYAT-I-DELLI, FIRSI PUBLISHED 1955 First Reprinet 1973 1987, INDIA, P:10

سید صباح الدین عبدالرحمٰن بجالس صوفیہ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ انڈیا، مجلس نشریات اسلام، کراچی، سن اشاعت ندارد، ص:۱۳۹۔

۴۔ سیر العارفین (اردو)، مترجم محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۶، ص:۴۲۔

قاضی شعیبؒ نے برِعظیم پاک وہند کی طرف ہجرت کی اور پھر قصبہ کھتو ال کے قاضی کی حیثیت سے پہلی تقرری قاضی شعیبؒ کی اور اُن کے بعد جمال الدین سلیمانؒ کی بحیثیت قاضی تقرری ثابت ہے۔

قاضی شعیبؒ اپنے بچوں اور اہل خاندان کے ہمراہ لاہور پہنچے اور پھر لاہور سے قصور[1] ہوتے ہوئے کھتو ال آئے۔ قاضی شعیبؒ جب قصور پہنچے تو قصور کا قاضی جس کے بارے میں ''میر خورد'' نے لکھا ہے کہ

''قاضی قسور کہ درعدل وانصاف ومروت ومردے فخر قضات عصر بود [2]

قصور کا قاضی انصاف، غیر جانبداری اور شرافت میں اپنے عہد کے فخر القضاۃ تھے۔ قصور کے قاضی نے آپ سے ملاقات کی اور آپ سے بہت متاثر ہوا اور بادشاہ وقت کو ان کے حالات سے آگاہ کیا۔ سطان نے ہر طرح کی مدد کی پیشکش کی لیکن آپ نے فرمایا:

مارا از عمل دنیا ہیچ مطلوب نیست چیزے کہ از ما رفت دنیال آں نشویم [3]

ہمیں دنیاوی کوئی چیز مطلوب نہیں کیونکہ ہم اُس چیز کے در پے نہیں ہوتے جو ہم سے چھن گئی۔

لیکن اس کے باوجود سلطان نے آپ کو کھتو ال [4] کا قاضی مقرر کیا اور قاضی شعیب قصور سے

نوٹ: لاہور اور قصور راستہ کی منزلیں یا پڑاؤ کہے جا سکتے ہیں مقام سکونت نہیں۔

[1] قصور، لاہور سے ۳۴ میل کے فاصلے پر بہت پرانا شہر ہے۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۶۹۔

[3] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی) ص:۶۹۔

[4] کھتو ال، ضلع ملتان کا ایک مشہور موضع ہے جو اُس وقت غالبًا اتنا معروف نہیں تھا۔ مختلف تذکروں اور تصنیفات میں کھتو ال کے ہجے مختلف ہیں۔ سیر الاولیاء (فارسی) ص:۶۹ پر کھتو ال اور ص:۲۰۷ پر کھتو الا اور کھتو ال دونوں ہیں۔ خیر المجالس (فارسی قلمی) ص:۲۱۹ پر کوٹھی وال ہے۔ مرآۃ الاسرار (فارسی)، ص:۵۴۲ میں کھٹ والا درج ہے۔ سیر الاقطاب (فارسی)، ص:۱۶۳ کھنی وال وغیرہ اس کی مزید تفصیل شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے مقام ولادت کے ضمن میں آئے گی۔

کھتوال منتقل ہو گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی[۱]

شجرۂ نسب:۔

صاحب سیرُ الاولیاء لکھتے ہیں کہ

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز مقرر صاحبدلان عالم باد ایں بادشاہ اہل دین از دودمان شاہ کابل فرخ شاہ عادل بود۔[۲]

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہِ العزیز فرخ شاہ عادل بادشاہ کابل کے شریف ونجیب خاندان کا روشن چراغ ہے۔

دیگر کتب سیر نے بھی شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا سلسلہ نسب فرخ شاہ عادل سے ہوتا ہوا امیر المومنین عمر فاروقؓ تک بیان کیا ہے[۳]

۱۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۶۹۔
عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اردو) ص:۷۵۵، اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب (فارسی)، ص:۱۶۳۔
جہاں آرا بیگم، مونس الارواح (فارسی قلمی) ص:۲۱۸۔
شیخ محمد اکرم قدوسی، اقتباس الانوار (اردو)، مترجم واحد بخش سیال، بزم اتحاد مسلمین لاہور، ۱۴۰۹ھ، ص:۴۳۰۔
حاجی نجم الدین سلمانی، مناقب المحبوبین (فارسی)، مطبع محمدی، سن اشاعت نامعلوم، ص:۲۹۔
محمد بلاق چشتی، مطلوب الطالبین (فارسی قلمی) ص:۱۹۵۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی) ص:۶۸۔

۳۔ مرآۃ الاسرار، ص:۷۵۴-۷۵۵ ، سیر الاقطاب (فارسی)، ص:۱۶۳۔
جہاں آرا بیگم، مونس الارواح (فارسی قلمی)، ص:۱۲۸۔
محمد نواب مرزا بیگ سلیمانی، تحفۃ الابرار، مطبع رضوی پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ، ص:۳۴۔
محمد بلاق چشتی، روضۃ الاقطاب (اردو)، ص:۵۶، شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اردو)، ص:۴۲۹۔
مناقب المحبوبین (فارسی)، ص:۲۸، مطلوب الطالبین (فارسی قلمی)، ص:۱۹۵۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، (باب مشائخ ہند، اردو ترجمہ)، ص:۳۹۔
دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۳۳۹-۳۴۰۔

سیر الاقطاب پہلا تذکرہ ہے جس میں شیخ فریدؒ کا نسب نامہ درج کیا گیا ہے اس کے بعد مختلف تذکرہ نگاروں نے شیخ فرید گنج شکرؒ کا نسب نامہ درج کیا ہے بعض نے کم اور بعض نے زیادہ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملایا ہے۔ ماہرین انساب نے دس پشتوں پر تین سو سال کی مدت قائم کی ہے۔

اللہ دیا چشتی نے سیر الاقطاب میں مندرجہ ذیل نسب نامہ تحریر کیا ہے۔

> ''حضرت شیخ فرید الدین شکرگنج مسعود قدس اللہ تعالیٰ سرہ ابن شیخ سلیمان ابن شیخ شعیب ابن شیخ محمد احمد ابن شیخ یوسف بن شیخ شہابُ الدین المعروف بفرخ شاہ کابل بن نصیر فخر الدین محمود بن سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ واعظ الاصغر بن واعظ الاکبر ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن خطاب بن نُفَیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد بن فرط بن عدی بن کعب بن لوے بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر وہُوَ قریش مکہ''[1]

صاحب سیر الاقطاب نے بابا فرید الدینؒ کا شجرہ نسب امیر المومنین عمر فاروقؓ تک پندرہ واسطوں سے ملایا ہے۔ بعض دوسرے تذکروں نے حضرت عمر فاروقؓ تک کہیں انیس کہیں بیس اور کہیں چوبیس واسطوں سے سلسلہ نسب ملایا ہے۔ صاحب ''حدیقۃ الاولیاء'' نے سترہ واسطوں سے ابراہیم بن ادہم اور ۲۳ واسطوں سے عمر فاروقؓ سے شجرہ نسب ملایا ہے۔[2]

صاحب جواہر فریدی نے ۲۴ واسطوں سے یہ سلسلہ جناب فاروق اعظمؓ تک ملایا ہے۔ اگر اس شجرہ میں سے کنیت کی کڑی کو حذف کر دیا جائے جو غلطی سے واسطہ شمار کر لی گئی ہے تو حضرت بابا گنج شکرؒ تک ۱۹ واسطے بنتے ہیں۔ خزینۃ الاصفیاء (مصنف مفتی غلام سرور لاہوری) میں بھی کم و بیش ۲۰ واسطوں سے عمر فاروقؓ تک سلسلہ نسب تحریر کیا گیا ہے ان تذکروں میں شیخ اسحاق بن ابراہیم شاہ بلخ بن شیخ ادھم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن عمر فاروقؓ تحریر ہے۔

---

1. اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب (فارسی)، ص: ۱۶۳۔
2. مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص: ۷۵

سید مسلم نظامی دہلوی نے اپنی کتاب ''انوارالفرید'' میں جناب دیوان غلام قطب الدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے موصول ہونے والے نسب نامہ کو درج کیا ہے۔جس میں شیخ اسحٰق سے عمر فاروقؓ تک اس طرح درج ہے۔

شیخ اسحٰق ۱۲ ابن شیخ ابراہیم ۱۳ ابن شیخ ادھم ۱۴ ابن شیخ سلیمان ۱۵ ابن شیخ منصور ۱۶

ابن شیخ ناصر ۱۷ ابن شیخ عبداللہ ۱۸ ابن حضرت امیر المومنین سیدنا عمر ابن خطاب ۱۹ [1]

سیر الاقطاب سے پہلے قدیم تذکروں میں بابا فریدؒ کا نسب نامہ تحریری طور پر نہیں ملتا لیکن سیر الاولیاء سمیت تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا سلسلہ نسب فرخ شاہ عادل[2] سے اور پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کا فاروقی النسب ہونا محقق اور مستند ہے البتہ صاحب سیادت فریدی میں پیر سید رشید احمد رئیس امروہہ کا دعویٰ اس کے برعکس ہے۔[3]

۱؎ سید مسلم نظامی دہلوی، انوارالفرید،طبع ہفتم،لاہور، سن اشاعت ندارد، ص:۳۱-۳۲۔

۲؎ مصنفین نے فرخ شاہ عادل کو کابل کا بادشاہ بیان کیا ہے۔

زبدۃ المقامات (نول کشور پریس، ۱۳۰۷ھ)، ص:۸۸ میں آپ کا تذکرہ ایک امیر اور کابل کے بادشاہ کے وزیر کی حیثیت سے ہے۔

خواجہ محمد ہاشم بدخشانی، زبدۃ المقامات،نول کشور پریس،کانپور، ۱۳۰۷ھ، ص:۸۸۔

مورخین اس فرخ شاہ پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالتے۔نہ ہی اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ فرخ شاہ کا عہد حکومت کون سا ہے۔

وحید احمد مسعود اپنی کتاب ''سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ''، ص:۵۹۔میں لکھتے ہیں کہ شجرہ نویس غالباً لفظ ''شاہ'' سے دھوکہ کھا گئے ورنہ وہ روحانی بادشاہ تھے۔سیر الاولیاء کے الفاظ بھی فرخ شاہ کو کابل کا بادشاہ ظاہر کرتے ہیں۔

۳؎ پیر سید رشید احمد رئیس امروہہ نے اپنے رسالہ ''سیادت فریدی'' میں آپ کو فاروقی نہیں بلکہ سید ظاہر کیا ہے۔

(سیادت فریدی)۔

پیر غلام دستگیر نے اپنی کتاب ''تاریخ جلیلہ'' میں استدلال کیا ہے۔کہ ''سید و شیخ تعظیمی القاب ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

شیخ فرید گنج شکرؒ کے اجداد میں ابراہیم بن ادھمؒ اور عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے ناصر اور پوتے ''منصور'' کے ناموں کے بارے میں اختلاف ہے۔ ۱؎

(بقیہ گزشتہ صفحہ) قومیت ونسب سے ان کا کوئی تعلق نہیں حیرت ہے لوگ نبی کریم ﷺ کو قریشی کہتے ہیں اور حضرات حسنینؓ کو اور ان کی اولاد کو فاطمی ہونے کی وجہ سے سید کہتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ سلسلہ نسب والد سے چلتا ہے۔ اب اگر ماں کی طرف سے سیادت کا حق دیا جاتا ہے تو یہ بات الٹی ہوگئی پھر یہ دعویٰ بھی آگے چل کر ضعیف ہو جاتا ہے کیونکہ حضرات حسنینؓ کی اولاد کی تمام مائیں سیدانیاں نہیں تھیں۔ (بحوالہ وحید احمد مسعود، سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، ص: ٦٣)۔

۱؎ مولانا محمد اکرم نے ''اقتباس الانوار'' میں لکھا ہے کہ

ایں فقیر محرر سطور میگوید کہ اتصال صاحب سیر الاقطاب نسب حضرت گنج شکر رابہ سلطان ابراہیم بن ادہم غیر صحیح است چرا کہ بہ ثبوت پیوستہ کہ از اسحاق پسر حضرت ابراہیم بن ادہم عقبے نہ ماندہ بلکہ لاولد رفتہ فم بودن حضرت گنج شکر از فرزندان حضرت عمر فاروقؓ ثابت وصحیح است بے ریب وارتیاب۔

یعنی سیر الاقطاب نے گنج شکرؒ کا نسب جو سلطان ابرہیم بن ادہم سے ملایا وہ درست نہیں کیونکہ ابراہیم بن ادہم کے بیٹے اسحاق کی کوئی اولاد نہ تھی لاولد تھے البتہ یہ بات محقق ہے کہ گنج شکرؒ فاروقی ہیں۔

نوٹ:۔ مولانا محمد اکرم نے ''اقتباس الانوار'' میں صاحب سیر الاقطاب کے درج کردہ شجرۂ نسب میں ابراہیم بن ادہم سے جو اختلاف کیا ہے اس کا جواز نہیں کیونکہ سیر الاقطاب کے شجرہ نسب میں ابراہیم بن ادہمؒ کا نام موجود ہی نہیں بلکہ اس میں واعظ الاکبر ابوالفتح بن شیخ اسحاق ہے نہ کہ بن شیخ ابراہیم بن ادہم۔ ملاحظہ ہوں مقالہ کے گزشتہ صفحات اور سیر الاقطاب (فارسی) ص: ١٦٣۔

گنج شکرؒ کا فاروقی النسب ہونا خبر متواتر ہے۔ خلیق نظامی مرحوم نے بھی اپنی کتاب (The Life and Times of Shekh Faridudin Ganj-i-Shakkar) میں ص: ١٢اپر اس روایت کو اتنا ثقہ قرار دیا ہے کہ جس میں کسی بحث وتمحیص کی گنجائش نہیں۔

ابن قتیبہ متوفی (٢٧٦ھ) نے عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹوں کے جو نام لکھے ہیں۔ اُن میں ناصر کا نام نہیں۔ مولانا شبلی نے ''الفاروق'' میں۔ ابن خلکان اور صاحب زُبدۃ المقامات نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے مندرجہ ذیل نام درج کیے۔

عبداللہ ۱؎ سالم ۲؎ عاصم ۳؎ حمزہ ۴؎ بلال ۵؎ واقد ۶؎

پاک وہند میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، مجدد الف ثانیؒ، نصیر الدین چراغ دہلویؒ، شیخ عبدالحق رودولویؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت میاں میرؒ بھی فاروقی کہلاتے ہیں۔ ان سب کے شجرہ کی آخری کڑی بھی ناصر بن عبداللہ ہیں۔ بعض نے ''منصور بن ناصر بن عبداللہ'' کی بجائے ''سلیمان بن ناصر بن عبداللہ تحریر کیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

والدین:۔

قاضی شعیبؒ اپنے تین فرزندوں جمال الدین سلیمانؒ [۱]، شیخ عبداللہؒ [۲]، اور شیخ سعد حاجیؒ کے ہمراہ ہجرت کرکے برِعظیم پاک و ہند تشریف لائے تھے۔

قاضی شعیبؒ کے تینوں فرزندوں میں سے جمال الدین سلیمانؒ قاضی شعیب کے بعد کھتوال کے قاضی مقرر ہوئے اور آپ کی شادی ملا وجیہ الدین خجندیؒ [۳] کی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہر قریشی کو سید کہا جاسکتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے قریش کی سیادت وخلافت ثابت ہے۔ سیر الاقطاب میں درج شجرہ نسب کے آخر میں یہ الفاظ "وہو قریش مکہ" وہ سب قریش مکہ ہیں۔ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ قریشی بھی ہیں اور فاروقی بھی اور اُن کی اولاد فریدی کہلاتی ہے۔

۱۔ تذکرہ نویس جمال الدین سلیمانؒ کے متعلق تفصیلی روشنی نہیں ڈالتے۔
تاریخ فرشتہ باب مشائخ ہند (اُردو ترجمہ) ص:۳۹۰ میں آپ کا نام کمال الدین تحریر ہے۔ مرزا محمد اکرم نے "حیات گنج شکرؒ" ص:۱۱ پر کمال الدین لکھا ہے۔
مرزا محمد اکرم، حیات گنج شکر، محمد اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، سن اشاعت ندارد، ص:۱۱۔
آپ کا اسم مبارک "جمال الدین" تھا یا "کمال الدین" لفظ "سلیمانؒ" پر سب ارباب سیر متفق ہیں۔ اور اکثریت کا اتفاق جمال الدین سلیمانؒ پر ہے۔ آپ عالم فاضل اور متقی انسان تھے۔ مناقب المحبوبین (فارسی)، ص:۲۹ میں تحریر ہے کہ آپؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید تھے۔

۲۔ شیخ عبداللہؒ کی اولاد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ ہیں اور شیخ سعد حاجیؒ کی اولاد جون پور میں آباد ہے۔
بحوالہ سید مسلم نظامی دہلوی، انوار الفرید، طبع ہفتم، لاہور، سن اشاعت ندارد، ص:۳۶۔

۳۔ ملا وجیہ الدین خجندیؒ کا ذکر کسی معاصر تذکرہ نویس نے نہیں کیا۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (فارسی) ص:۳۲۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (اُردو) مترجم محمد ایوب قادری، ص:۴۳۔
محمد فاضل بن شیخ فیروزی، مفتاح الکرمات (فارسی قلمی) ص:۵۱۷۔
سیر الاقطاب (فارسی) ص:۱۶۴، اور دیگر تذکروں روضۃ الاقطاب وغیرہ نے اُن کا ذکر کیا ہے۔ مولانا وجیہ الدین خجندیؒ عابد و زاہد اور عالم بزرگ تھے۔

صاحبزادی بی بی قرسم[1] خاتون سے ہوئی۔

بابا فرید گنج شکرؒ کی والدہ ماجدہ بڑی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھی۔ بیشتر کتب سیر اور تاریخ میں آپ کی کمال صلاحیت اور عصمت و عفت کا بیان ہے[2] آپ رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں۔ ایک رات جب آپ عبادت میں مصروف تھیں۔ ایک چور آیا جونہی وہ چوری کی غرض سے گھر میں داخل ہوا۔ اُس کی بینائی جاتی رہی اور باہر جانے کے قابل بھی نہ رہا۔ وہ پکار اُٹھا کہ اس گھر میں اگر کوئی مرد ہے۔ تو وہ میرا باپ اور بھائی ہے اگر عورت ہے تو میری ماں اور بہن ہے جو بھی ہے وہ میرے لئے دعا کرے کہ میری بینائی واپس آجائے میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ چوری نہیں کروں گا۔ شیخ فریدؒ کی والدہ کی دعا سے اُس

---

[1] بیشتر قدیم وجدید کتب سیر نے بابا فرید گنج شکرؒ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی قرسم خاتون تحریر کیا ہے۔ بقول پیر محمد اجمل چشتی جو بابا فرید گنج شکرؒ کی الاد میں سے ہیں اور اس سلسلے میں وسیع مطالعہ کے حامل ہیں لفظ قرسم، عربی، فارسی اور ترکی زبان میں بے معنی لفظ ہے۔ اس لئے بعض حضرات نے اس سے اتفاق نہ کرتے ہوئے آپ کا نام مریم، کلثوم اور قریثم لکھا ہے۔ اور ایک قدیم شجرہ نسب جو سجادہ نشین چلہ گاہ "فرید کوٹ" (بھارت) پیر غوث محمد چشتی صابری مرحوم کے ورثاء میں سے ہیں۔ پیر نور محمد چشتی حال مقیم چک سالارے تحصیل چنیوٹ ضلع فیصل آباد کے آبائی شجرہ نسب میں آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی "بی بی رحُم" لکھا ہے جس کے معنی "رحم کرنا" مہربانی کرنا ہے۔ اور یہ عربی زبان کا لفظ ہے محترم پیر اجمل چشتی صاحب کے نزدیک یہ اقرب الصحت ہے اور دیگر اسماء رحم کی صورت خطی ہیں۔

"تواریخ آئینہ تصوف" میں مخدوم شاہ محمد حسن نے آپ کی والدہ کا نام "مریم" تحریر کیا ہے۔

مخدوم شاہ محمد حسن، تواریخ آئینہ تصوف، قصور، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص:۴۵۸

فرید کوٹ (چلہ گاہ) کا ذکر پروفیسر بلدیو سنگھ اورئنیل کالج لاہور نے اپنے مضمون "نسب نامہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ" میں کیا ہے اور انہوں نے اکتوبر ۱۹۳۲ء میں سجادہ نشین پیر غوث محمد چشتی صابری سے ملاقات بھی کی اور اُن کے پاس قدیم ترین کتب اور کاغذات بھی دیکھے۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۹۸، شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو) ص:۴۳۰۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (اُردو) ص:۴۳، رحیم بخش (مولانا)، شجرۃ الانوار (فارسی قلمی)، ص:۵۱۱۔
اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب (فارسی)، ص:۱۶۴۔
محمد مشتاق انبیٹھوی (مولانا)، تذکرہ فریدیہ، چشتیہ اکادمی، فیصل آباد، ۱۹۸۸ء، ص:۲۔
سلیم حسن مرزا، رسالہ گنج شکر، محکمہ اوقاف، الائیڈ پریس لاہور، ص:۶۔

کی بینائی واپس آ گئی ۔ اگلے دن صبح وہ شخص اپنے گھر والوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہل خانہ سمیت مسلمان ہو گیا۔ [۱]

منیرہ ہائیری آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہیں

Qarsum Bibi, Baba Frid's mother, was an unusual woman. She was not only known for her piety but was also credited with miraculous powers. 2

بی بی قرسم خاتونؒ کے بطن سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں ۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اعز الدین محمودؒ ۲۔ فریدُ الدین مسعودؒ

۳۔ نجیب الدین متوکلؒ ۴۔ بی بی ہاجرہ ملقب بہ جمیلہ خاتون

جمیلہ خاتون مخدوم علاؤالدین علی احمد صابری کلیریؒ کی والدہ تھیں۔ [۳]

۱؎ امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد (فارسی)، ص:۱۲۲۔ فوائد الفواد (اُردو)، ص:۲۷۷۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۹۸۔

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (اُردو) ص:۴۳۔

شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو) ص:۴۳۰۔

اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی)، ص:۱۶۴۔

سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۳۲-۳۳ میں تحریر ہے کہ اُس شخص کا اسلامی نام عبداللہ تھا۔ وہ صالحین میں سے ہوا اور اُس نے بہت سی خدمات انجام دیں اور اُس کا مزار بھی اُسی قصبہ کھتوال میں ہے جہاں شیخ فرید گنج شکرؒ کے والد ماجد اور بھائی اعز الدین محمود کا مزار ہے۔ اور لوگ وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

۲؎ منیرہ ہائیری، دی چشتیز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۱ء، ص:۱۷۔

۳؎ بی بی ہاجرہؒ کی شادی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پوتے شیخ عبدالرحیم عبدالسلام سے ہوئی ۔ آپ کے صاحبزادے مخدوم علی احمد صابری کلیریؒ سے سلسلہ صابریہ چشتیہ منسوب ہے۔

فصل دوم:

پیدائش، مقام ولادت اور سن ولادت

سن ولادت و سن وصال کا تعین:۔

بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کے سن ولادت، سن وصال میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر سن وصال کا تعین ہو جائے تو سن ولادت کا تعین سہل ہو جاتا ہے۔ [۱]

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے سن ولادت، سن وصال اور جائے ولادت کے بارے میں تقریباً سات صدیاں گزرنے کے باوجود مختلف روایات ملتی ہیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ متعدد تذکرہ نویسوں نے اپنی کتاب کے ایک صفحے پر سن وصال کا ذکر کیا تو اُسی صفحہ یا اُسی کتاب میں اُن کے سن وصال کے بعد کی کسی سن میں ذی حیات ظاہر کیا۔ [۲]

---

[۱] فوائد الفواد، جس کا تفصیلی تعارف اس مقالہ کے حصہ اول کے زیریں حاشیہ میں موجود ہے یہ تقریباً سات سو سال پرانے ایسے ملفوظات ہیں جو اتنے مستند ہیں کہ ان میں موجود معلومات پر اختلاف نہیں کیا گیا۔ خوش قسمتی سے ان میں بابا گنج شکرؒ کی عمر مبارک ۹۳ سال اور تاریخ وفات ۵ محرم الحرام کو سند مانا جاتا ہے۔ اس کا حوالہ اگلے صفحات میں آئے گا۔ اگر اس بناء پر سال وصال کا تعین کر کے ۹۳ سال نکالے جائیں تو سال ولادت کا تعین بھی آسان ہو جائے گا۔ اسی لیے سن وصال کے تعین کے ضمن میں اگلے ابواب کی بجائے اس باب میں تذکرہ ضروری ہے۔

[۲] مثلاً شیخ فرید گنج شکرؒ کا سال وصال اگر ایک صفحہ پر ۶۶۴ھ تحریر کیا تو اسی کتاب میں یہ ذکر بھی کیا کہ بابا فرید گنج شکرؒ ۶۶۹ھ میں زندہ تھے اور انہوں نے ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ کو نظام الدین اولیاءؒ کو خلافت دی۔ اسی طرح خلیق نظامی نے ص: ۱۱۰ پر اور ص: ۵۶ پر بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی تاریخ وصال ۵ محرم ۶۶۴ھ بمطابق ۱۵ اکتوبر ۱۲۶۵ء لکھتے ہیں تو دوسری طرف ص نمبر ۱ پر لکھتے ہیں کہ جب بلبن تخت نشین ہوا تو بابا فرید گنج شکرؒ کی عمر نوے سال تھی۔ اسی کتاب کے دوسرے حصے میں بلبن کی تخت نشینی کا سال اور تاریخ جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ ثابت کرتے ہیں۔ جمادی الاولیٰ قمری سال کا پانچواں مہینہ ہے اور محرم پہلا۔ اگر بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا سال وصال ۵ محرم ۶۶۵ھ ہے تو اسی سال جمادی الاولی میں وہ ذی حیات کیسے ہو سکتے ہیں۔

نوٹ: خلیق نظامی مرحوم کی کتاب کے ۱۹۵۵ھ کے ایڈیشن جن کے ص: نمبر ۵۶: ۷۵۔ ۱۱۰ ہیں اور ۱۹۹۸ء کی ایڈیشن کے صفحات نمبر ۶۳، ۱۴۰، ۱۴۱ اور ۱۴۶ ہیں۔

اکثر تذکرہ نگاروں نے جن میں قدیم اور جدید شامل ہیں بابا فرید گنج شکرؒ کا سال وصال ۶۶۴ھ[1] بتایا ہے۔

دیگر روایات ایک صدی یعنی ۶۶۰ھ سے ۷۶۰ھ تک ملتی ہیں۔

۶۶۰ھ سے ۷۶۰ھ تک چودہ مختلف روایات ملتی ہیں جنہیں بابا فریدؒ کے سال وصال سے منسوب کیا جاتا ہے۔[2]

۵ محرم الحرام کی تاریخ میں اختلاف نہیں۔صرف سنین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔لیکن اکثریت ۶۶۴ھ بتاتی ہے۔جس کا ماخذ میر خورد کرمانیؒ کی سیر الاولیاء بتایا جاتا ہے۔

---

[1] ۶۶۴ھ کے ضمن میں تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

[2] طالب ہاشمی نے اپنی کتاب ''تذکرہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ'' ص:۱۷۴ میں ''تاریخ فرشتہ'' کے حوالے سے ۶۶۰ھ بتایا ہے جبکہ تاریخ فرشتہ میں ۷۶۰ھ درج ہے۔آئین اکبری کے حوالے سے ۶۶۸ھ اور ''خزینۃ الاصفیاء'' اور ''سلسلۃ الاولیاء'' کے حوالے سے ۶۷۰ھ ۵ محرم الحرام چہارشنبہ (بدھ) بتایا جاتا ہے''۔

وحید احمد مسعود فریدی نے ''سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ'' ص:۱۸۱،۱۸۲ کے زیریں حاشیہ میں دیگر سنین کے علاوہ تاریخ فرشتہ کے حوالے سے ۶۶۰ھ درج کیا ہے۔اسی کتاب کے ص:۱۸ اور ۱۸۱ پر ۶۶۱ھ اخذ کیا ہے۔

جواہر فریدی (اردو)، ص: ۳۲۵، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۰۱، اخبار الاخیار (فارسی)، ص:۵۴ اور سفینۃُ الاولیاء، ص: ۱۳۳، میں ۶۶۴ھ تحریر ہے۔حدیقۃ الاولیاء، ص:۷۷ میں ۶۶۴ھ ہے۔

سیرُ الاقطاب (اُردو)، ۶۹۰ھ، ص:۱۹۸، خزینۃُ الاصفیاء (اُردو ترجمہ) ۱۹۹۰ء، ص:۱۳۶ پر سیرُ الاقطاب سے اتفاق کرتے ہوئے ۶۹۰ھ لکھا ہے لیکن طالب ہاشمی اور وحید احمد مسعود نے ''خزینۃُ الاصفیاء'' کے حوالے سے ۶۷۰ھ بتایا ہے۔

مولانا ابوالحسن ندوی مرحوم نے تاریخ دعوت وعظیمت، حصہ سوم، ص:۴۵ میں لکھا ہے کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخبر الواصلین اور تذکرۃ العاشقین، بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا سال وصال ۶۷۰ھ درج ہے۔

مرآۃ الاسرار، ص:۱۷۷ میں ایک روایت ۶۶۸ھ اور دوسری روایت ۶۶۹ھ بیان ہوئی ہے۔

آئین اکبری (اُردو ترجمہ جلد دوئم) ص:۳۲۹ میں ۶۶۸ھ درج ہے۔

''فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا سن وصال کی تحقیق'' میں مخبر الواصلین (مخطوطہ)، ص:۶۰ کے حوالے سے تحریر ہے کہ

''فرید الدین ولی واصل حق، ۶۷۰ھ''

تاریخ فرشتہ، ص:۳۹۰، ج، دوم میں ۷۶۰ھ درج ہے۔اُردو دائرہ معارف میں ۶۷۰ھ کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیرُ الاولیاء اور اس کے مصنف سید محمد کرمانی میر خورد کا تعارف حصہ اول کے حاشیہ میں ہے۔ مشائخ چشت کی سیرت و حالات پر سیرُ الاولیا پہلی کتاب ہے۔ جو آٹھویں صدی ھجری کے اوائل میں لکھی گئی۔ یہ ایک مستند حوالہ مانی جاتی ہے۔

۶۶۴ ھ کو سال وصال تسلیم کرنے والے سوانح نگار سیرُ الاولیا کو بنیاد بناتے ہیں۔ اس کا اصل نسخہ نا پید ہے اور گزشتہ صدیوں میں متعدد نقول در نقول کتابت ہوئیں۔[1]

لیکن ''فوائد الفواد'' جو کہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفۂ اکبر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اور سیر الاولیاء سے بھی زیادہ مستند ہے۔ ۶۶۴ ھ کی روایت اُن ملفوظات کی روشنی میں درست ثابت نہیں ہوتی۔

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) درست سال وصال مانا ہے۔

ڈاکٹر منظور ممتاز نے اپنی کتاب ''پیام گنج شکرؒ'' میں صفحہ ۶۳ پر مختلف دلائل دینے کے بعد بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا سن وصال ۶۶۵ ھ اخذ کیا ہے۔ منظور ممتاز (ڈاکٹر)، پیام گنج شکرؒ، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۶۳

اسد نظامی (علامہ)، خواجگان چشت کا موقف قدمی شیخ بغداو، چشتی سیریز جہانیاں شریف ضلع خانیوال، ۱۴۲۶ھ، ص: ۲۲۱ میں ۶۷۰ ھ تاریخ وصال درج ہے۔

نور احمد خان آفریدی (مولانا)، تذکرہ مشائخ چشت، قصر الادب رائٹرز کالونی، ملتان، ص: ۱۶۷ میں ۱۹ اکتوبر ۶۶۴ ھ لکھا ہے

سید صباح الدین عبد الرحمٰن نے ''بزم صوفیہ'' میں سیر الاولیاء، اخبار الاخیار، جواہر فریدی اور سفینۃ الاولیاء کے حوالے سے ۵ محرم (منگل) ۶۶۴ ھ درست مانا ہے۔

سید صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ، ایڈیشن دوم، مطبع معارف، دار المصنفین اعظم گڑھ، بھارت، ۱۹۷۱ء، ص: ۱۷۴

[1] سیرُ الاولیاء کا قدیم ترین مصدقہ نسخہ کلکتہ بھارت ایشیاٹک سوسائٹی کے میوزیم میں ہے۔ اس کی تکمیل ۲۰ رمضان ۱۰۱۳ھ بمطابق ۳۰ جنوری ۱۶۰۵ء میں ہوئی تقریباً چار سو سال پرانا ہے۔ اس مخطوطہ کے شروع کے بہت سے اوراق غائب ہیں۔ دوسرا قدیم ترین نسخہ برٹش لائبریری لندن میں ہے۔ اس کی کتابت ۱۰ شوال ۱۰۹۳ھ میں ہوئی۔ یہ تقریباً سوا تین صدیاں پرانا ہے۔ اس کے ۳۰۲ اوراق اور ۶۰۳ صفحات ہیں۔ اور اس کا آخری فقرہ ص: ۶۰۳ پر ہے درج ذیل ہے کہ

''نفس آں بادشاہ زادہ در کار شد''

تیسرا قلمی نسخہ کراچی کے قومی میوزیم میں ہے اس کے صفحات کی کل تعداد ۶۷۲ ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اس مخطوطہ کا ص:۶۷۲ پر آخری جملہ "بہ ضرورت بر تخت سلطنت جلوس فرمود و مردم از محنت و اندوہ آسودہ کردانید" ہے اس کے آخری تقریباً ۱۳ صفحات کا متن برٹش لائبریری کے مخطوطہ میں نہیں ہے۔

سیر الاولیاء کا چوتھا فارسی نسخہ چرنجی لال کا مطبوعہ ایڈیشن ہے۔ جو ۱۳۰۲ھ میں مکمل ہو کر طبع ہوا۔ یہ تقریباً ۶۰۰ صفحات پر مبنی ہے یہ بھی تقریباً نایاب ہے۔ اور اگر کہیں ہے بھی تو خستہ حالت میں ہے۔ چرنجی لال ایڈیشن کو ۱۹۷۸ء میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد نے مطبع معارف، گنج بخش، لاہور سے چھپوایا اس کے صفحات کی تعداد ۶۰۶ ہے۔ چرنجی لال، لاہور، ۱۹۷۸ء کے ایڈیشن میں آخری ۱۲ صفحات ص:۵۹۱ تا ۶۰۲ کا متن برٹش لائبریری کے قلمی نسخے میں نہیں ہے۔ ان کا متن تقریباً وہی ہے جو کہ کراچی میوزیم کے قلمی نسخے کے ۱۳ صفحات کا ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ کراچی میوزیم اور چرنجی لال ایڈیشن کے یہ صفحات اضافی ہیں۔

ان سب باتوں کا تذکرہ اس لئے ضروری ہے کہ ہم بابا فرید گنج شکرؒ کے سال وصال ۶۶۴ھ کی حقیقت تک پہنچ سکیں جسے "سیر الاولیاء" کا بیان مان کر مستند روایت مانا جاتا ہے۔

"فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے سال وصال کی تحقیق" کے مصنف فیروز الدین احمد فریدی نے ان سب باتوں اور دوسرے اہم دلائل کو بنیاد بنا کر ۶۶۴ھ کی روایت کو رد کیا ہے۔

برٹش لائبریری کے مخطوطے کے ۶۰۳ صفحات کا اختتام جس فقرے پر ہوتا ہے۔ اس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ کراچی میوزیم کے مخطوطہ کے ۶۷۲ صفحات میں سے آخری ۱۳ صفحات اس فقرے کے بعد اضافی ہیں اور وہ "بہ ضرورت ۔۔۔ آسودہ کردانید۔ (اوپر ذکر ہو چکا ہے) چرنجی لال (لاہور ۱۹۷۸ء) ایڈیشن میں کراچی میوزیم کے اضافی ۱۳ صفحات کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ اضافہ در اضافہ ہیں۔

"تاریخ وفات سلطان فیروز شاہ "فوت فیروز" (۷۸۹ھ) است کہ بمقصود ہشتاد ونہ است، و مدت سلطنت اوی وفت (۳۷) سال بود"

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے میوزیم کے مخطوطہ میں مزید ڈھائی صفحات اضافہ در اضافہ در اضافہ ہیں۔ کیونکہ مولف سیر الاولیاء میر خورد کرمانی کا سن وصال ۷۷۰ھ ہے جو کہ فیروز شاہ تغلق کی وفات سے تقریباً ۱۹ سال قبل ہے تو وہ کیسے اپنے بعد فوت ہونے والے سلطان کا ذکر اپنی کتاب میں کر سکتے ہیں۔

بقول فیروز الدین احمد فریدی یہ اضافی صفحات میر خورد کرمانی کے نہیں بلکہ اُن کی وفات کے بعد کا اضافہ ہیں۔

"فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے سال وصال کی تحقیق" فیروز الدین احمد فریدی، ص:۶۰-۶۱-۶۲

سیر الاولیاء چرنجی لال ایڈیشن، لاہور، ۱۹۷۸ء کا وہ اضافی حصہ جس میں بابا فرید گنج شکرؒ کا سال وصال بیان کیا گیا ہے۔ ''پوشیدہ نماند'' سے شروع ہوکر ''درعقد حیات بود'' پر ختم ہوتا ہے۔ [۱]

بیسویں صدی عیسوی کے سوانح نگاروں نے بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا سال وصال ۶۶۴ھ بیان کیا ہے اُن سب نے چرنجی لال ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے۔ بقول فیروز الدین احمد فریدی اس صدی میں پائے جانے والے سیر الاولیاء کے قلمی نسخوں میں یہ حصہ یا اضافی حیثیت سے ہے یا وضاحتی۔ اگر اضافی حیثیت ہے تو متن میں ہے۔ اور اگر وضاحتی حیثیت سے ہے تو حاشیہ میں ہے جیسے کہ برٹش لائبریری کا قلمی نسخہ ہے۔ [۲]

---

۱ سیر الاولیاء ایک مستند حوالہ اور مصدر ہے لیکن فیروز الدین فریدی صاحب نے سیر الاولیاء کے جس حصے کو مدلل انداز میں اضافی قرار دیا ہے وہ قابل غور ہے۔ کیونکہ ان چاروں نسخوں کا بغور جائزہ لینے کے بعد جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں۔

سیر الاولیاء کے پیراگراف کا وہ حصہ جسے بنیاد بنا کر گنج شکرؒ کے سال وصال کو مستند مانا جارہا ہے۔ وہ صرف چرنجی لال (فارسی مطبوعہ ایڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء) میں بطور متن طبع ہوا ہے۔ یہ حصہ قدیم ترین کلکتہ میوزیم کے قلمی نسخے میں بطور متن نہیں بلکہ حاشیہ میں دو حصوں میں درج ہے۔ پہلا حصہ ''پوشیدہ نماندہ'' سے شروع ہوکر ''واللہ اعلم'' کے الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔ اور دوسرا ''واردات آوردن'' سے ''درقید حیات بود'' پر ختم ہوتا ہے۔

سیر الاولیاء قلمی فارسی، برٹش لائبریری، لندن، ص:۹۲، ورق:۴۷

سیر الاولیاء کے چاروں فارسی نسخوں میں بابا فرید کو جس لقب سے یاد کیا گیا وہ ''شیخ شیوخ العالم'' ہے برٹش لائبریری کے نسخے کے وضاحتی حاشیہ میں ''شیخ شیوخ العالم'' کا تذکرہ بالکل نہیں بلکہ ''گنج شکرؒ'' کے الفاظ جو کہ پورے نسخے میں استعمال نہیں ہوئے۔ وضاحتی حاشیہ میں پہلی بار رقم کیے گئے۔

چرنجی لال ایڈیشن لاہور، ۱۹۷۸ء ص:۱۰۱، سطر نمبر ۲، ''شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر اور سطر نمبر ۴، حضرت گنج شکر، کے القاب استعمال ہوئے ہیں۔

علامہ اخلاق حسین دہلوی مرحوم نے بھی اس بات کا ذکر کیا کہ چرنجی لال ایڈیشن کے اضافی حصے میں ولادت وسنین کے الفاظ فارسی زبان میں ہیں۔ جبکہ سیر الاولیاء میں بیان کردہ سنین عربی زبان میں ہیں مثلاً جمادی الاولیٰ ۶۶۹ھ کے واقعہ کا ذکر فارسی زبان کی بجائے عربی الفاظ ''تسع وستین وستمائۃ'' میں کیا گیا ہے۔

۲ فیروز الدین احمد فریدی، ''فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے سال وصال کی تحقیق'' ایجوکیشنل پریس، کراچی، فروری ۲۰۰۵، ص:۷۰

فیروز الدین فریدی صاحب کی علمی بحث اور یہ دعویٰ کہ سیر الاولیاء کا یہ حصہ اضافی یا وضاحتی حاشیہ ہے۔ اوران کے اس بیان کو ایک شبہ یا قیاس بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال انہوں نے ٹھوس دلائل کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا ہے۔ ان کے اس دعویٰ کی تائید کہ ۶۶۴ھ سال وصال نہیں ہو سکتا "فوائد الفواد" کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔

"فوائد الفواد" جو کہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے "خلیفہ اکبر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کے مجموعہ ہے اور سیر الاولیاء سے بھی زیادہ مستند ہے۔

بلبن کی تخت نشینی کی تاریخ و سن اور بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت کے اوائل میں ذی حیات ہونا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ۶۶۴ھ بابا گنج شکرؒ کا سال وصال نہیں ہو سکتا ہے۔ بلبن کے عہد حکومت میں بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے حیات ہونے کی تاریخ میں ٹھوس شہادتیں موجود ہیں۔ [1]

---

[1] بلبن ۱۲۶۶ء (عیسوی) میں تخت نشین ہوا جبکہ بابا فریدؒ کا سال وصال ۶۶۴ھ بمطابق ۱۲۶۵ء بتایا جاتا ہے۔

بلبن کے عہد حکومت میں بابا فریدؒ کے ذی حیات ہونے کے مندرجہ ذیل ثبوت ہیں۔

۱۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا وہ خط جو انہوں نے بلبن کو لکھا تھا۔ بلبن کے عہد حکومت میں ان کے ذی حیات ہونے کا ثبوت ہے۔

۲۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے فرزند شیخ نظام الدینؒ بلبن کی فوج میں ملازم تھے۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے خواب میں انہیں بلایا اور اس دار فانی سے اپنے رخصت ہونے کا اشارہ دیا۔ شیخ نظام الدینؒ فوجی دستے کے ہمراہ تشریف لائے لیکن شب وصال قلعہ بند ہونے کی وجہ ملاقات نہ کر سکے۔ جس پر بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا "نظام الدین آتو گیا مگر کیا فائدہ کہ ملاقات نہ ہو سکی"۔

۳۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، ص:۱۹۳ پر تحریر ہے کہ

یہ عہد ایسے مشائخ کی موجودگی سے مزین اور مشرف تھا کہ ان جیسی ہستی مدت میں ایک پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اس (بلبن) کے عہد کے ابتدائی دور میں شیخ شیوخ العالم فرید الدین مسعود بہ قید حیات تھے وہ قطب عالم اور مدار جہاں تھے۔

۴۔ عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص:۱۷۷ پر تحریر ہے کہ

"آپ کی وفات۔۔۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوئی۔

۵۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۴، ص:۷۵۱-۷۵۲ پر رقم ہے کہ غیاث الدین خاندانِ غلاماں کا نامور بادشاہ سلطنت دہلی کا فرمانروا (۶۶۴ھ یا ۶۶۵ھ "تا" ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۷ء) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیرالاولیاء کے اُس بیان کے مطابق جو بقول فیروز الدین فریدی اضافی ہے شیخ فرید الدینؒ کی عمر مبارک پچانوے (۹۵) برس تھی۔

''فوائدالفواد'' کی روایت کے مطابق آپ کی عمر (۹۳) ترانوے سال تھی۔ تذکرہ نگاروں اور سوانح نگاروں کی اکثریت نے ''فوائدالفواد'' کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ [۱]

فوائدالفواد کی روایت کے مطابق جس محرم الحرام کی ۵ کو شیخ فریدؒ کا وصال ہوا۔ اُس سے پہلے کے رمضان میں خربوزوں کا موسم تھا۔ فوائدالفواد کا اقتباس درج ذیل ہے۔

> جب شیخ کی بیماری بڑھی اور رمضان کا مہینا آیا تو حضرت افطار فرماتے تھے۔ ایک روز کوئی خربوزہ لایا۔ اس کی قاشیں کر کے شیخؒ کے سامنے رکھی گئیں۔ شیخ انہیں تناول فرما رہے تھے اس دوران خربوزے کی ایک قاش مجھے بھی مرحمت فرمائی میں نے چاہا کہ کھالوں دل میں خیال تھا کہ دو ماہ متواتر روزے رکھ کر اس کا کفارہ ادا کردوں گا۔۔۔قریب تھا کہ میں کھالیتا حضرت نے کہا نہیں مت کھاؤ۔ مجھے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے تمہیں نہیں کھانا چاہیے۔ [۲]

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا حاشیہ)۔۔۔سلطان ناصر الدین نے اسے اپنا نائب الملک بنایا۔۔۔سلطان کی وفات کے بعد وہ تخت دہلی پر متمکن ہوگیا۔ (۶۶۴ھ یا ۶۶۵ھ/۱۲۶۶ء)

۶۔ یحییٰ احمد سر ہندی، تاریخ مبارک شاہی، مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر، ۱۹۷۶ء، ص: ۱۰۴-۱۰۵ درج ہے کہ سلطان (ناصر الدین محمود) نے مشیت ایزدی سے ۱۱ جمادی الاول ۶۶۴ھ کو۔۔۔رحلت فرمائی۔۔۔امراء وملوک نے تین روز تک سوگ منایا۔۔۔اور تیسرے روز یعنی ۱۳ جمادی الاول ۶۶۴ھ) کو سلطان غیاث الدین بلبن۔۔۔سے۔۔۔بیعت لی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۶۶۴ھ میں بلبن تخت نشین ہوا اور یہ جمادی الاول کا مہینہ تھا جبکہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ ۵ محرم کو واصل بحق ہوئے۔

۱۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۵ محرم الحرام تاریخ وصال بابا فرید گنج شکرؒ کی روایت جو ''فوائد الفواد'' کی ہے اس روایت پر سب متفق ہیں۔ اسی طرح عمر مبارک ۹۳ سال بحوالہ ''فوائد الفواد'' پر اکثریت متفق ہے۔ گویا فوائد الفواد ایسی کتاب ہے جو غیر متنازعہ اور زیادہ مستند ہے۔ مزید تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی۔

۲۔ امیر حسن سجزی، فوائد الفواد، مترجم خواجہ حسن نظامی دہلوی، ص: ۱۹۴-۱۹۶۔

وفات کے بارے میں اس طرح تذکرہ کیا۔

محرم کے مہینے کی پانچویں کو ان کی بیماری نے غلبہ کیا عشاء کی نماز جماعت سے ادا فرمائی اس کے بعد بے ہوش ہو گئے کچھ دیر کے لئے پھر ہوش میں آئے دریافت فرمایا کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا جی ہاں فرمایا ایک دفعہ اور پڑھ لوں کون جانتا ہے کہ کیا ہو؟ جب دوسری دفعہ نماز ادا کر لی تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس دفعہ بے ہوشی بہت رہی پھر ہوش میں آئے تو پوچھا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا دو بار پڑھی ہے ارشاد فرمایا ایک بار اور پڑھ لوں کون جانے پھر کیا ہو؟ چنانچہ تیسری دفعہ پڑھی اس کے بعد رحمت حق سے پیوست ہو گئے قدس اللہ العزیز۔ [1]

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ محرم کی ۵ تاریخ اور اُس سے پہلے رمضان میں خربوزوں کا موسم تھا۔ پہلے رمضان کا اس لئے کہ بیماری کے شدید غلبے کی وجہ سے بابا فرید الدین گنج شکرؒ جیسا صائم الدھر انسان شرعی رخصت کا سہارا لیتا ہے۔ اور رمضان کے تین ماہ بعد محرم کا مہینہ ہوتا ہے گویا شیخ فرید گنج شکرؒ بیماری کی شدت کے چند ماہ بعد وفات پا گئے۔

عیسوی تقویم کے مطابق پنجاب میں خربوزوں کا موسم وسط اپریل سے وسط مئی تک ہوتا ہے۔ ۶۶۹ھ کے وہ واقعات جن میں بابا فریدؒ کا ۲۵ جمادی الاول کو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو بلا کر لعاب دہن کا ڈالنا اور یکم شعبان ۶۶۹ھ کو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے لئے دعا کرنا اور ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو خلافت عطا کرنا شامل ہیں یہ سب واقعات سیرُ الاولیاء کے چاروں قلمی نسخوں میں غیر متنازعہ طور پر موجود ہیں اور سنین بھی عربی الفاظ میں ہیں۔ [2]

---

[1] امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد، ص: ۳۶۵۔

[2] میر خورد، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا قلمی نسخہ، ۱۰۱۳ھ، ورق نمبر ۵۳ (a)، ورق نمبر ۵۳، ۵۰-۵۱۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (قلمی فارسی)، برٹش لائبریری لندن، ص: ۱۱۹، ورق ۵۸، ص: ۱۱۵۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (قلمی فارسی) کراچی میوزیم، ص: ۱۴۶، ص: ۱۴۱-۱۴۲۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی) چرنجی لال ایڈیشن مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸، ص: ۱۳۳، ص: ۱۲۶۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ فرید گنج شکرؒ رمضان ۶۶۹ھ میں ذی حیات تھے اور یہی وہ رمضان تھا جس میں بیماری شدت اختیار کر گئی اور اسی میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے پاس حاضر تھے اور آپ نے انہیں خلافت عطا کی اور ۶۶۹ھ بلبن کے عہد حکومت کا اوائل ہے اور اس کے تین ماہ بعد ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ آپ کا سن وصال ہے۔

واضح رہے کہ ۶۶۹ھ ہی وہ سال ہے جس میں تقریباً پورے رمضان یعنی ۲۷ روزے ایسے ہیں جن میں پاک پتن میں خربوزوں کا موسم رہا۔[1]

پیر محمد اجمل چشتی فاروقی نے اپنی کتاب ''چلہ گاہیں'' میں حتمی الفاظ میں ٹھوس دلائل کے ساتھ لکھا ہے کہ ''حضرت بابا صاحبؒ کا سن وصال ۵ محرم ۶۷۰ھ واضح اور نا قابل تردید ہے''۔[2]

''فوائد الفواد'' کی روایت بعمر ۹۳ سال کی روشنی میں ہم آسانی سے سن ولادت معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ ۶۷۰ھ کے صرف پانچ دن ہیں۔ یعنی ۵ محرم جو فوائد الفواد کی بیان کردہ غیر متنازعہ تاریخ وصال ہے۔

تجزیہ	=	۶۶۹ھ اور ۶۷۰ھ کے ۵ دن
عمر بروایت فوائد الفواد	=	۹۳ سال
		۵۷۶ھ سال ولادت

بابا فرید گنج شکرؒ کا سن ولادت ۵۷۶ھ اور سن وصال ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ ہے۔

---

[1] رمضان ۶۶۹ھ کے ۲۷ روزے

۱۶ اپریل ۱۲۷۱ء تا ۳۰ اپریل ۱۲۷۱ء + یکم مئی ۱۲۷۱ء تا ۱۲ مئی ۱۲۷۱ء = ۲۷

ابو النصر محمد خالدی، تقویم ہجری و عیسوی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، اشاعت سوم، ۱۹۷۴ء۔

[2] محمد اجمل فاروقی، چلہ گاہیں، چشتیاں شریف، بہاولنگر، ۲۰۰۳ء، ص: ۸۸۔

(صفحہ ہذا کا حوالہ نمبر ۲ کی تفصیل اگلے صفحہ کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

پیر محمد اجمل فاروقی نے بابا فرید گنج شکرؒ کی پوری عمر مبارک ۹۳ سال کا تجزیہ اس طرح کیا۔

فوائد الفواد کی روشنی میں ولادت = ۵۷۶ھ

فوائد الفواد کی روشنی میں عمر شریف = ۹۳

فوائد الفواد کی روشنی میں وصال = ۶۶۹ھ یعنی ۵ محرم ۶۷۰ھ

ملتان میں بوقت ملاقات قطب الاقطاب = ۱۸ سال

سال پیدائش	+	۵۷۶ھ	
		۵۹۴ھ	
سیاحت قندھار بمیعاد	+	۵	سال
		۵۹۹ھ	
اس لحاظ سے عرصہ قیام دہلی	+	۳۲	سال
شادی خانہ آبادی		۶۳۱ھ	
مدت قیام ہانسی	+	۱۲	سال
وصال قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ		۶۳۳ھ	
قیام چشتیاں شریف	+	۹	سال
		۶۴۲ھ	
قیام اجودھن (پاک پتن)	+	۲۷	سال
		۶۶۹ھ	یعنی ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ سال وصال

یہ تجزیہ مورخہ ۱۰ فروری ۲۰۰۷ء کے انٹرویو کے دوران بمقام چشتیاں شریف میں بیان کیا گیا۔

مقام ولادت:

بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا مقام ولادت کوٹھے وال / کھوال ہے۔[1] جہاں آپ کے والد جمال الدین سلیمانؒ اپنے والد قاضی شعیبؒ کے بعد قاضی مقرر ہوئے۔

بیشتر تذکرہ نگار اس کا موجودہ نام چاؤلی مشائخ بتاتے ہیں۔[2]

---

[1] موضع کھوال کا تعارف گزشتہ صفحات کے حاشیہ میں قاضی شعیبؒ کی بطور قاضی کھوال کی تقرری کے سلسلے میں آچکا ہے۔

[2] یہاں یہ اختلاف ہے کہ چاؤلی مشائخ ہی کوٹھے والا (یا کھوال) ہے۔ یا نہیں دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص: ۳۳۹ میں لکھا ہے کہ آج کل کا تلفظ کوٹھی وال ہے۔ اسی صفحہ پر کھوتی وال لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بیان بھی ہے کہ غالباً بستی کا یہ نام جاٹوں کے قبیلہ ''کھوتی'' سے منسوب ہے۔ اس میں چاؤلی مشائخ کا ذکر نہیں۔

چاؤلی مشائخ موجودہ نام بتانے والوں میں خلیق نظامی نے اپنی کتاب ...The Life and Times میں ص: ۱۱ پر جنرل آف کیپٹن سی۔ ایم ویڈز وائج کے حوالے سے کوٹھے وال کا موجودہ نام چاؤلی مشائخ بتایا ہے۔

اسی طرح طالب ہاشمی نے اپنی کتاب ''تذکرہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ'' ص: ۳۴ اور وحید احمد مسعود نے اپنی کتاب ''سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ'' ص: ۳۴، مناقب المحبوبین (فارسی) ص: ۲۹ (تحفۃ الابرار (اردو)، ص: ۳۴ میں موجودہ نام چاؤلی مشائخ بتایا۔

کسی قدیم تذکرہ میں چاؤلی مشائخ کا ذکر نہیں لفظ ''کھوال'' کے ہجوں میں فرق ہے۔ (جیسا کہ گزشتہ صفحات کے حاشیہ میں ذکر ہو چکا ہے)۔

چاؤلی مشائخ کا قدیم نام موسیٰ وال بھی بتایا جاتا ہے۔ منشی حکم چند اسسٹنٹ کمشنر بندوبست اراضی نے اپنی رپورٹ ۱۸۷۹ء ص: ۱۰۹ پر اس کا قدیم نام موسیٰ وال بتایا۔

اس میں حضرت حاجی شیر محمد دیوان چاؤلی مشائخ کا مزار ہے منشی حکم چند لکھتے ہیں کہ محمود غزنوی نے ۲۵ ہزار کی لاگت سے آپ کا روضہ تعمیر کروایا۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس مقام کا نام اُسی وقت سے دیوان چاؤلی مشائخ ہونا چاہیے تھا اور پھر کتب سیر کی قدیم کتابوں میں (اگر یہی مقام باباجیؒ کا مقام ولادت تھا تو) اسے کھوال کی بجائے چاؤلی مشائخ کے نام سے تحریر کیا جاتا۔

قدیم کتب سیرؒ [1] کے بیان کردہ حقائق کی روشنی میں یہ بات قرین قیاس ہے کہ چاؤلی مشائخ شیخ فریدُالدین گنج شکرؒ کا مقام ولادت نہیں بلکہ موضع کوٹھے وال (کھوال)

جوملتان سے دس میل یا (سترہ کلومیٹر) کے فاصلے پر آج بھی اس نام سے موجود ہے ۔بابا گنج شکرؒ کا مقام ولادت ہے۔ [2]

قدیم کتب سیرؒ میں بھی اس بات کا واضح بیان ہے کہ یہ مقام کوٹھے وال ملتان سے قریب ہے۔ اور یہ مقام ملتان کی جانب مشرق (شمال مشرق) [2] ضلع ملتان میں واقع ہے ۔جبکہ دیوان چاؤلی مشائخ منڈی بورے والا ضلع وہاڑی جانب جنوب چک نمبر ۳۱۷-ای بی میں واقع ہے۔

---

[1] علامہ اخلاق حسین دہلوی مرحوم نے لکھا ہے کہ کھوتیوال منفرس ہے کوٹھے وال کا۔جسے صاحب سیرؒ الاولیاء نے کھوتیوالا (کوٹھےوالا) بھی لکھا ہے۔

اخلاق حسین دہلوی،''بابا فرید گنج شکرؒ کا جدی مستقر''،جرنل آف دی پنجاب یونیورسٹی، دہلی،ص:۳۵۔

حضرت مخدوم نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا

''والدشیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ قاضئی کوتھےوال بود''

حامد قلندر،خیرالمجالس (فارسی قلمی عکسی)،ص:۲۱۹۔

خیرالمجالس ہی کے ایک اور قلمی نسخے میں ''والدشیخ الاسلام فریدالدین قاضئی کوٹھی وال بود'' بھی لکھا ہے۔

میر خورد کرمانی ''سیرؒ الاولیاء میں لکھتے ہیں۔

''قضائی کھتوال کہ ازملتان نزدیک است بقاضی شعیب جدشیخ شیوخ العالم مفوض شُد''

کوٹھےوالا جوملتان سے نزدیک ہے کامنصب قضا قاضی شعیبؒ جوجد گنج شیوخ العالم (بابا فریدؒ) ہیں کو تفویض ہوا۔

سیرؒ الاولیاء (فارسی) ص:۶۹۔

نزھتہُ الخواطر (۹۶۴ھ) ص:۳۱۲ میں درج ہے۔

حضرت فریدُ الدینؒ کےمولد ہونے کا فخر قریہ کھتوال کوحاصل ہے۔

[2] فیروزالدین احمد فریدی اپنی کتاب ''سال وصال کی تحقیق'' ص:۱۴۸ پر لکھتے ہیں کہ ملتان سے دس میل (یا سترہ کلومیٹر) شمال مشرق میں آج بھی ''کوتھےوال'' کےنام سے ایک قصبہ موجود ہے۔

اخلاق حسین دہلوی مرحوم لکھتے ہیں کہ یہ مقام چاؤلی مشائخ ملتان سے ۱۳۱ میل دور ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

میر خورد کرمانی نے بھی سیرُ الاولیاء میں بزبان سلطان المشائخ قصبہ کوٹھے وال کو غیر مشہور، مجہول اور ملتان کے نزدیک ایسا قصبہ بیان کیا جس میں ذرائع معاش کم تھے۔ [۱]

کوٹھے وال ضلع ملتان کا بابا فریدؒ کے مقام ولادت ہونے کا ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ کے والد جمال الدین سلیمانؒ کا مزار اس مقام پر ہے اور ۱۱شوال کو یہاں عرس منایا جاتا ہے۔

محکمہ مال کے کاغذات میں گاؤں کوٹھے وال کی وجہ تسمیہ یہ بیان ہوئی ہے کہ

"آبادی گانو (گاؤں) چاہ کوٹھے والا المعروف وستی والا پر نمبر ۱۴۳خسرہ بنا کر گانو کو آباد کیا اور چونکہ قبل آبادی اس گانو کے رقبہ ہذا ایک فقیر نے بصورت خدمت گزاری خانقاہ جواب گم نام ہے یک کوٹھہ برہائش خود بنایا ہوا تھا اس لئے وقت آبادی سے نام گانو (گاؤں) کوٹھہ والہ مشہور ہے"۔ [۲]

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) جبکہ کوٹھے والا ملتان شہر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر سمت بُدھلہ روڈ پر واقع ہے۔
بابا فرید گنج شکرؒ کا جدی مستقر، ص:۳۹۔

چاؤلی مشائخ (کھوتیوال) ضلع وہاڑی میں ہے۔ اور کوٹھے والا ضلع ملتان میں،

نور احمد خان فریدی نے تذکرہ مشائخ چشت میں "ارکان شہود" مکتوبات خواجہ محمد بن اسحٰق ہراتیؒ، "انوارُ الشہودؒ" مکتوبات سید عبد الرحیم عبد السلام، "ظہرت نامہ" مکتوبات مولانا ابوالقاسم کورگانیؒ کے حوالے سے کوٹھے وال کا محل وقوع پرگنہ دُنیا پور اور ملتان کا قُرب درج کیا ہے۔

سیرُ الاقطاب (فارسی) ص:۱۶۳۔سیرُ العارفین (اُردو) ص:۴۲، مرآۃ الاسرار، ص:۷۵۵، اقتباسُ الانوار (اُردو) ص:۴۳، مناقبُ المحبوبین (فارسی)، ص:۲۹، مطلوبُ الطالبین، (فارسی قلمی)، ص:۱۹۵، روضۃُ الاقطاب (اُردو)، ص:۵۶۔ خیرُ المجالس (قلمی فارسی) ص:۱۶۰، سیرُ الاولیاء، ص:۶۹، دارا شکوہ، سفینۃُ الاولیاء، ص:۱۳۳، مونس الارواح (قلمی فارسی) ص:۲۱۸۔ نے کوٹھے وال کا محل وقوع ملتان کا قرب بتایا ہے۔

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۷۴۔

۲۔ بندوبست اراضی (قلمی) ۱۸۵۰ء۔

نوٹ: محترم پیر اجمل چشتی نے دوران گفتگو یہ نکتہ بھی بیان کیا کہ کوٹھی وال یا کوٹھے وال دراصل کوٹھے وال ہے۔ قدیم فارسی میں چھوٹی یا (ی) کی تخصیص نہیں تھی چھوٹی (ی) بھی بڑی (ے) ہی کے تلفظ میں آتی تھی۔

فصل سوم:

وجہ تسمیہ گنج شکرؒ یا شکر بار

بابا فریدُالدین گنج شکرؒ کے کئی القاب اور نام ہیں سیرُ الاقطاب میں آپ کے ایک سو ایک نام درج ہیں۔ [1] دوسری کتب میں بھی آپ کے کئی نام اور خطاب ہیں لیکن ان سب میں گنج شکرؒ یا شکر بارؒ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ کتب سیرَ میں اس نام کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے انوار العارفین (فارسی) ص:۲۹۲ کے حوالے سے فرید الدین لقب کی وجہ، فرید الدین عطارؒ کے حوالے سے نام دیا جانا تحریر کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے بارگاہ ایزدی سے آپ کو یہ لقب عطا ہوا۔ [2]

سیرُ الاولیاء نے روایت کی ہے کہ شیخ فریدُ الدین گنج شکرؒ نے زیادہ مجاہدہ کرنا چاہا تو آپ نے قطب الدین بختیار کاکیؒ سے التماس کی مُرشد نے فرمایا طے [3] کا طریقہ اختیار کرو چنانچہ شیخ فریدؒ نے تین روز تک کچھ نہ کھایا۔ تیسرے دن افطاری کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لایا آپ نے غیب سے سامان افطاری سمجھ کر روزہ افطار کیا لیکن تھوڑی دیر بعد ایک چیل کو مردار کی آنتوں کے ٹکڑے منہ میں لئے دیکھا تو آپ کو فوراً امتلا ہوا اور اس کے ساتھ ہی وہ روٹیاں قے کی صورت میں نکل گئیں جو آپ نے افطار کے وقت تناول فرمائیں۔ آپ کا معدہ بالکل پاک اور خالی ہوگیا آپ نے یہ کیفیت شیخ الاسلام قطب الدینؒ سے بیان کی تو شیخؒ نے فرمایا مسعود! تم نے تیسرا روزہ شرابی کی روٹیوں سے افطار کیا تھا۔ عنایت الٰہی کی وجہ سے اس کھانے نے تمہارے معدہ میں جگہ نہ پائی اب جاؤ اور تین دن اور روزے رکھو

---

[1] اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی)، ص:۱۶۲-۱۶۳۔

[2] ظہور الحسن شارب (ڈاکٹر)، تذکرہ اولیاء پاک وہند، رضا پرنٹرز، تاریخ اشاعت ندارد، لاہور، ص:۴۱۔

[3] صوفیوں کے نزدیک متواتر روزے رکھنے اور جب تک غیب سے افطاری کا سامان مہیا نہ ہو اس وقت تک روزہ افطار نہ کرنے کو طے کہتے ہیں۔

اور جو چیز غیب سے پہنچے اس سے افطار کرو۔ چنانچہ شیخ شیوخ العالم نے دوسری دفعہ تین روزے رکھے۔ اب آپ کو بغیر کھائے پیے چھ دن ہوئے لیکن کسی قسم کا کھانا غیب سے پیدا نہ ہوا یہاں تک کہ ایک پہر رات گزر گئی تو ضعف اور کمزوری غالب آ گئی تو آپ نے دست مبارک زمین کی طرف دراز کیا اور چند کنکریاں اُٹھا کر منہ میں ڈال لیں جو فوراً شکر بن گئیں آپ نے یہ سوچ کر کہ ممکن ہے یہ شیطان کا فریب ہو انہیں اُگل دیا اور مشغول بحق ہو گئے۔ جب آدھی رات گزر گئی تو آپ نے پھر ضعف کی وجہ سے کنکریاں منہ میں ڈالیں جو پھر شکر بن گئیں آپ نے اُنہیں شیطان کا مکر خیال کر کے منہ سے نکال پھینکا اور مشغول بحق ہو گئے رات کے آخری پہر آپ نے سوچا یہ نہ ہو کہ ضعف کی وجہ سے فجر کی نماز نہ پڑھ سکوں اس لئے ایک دفعہ پھر کنکریاں منہ میں ڈالیں جو حسب سابق شکر بن گئیں آپ نے اسے غیبی سامان سمجھ لیا کیونکہ تین دفعہ ایسا ہو چکا تھا۔ صبح جب مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے فرمایا۔

مسعود! تم نے خوب کیا کہ شکر سے روزہ افطار کیا۔ جو غیب سے میسر ہو بہر صورت خوب ہے جاؤ ہمیشہ شکر کی طرح شیریں رہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ شیوخ العالمؒ کو شکر بار یا گنج شکرؒ کہتے ہیں۔ [1]

اخبارُ الاخیار، گلزارِ ابرار، خزینۃ الاصفیا اور تذکرۃُ العاشقین میں یہ روایت بیان ہوئی ہے کہ ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہا تھا جب وہ اجودھن پہنچا تو شیخ فریدؒ نے اس سے پوچھا، اونٹوں پر کیا ہے؟ سوداگر نے تمسخر سے جواب دیا ''بابا نمک ہے''۔ آپ نے جواب دیا ''خیر نمک ہی ہو گا'' جب وہ منزل مقصود پر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ شکر کی بجائے نمک ہے۔ وہ گھبرایا اور اُسی وقت اجودھن بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا اگر وہ شکر تھی تو شکر ہو جائے گی۔ سوداگر واپس آیا اور دیکھا کہ نمک پھر شکر میں تبدیل ہو گیا۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۷۷-۷۸۔
اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی)، ص: ۱۶۴-۱۶۵۔
عبد الرحمٰن چشتی، مراۃُ الاسرار (اردو)، ص: ۷۵۹۔
صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۴۷۔

بیرم خان خاناں نے اس واقعہ کو منظور کیا جس کا شعر ہے۔

کان نمک جہاں شکر شیخ بحر و بر
آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر [1]

(نمک کی کان، شکر کا خزانہ، خشکی وتری کے بادشاہ وہ جو شکر کو نمک اور نمک کو شکر بناتا ہے)۔

سیرُ العارفین میں وجہ تسمیہ گنج شکرؒ یہ بیان ہوئی ہے کہ جب شیخ فریدؒ اپنے شیخ قطب الدینؒ کی خدمت میں دہلی میں تھے۔ تو غربی دروازے کے قریب ایک برج تھا۔ اس مقام سے جو واقف ہیں وہ وہاں دوگانہ ادا کرتے ہیں۔ برسات کا موسم تھا۔ زمین کیچڑ والی ہوگئی تھی۔ سات روز سے طے کا روزہ افطار نہیں کیا تھا۔ انتہائی ضعف کی حالت میں پیرومرشد کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے راستے میں پاؤں پھسلا تو گر پڑے اور کچھ کیچڑ منہ میں چلی گئی جو بحکم الٰہی شکر ہوگئی۔ جب مرشد کے حضور پہنچے تو شیخ نے فرمایا: بابا فرید مسعود اس تھوڑی سی مٹی سے جو تیرے منہ میں پہنچی ہے عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے وجود کو گنج شکر کر دیا ہو جو ہمیشہ شیریں رہے گا۔ شیخ فریدالدینؒ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جب واپس حجرہ میں آرہے تھے تو لوگوں کو کہتے سنا کہ شیخ فریدُ الدین گنج شکرؒ آرہے ہیں۔ [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ کو بچپن سے شکر سے رغبت تھی آپ کی والدہ نے کہا جو بچے صبح کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس بچے کو شکر دیتے ہیں اور چپکے سے شکر کی پڑیا آپ کی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (فارسی)، ص: ۵۲-۵۳۔
محمد فاضل بن شیخ فیروزی، مفتاح الکرامات (قلمی فارسی)، (ملفوظات حضرت یحیٰی شیخ مدنیؒ)، ص: ۵۱۸-۵۱۹۔
مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص: ۲۹۳، ج اول بحوالہ تذکرہ فریدیہ، ص: ۱۴۔

[2] سیرُ العارفین (اُردو)، مولانا جمالی، ص: ۶۱-۶۲ نیز مولانا جمالی نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ وہ اپنے سفر حج بیت اللہ کے زمانے میں اجودھن گئے تو وہاں اُس وقت کے سجادہ نشین شیخ محمد نے بھی وجہ تسمیہ دریافت کرنے پر یہی روایت بیان کی۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ الہند) (اُردو)، ص: ۵۷۔
مفتاح الکرامات (فارسی قلمی) (بروایت تاریخ حاجی محمد قندھاری)۔
دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء (اُردو)، ص: ۱۳۲۔

جائے نماز کے نیچے رکھ دیتیں ایک دن ایسا کرنا بھول گئیں ۔آپ نے حسب معمول نماز ادا کرنے کے بعد جائے نماز الٹی تو وہاں پہلے سے زیادہ شکر پائی پوچھنے پر والدہ کو بتایا تو انہوں نے کہا انشاء اللہ تو مثل شکر شیریں ہوگا۔اس طرح آپ کا نام گنج شکر پڑ گیا۔ [۱]

وجہ تسمیہ گنج شکرؒ کچھ بھی ہو ان سب روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم آپ پر تھا اور آپ شروع سے برگزیدہ اور شیریں سخن تھے ۔آپ کی بات فوراً اثر کرتی اور لوگ جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے صدیوں سے اور آج بھی اور آئندہ بھی آپ اسی لقب سے پہچانے جاتے ہیں اور پہچانے جائیں گے۔

---

۱ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ: جلد دوم، ص: ۳۳۸۔
صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ، ص: ۱۴۸۔
منظور ممتاز (ڈاکٹر)، پیام گنج شکرؒ، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۷۲۔

ابتدائی تعلیم اور ظاہری و باطنی علوم کا حصول:

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بچے کی اولین درسگاہ ماں کی آغوش ہے۔ جو تمام ذرائع پر بھاری ہے۔ بابا فرید گنج شکرؒ چھوٹی عمر میں ہی والد ماجد کے سائیہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ اپنے مرشد خواجہ قطب الدین کاکیؒ اور اپنے ہونہار خلیفہ خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ کی طرح آپ کی تعلیم و تربیت میں بھی آپ کی والدہ ماجدہ کا ہاتھ ہے۔ وہ ایک عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں اور رابعہ عصر مشہور تھیں۔ رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں۔ کتب تصوف میں اُن کی ریاضت وتقوی کی کئی داستانیں ہیں [1] علم و فضل میں بھی اعلیٰ مقام رکھتی تھیں۔

آپ کے والد جمال الدین سلیمانؒ بھی نہایت متقی اور زاہد انسان تھے۔ وہ ولی کامل ہونے کے ساتھ ساتھ مستند عالم بھی تھے۔ گویا بابا فریدؒ نے آنکھ ہی ظاہری اور باطنی علوم کے گھوارے میں کھولی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے اندر بچپن ہی سے عبادت و ریاضت اور عشق الٰہی کی وہ جوت جگائی کہ لوگ آپ کو ''قاضی بچہ دیوانہ'' [2] کہنے لگے۔

کوٹھےوال کے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ گیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کوٹھوال سے ملتان [3] تشریف لے گئے۔

---

[1] آپ کی والدہ ماجدہ کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

[2] حامد قلندر، خیر المجالس (فارسی قلمی)، (ملفوظات خواجہ نصیرُ الدین چراغ دہلویؒ)، ص: ۱۶۰۔

ایک مرتبہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ (جو ابوسعید تبریزی کے مرید بہاؤ الدین زکریاؒ اور بختیار کاکیؒ کے دوست تھے آپ نے شہاب الدین سہروردیؒ کی صحبت بھی اختیار کی)۔ کوٹھےوالا سے گزرے آپ نے دریافت کیا یہاں کوئی درویش ہے؟ لوگوں نے کہا ایک قاضی بچہ دیوانہ ہے۔ جو مسجد کے پیچھے عبادات و ریاضت میں مصروف رہتا ہے۔ آپ نے وہاں بابا فرید گنج شکرؒ سے ملاقات بھی کی اور انار کے دانے والی حکایت بھی اسی موقع کی ہے۔

خیرُ المجالس (قلمی فارسی) ص: ۱۶۰-۱۶۱۔

[3] ملتان کوٹھوال سے دس گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ اُس زمانے میں ملتان اسلامی علوم و فنون کا ایک بڑا مرکز تھا۔ بقول میر خورد کرمانی ''ملتان تمام عالم کا قبۃ الاسلام تھا۔ اور جید علماء ملتان میں موجود تھے۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی) ص: ۷۰۔

وہاں آپ نے سرائے حلوائی کے نزدیک مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قائم مدرسہ میں داخلہ لیا۔[۱]

قرآن مجید سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا۔ چوبیس گھنٹوں میں ایک قرآن ختم کر لیتے۔[۲] آپ کی ذہانت، زہدُ و عبادت کا چرچا عام ہونے لگا تفسیر، حدیث، فقہ، منطق میں کمال پیدا کیا۔

اسی مسجد میں ایک دن جب آپ کتاب "نافع" کا مطالعہ کر رہے تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تشریف لائے۔ اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی نظر آپ پر پڑی تو آپ نے پوچھا! کونسی کتاب ہے؟ بابا فریدؒ نے فرمایا "نافع"۔[۳]

خواجہ بختیار کاکیؒ نے فرمایا "انشاءاللہ تمہیں اس کتاب نافع سے نفع ہوگا"۔

شیخ فریدُالدینؒ نے کہا میرا نفع آپ کی نظر کیمیاء اثر سعادت بخش میں ہے۔ یہ کہہ کر آپ کے قدموں میں سر کھ دیا اور یہ رباعی پڑھی۔

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد
زلطف تو ہیچ بندہ نومید نشد
لطفت بکدام ذرہ پیوست دمی
کان ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد[۴]

ترجمہ: جسے آپ پسند فرمائیں وہ مقبل جاوید ہوگیا۔ اور آپ کے فضل و کرم سے کوئی نا امید نہ ہا جس ذرے پر آپ کی نگاہ لطف ہوئی وہ ذرہ ہزار خورشید سے بھی بہتر ہوگیا۔

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۷۰ ، حامد قلندر، خیر المجالس (فارسی قلمی)، ص:۱۶۱۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۲۶، سیر العارفین (اُردو)، ص:۴۸، اقتباس الانوار (اُردو) ص:۴۳۵

۲۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۲۶، سیرُ العارفین (اُردو)، ص:۴۸۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اُردو) باب مشائخ ہند، ص:۴۱۔

۳۔ کتاب نافع فقہ کی کتاب ہے جس کے مولف ابوالقاسم بن یوسف الحسینی ہیں۔
نوٹ:۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا تفصیلی ذکر مقالہ کے حصہ اول باب دوم کی فصل دوم میں آچکا ہے۔

۴۔ حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص:۱۶۱ ، شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو)، ص:۳۳۵-۳۳۶۔

جب قطب الدین بختیار کاکیؒ دہلی کے لئے روانہ ہوئے تو شیخ فریدُ الدینؒ تین منزل تک آپ کے ہمراہ گئے تو خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا: بابا فریدؒ کچھ عرصہ علوم ظاہری میں مشغول ہو اس کے بعد میرے پاس دہلی آنا اور میری صحبت میں رہنا۔ انشاءاللہ تم مجھے وہاں پاؤ گے۔ بابا فرید مرشد کے حکم کے مطابق علوم ظاہری کی تحصیل کے لئے قندھار چلے گئے اور وہاں پانچ (۵) سال تک تحصیل علم میں گزارے ساتھ ساتھ تجریدؔ و تفرید بھی جاری رکھا۔ [۱]

۱؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۷۰-۷۱، حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص: ۴۹۔

شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو)، ص: ۴۳۵-۴۳۹۔

محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اُردو) باب مشائخ ہند، ص: ۴۱۔

اللہ دیا چشتی نے سیرُ الاقطاب میں تحریر کیا ہے کہ بابا فرید گنج شکرؒ پانچ سال تک ملتان ہی میں تحصیل علوم کرتے رہے۔

اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی)، ص: ۱۶۴۔

باب دوم

مُرشد خواجہ بختیار کاکیؒ سے شرف ملاقات

فصل اول: بیعت اول اور تجدید بیعت، شیخ فریدالدین گنج شکرؒ آستانہ مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ پر

فصل دوم: وردو ہانسی، مُرشد کا وصال اور خلافت

فصل سوم: وروداجودھن (پاک پتن)

باب دوم

فصل اول:

بیعت اول اور تجدید بیعت

شیخ فریدُ الدین گنج شکرؒ کی اپنے پیرو مرشد سے پہلی ملاقات ملتان میں مولانا منہاج الدین کی مسجد میں ہوئی۔ [۱]

اُس وقت آپ کی عمر ۱۸ (اٹھارہ) برس تھی۔ [۲]

اس بات پر تو سب تذکرہ نویس متفق ہیں کہ پہلی ملاقات میں بیعت ہوئی اور اُس وقت آپ کی عمر مبارک ۱۸ سال تھی لیکن اس میں اختلاف ہے کہ بیعت ملتان میں ہوئی یا دہلی میں۔ صاحب سیرُ الاولیاء نے لکھا ہے کہ

> شیخ الاسلام قطب الدین قدس سرہ العزیز عزیمت شہر دہلی کرد شیخ شیوخ العالم فرید الدین برابر شیخ الاسلام قطب الدین در شہر آمد و بدولت بیعت شیخ قطب الدین بختیار مشرف گشت قدس اللہ سر ہما العزیز۔ [۳]

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے بیعت کے وقت بابا فریدؒ کی عمر روضۃ الاقطاب (فارسی)، ص:۵۹ کے حوالے سے ۱۵ سال تحریر کی ہے۔ [۴]

---

[۱] اس ملاقات کا تفصیلی ذکر حصہ دوم باب اول فصل دوم "ابتدائی تعلیم اور ظاہری و باطنی علوم کا حصول" کے ضمن میں آچکا ہے۔

[۲] حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۲۶، سیرُ العارفین (اُردو)، ص:۴۸۔
عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۵۶۷ ، محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ باب مشائخ ہند (اُردو)، ص:۴۱۔

[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۷۱۔

[۴] ظہور الحسن شارب (ڈاکٹر)، تذکرہ اولیاء پاک و ہند، رضا پرنٹرز، لاہور، سن اشاعت ندارد، ص:۴۲۔

اس وقت شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز عازم شہر دہلی ہوئے اور شیخ فرید الدینؒ بھی شیخ الاسلام قطب الدین کے ہمراہ شہر (دہلی) آئے اور شیخ قطب الدین بختیار کی دولت بیعت سے مشرف ہوئے۔

لیکن صاحب سیرُ الاولیاء اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ

در آنمجلس کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز بخدمت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار بیعت کردہ است ایں بزرگاں حاضر بودند قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علاؤ الدین کرمانی وسید نورالدین مبارک غزنوی و شیخ نظامُ الدین ابو المؤید و مولانا شمس الدین ترک و خواجہ محمود موئنہ دوز و عزیزان دیگر۔۔۔ ۱؎

یعنی جس مجلس میں شیخ شیوخ العالم نے قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بیعت کی اُس میں مندرجہ بالا حضرات گرامی موجود تھے۔

صاحب سیرُ العارفین یوں رقمطراز ہیں کہ جب قطب الملت والدین اوشی ملتان سے دہلی روانہ ہوئے تو بابا فریدؒ تین منزل اُن کے ہمراہ رہے۔ تو مرشد نے حکم دیا کہ

بہ ہمیں ترک تجرید چند گاہ بعلم ظاہر مشغول باش بعدازاں در دہلی بیا و درصحبت من قرار گیر کہ مراد انشاء اللہ تعالیٰ درآنجا خواہی یافت حضرت باشارت ہمچناں کرد۔ ۲؎

اللہ دیا چشتی نے تحریر کیا کہ بابا فریدؒ نے خواجہ قطب الدین کاکیؒ کے حکم کے مطابق ملتان میں ہی ٹھہر کر مزید پانچ سال تحصیل علم میں صرف کیے پھر دہلی گئے۔

حضرات خواجہ مراجعت بدہلی فرمود ایشاں نیز چند منزل برکاب رفتند حضرت خواجہ فرمود بابا فرید بروو چندگاہ در ملتان تحصیل علم کن بعدش در دہلی بزوم بیا آنحضرت فرماں بجا آورد۔۔۔ ۳؎

۱؎ امیر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۷۔ (ان مشائخ عظام کا مختصر تعارف اگلے صفحات کے حاشیہ میں درج ہے)۔
اسلم فرخی (ڈاکٹر)، فرید و فرد فرید، المحزن پرنٹرز، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص:۱۵۔

۲؎ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۳۶۔

۳؎ اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی)، ص:۱۶۴۔

جبکہ صاحب سیرُ العارفین مولانا جمالی یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ آپ ملتان سے قندھار تشریف لے گئے اور پانچ سال تک علوم ظاہری و باطنی حاصل کیئے۔

واز آنجا بخطہ قندھار رفت[1]

اگر یہ بیعت ملتان میں پہلی ملاقات میں ہوئی تو میر خورد صاحب سیرُ الاولیاء نے جن بزرگوں کا ذکر بیعت کے وقت موجودگی کا کیا ہے وہ ملتان نہیں دہلی میں بوقت بیعت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ حاضر تھے۔ ملتان کی ملاقات میں اُن کی موجودگی ثابت نہیں۔ پھر صاحب سیرُ العارفین مولانا جمالی، صاحب سیرُ الاقطاب اللہ دیا چشتی اور تاریخ فرشتہ باب مشائخ ہند وغیرہ کا یہ بیان کہ آپ تین منزل خواجہ بختیار کاکیؒ کے ہمراہ رہے پھر مُرشد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے واپس آ گئے اور مزید تعلیم کی غرض سے قندھار تشریف لے گئے اور اس پانچ سال کے عرصے میں سفر بھی کیئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی بیعت ملتان میں اور دوسری بیعت جو تجدید بیعت تھی دہلی میں ہوئی۔ [2]

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص: ۳۶۔

[2] پہلی بیعت رسمی بیعت تھی اور ۱۸ سال کی عمر میں ہوئی اُس کے بعد دوران سفر آپؒ کی ملاقات کئی بلند پایہ بزرگان دین سے ہوئی لیکن آپؒ نے اُن کی بیعت نہ کی کیونکہ آپ پہلے ہی بیعت ہو چکے تھے۔

قندھار کے سفر میں پانچ سال گزارنے کے بعد ۲۳ سال کی عمر میں دہلی اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں تجدید بیعت ہوئی۔ وہ بزرگان دین جن کا ذکر میر خورد نے سیرُ الاولیاء میں کیا اور جس مجلس کا ذکر کیا غالباً وہ تجدید بیعت تھی۔ جیسا کہ فوائد الفواد سے ثابت ہے کہ اُس دور میں تجدید بیعت کا رواج تھا۔

شیخ فرید الدین گنج شکرؒ آستانہ مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ پر:

قندھار سے واپسی پر والدہ محترمہ کی قدم بوسی کی پھر عازم دہلی ہوئے جب بابا فریدؒ دہلی پہنچے تو مرشد کے حکم کے مطابق علوم ظاہری میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ اور تصوف کی روایت کے مطابق آپ صاحب شریعت ہو گئے تھے اور اب روحانی سفر میں طریقت کی مزید منزلیں طے کرنے کے لئے مرشد کے آستانہ پر حاضر ہوئے تو خواجہ بختیار کاکیؒ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ [1]

اسی مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ، [2] مولانا علاؤالدین کرمانیؒ، سید نور الدین مبارک غزنویؒ، [3] شیخ نظام الدین ابو المویدؒ، [4]

مولانا شمس الدین ترکؒ اور خواجہ محمود موئنہ دوزؒ [5] جیسے مشائخ کبار کی موجودگی میں خواجہ بختیار کاکیؒ نے بابا فرید گنج شکرؒ کو تجدید بیعت سے مشرف فرمایا۔ [6]

---

۱ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (فارسی)، ص:۳۶ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ باب مشائخ ہند (اُردو)، ص:۴۲

۲ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا شمار مشائخ کبار کے طبقہ اول میں ہوتا ہے خواجہ بختیار کاکیؒ کے دوست اور ساتھی تھے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ آپ سماع کے شوقین تھے اور کثیر التصانیف بھی تھے۔ لیکن بہت کم تصانیف دست برد زمانہ سے بچیں۔

۳ سید نور الدین مبارک غزنویؒ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ اور دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ سلطان شمس الدین کے زمانہ میں آپ کو "میر دہلی" کہا جاتا تھا۔ آپ کا مقبرہ دہلی میں حوض شمسی کے مشرقی جانب ہے۔

۴ شیخ نظام الدین ابو المویدؒ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہمعصر اور سلطان شمس الدین کے دور کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے بچپن میں آپ کو دیکھا تھا۔ شیخ نظام الدین ابو المویدؒ کے وعظ بہت موثر اور دلچسپ ہوتے تھے۔ شیخ جمال کولویؒ جن کا مزار کول میں ہے آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

۵ شیخ محمود موئنہؒ دوز قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے مریدوں اور خواجہ بختیار کاکیؒ کے عقیدت مندوں اور دوستوں میں سے ہیں۔ اکثر خواجہ بختیار کاکیؒ کی مجالس میں شریک رہتے آپ کا مزار بھی خواجہ بختیار کاکیؒ کے مقبرے کے نزدیک اس دروازے کے باہر ہے جو حوض شمسی کی جانب ہے۔

۶ تجدید بیعت کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

قطب عالمؒ نے آپؒ کے لئے غزنی دروازے کے نزدیک ایک برج کے نیچے حجرہ مخصوص کر دیا۔ [1]

''جوامع الکلم'' میں رقم ہے کہ

''در مسجد دہلی نزدیک دروازہ مندہ'' [2]

شجرۃ الانوار[3] میں بھی دروازہ مندہ تحریر ہے۔

بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ اپنے مرشد کے مخصوص کردہ حجرہ میں ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ بہت شفقت و محبت سے آپ کی نگرانی فرماتے اور آپ اُن کی زیر نگرانی سلوک کی منازل طے کرتے رہے۔ بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ دو ہفتے بعد اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری دیتے جبکہ خواجہ بختیار کاکیؒ کے دوسرے مرید مثلاً بدرالدین غزنویؒ اور شیخ احمد نہر والیؒ اور دوسرے آپ کی خدمت

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص: ۳۶۔

''درنزدیک دروازہ غربی برجیست درزیر آں بُرج حجرہ ساختہ''

نوٹ: سیرُ الاقطاب (فارسی)، ص: ۱۴۵ میں تحریر ہے کہ

حضرت قطب الاقطاب مشرف گردید نزدیک آستانہ برائے ایشاں جائی مقرر شد۔

قطب الاقطاب نے اپنے آستانہ کے نزدیک اُن کے لئے ایک حجرہ مقرر کر دیا۔

مونس الارواح (فارسی قلمی)، ص: ۲۳۴۔

''بعد از ارادت زیر برج کہ طرف غربی است حجرہ ساخت۔۔۔''

تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند) (اُردو)، ص: ۴۲ میں تحریر ہے۔

غزنین دروازے کے قریب اُن کے لئے حجرہ معین فرمایا۔

[2] جوامع الکلم (فارسی) ملفوظات سید محمد گیسو درازؒ، مطبوعہ انتظامی پریس، عثمان گنج حیدر آباد، ص: ۲۳۰۔

[3] رحیم بخش (مولانا)، شجرۃ الانوار (فارسی) قلمی، ص: ۳۳۷۔

میں اکثر و بیشتر رہتے۔ [1]

مسلسل ریاضت و مجاھدہ میں بابا فریدؒ انتہائی کمزور ہو گئے۔ [2] اسی دوران وہ واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے لقب گنج شکرؒ سے ملقب ہوئے۔ [3]

خواجہ معین الدین چشتیؒ جب اجمیر شریف سے خواجہ بختیار کاکیؒ سے ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تو خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ نے بختیار کاکیؒ کے تمام مریدوں سے ملاقات کی اور عنایت بھی کی۔ لیکن بابا فریدُ الدین مسعودؒ سے ملنے خود اُن کے حجرے میں گئے تو مسلسل زہد و عبادت و ریاضت کی وجہ سے بابا فرید گنج شکرؒ اُٹھ کر کھڑے نہ ہو سکے جس کے بعد خواجہ معین الدین چشتیؒ اور بختیار کاکیؒ نے خود بڑھ کر انہیں سہارا دیا اور فیض بخشا۔ [4]

---

[1] امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد (فارسی)، ص: ۱۸۷ ، فوائد الفواد (اُردو)، مترجم حسن نظامی دہلوی، ص: ۳۴۷۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۷۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص: ۳۶ ، سیرُ العارفین (اُردو)، ص: ۴۹۔
جہاں آرا بیگم، مونس الارواح (فارسی قلمی)، ص: ۲۳۴۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند) (اُردو)، ص: ۴۳۔
شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو)، مترجم، واحد بخش سیال، ص: ۴۳۹۔
سیرُ الاقطاب کا بیان یہ ہے۔
در ہفتہ حضور پرنوری آمدی (ہر ہفتہ جاتے تھے)
اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی)، ص: ۱۶۴۔

[2] ریاضت و مجاھدہ کی تفصیل مقالہ کے حصہ سوم ''سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام'' کے ضمن میں آئے گی۔

[3] اس واقعہ اور اس سے متعلقہ دیگر واقعات کی تفصیل ''وجہ تسمیہ گنج شکرؒ'' کے تحت آ چکی ہے۔ یہاں تکرار سے بچنے کے لئے صرف حوالہ دیا گیا ہے۔

[4] اس واقعہ کی تفصیل بھی مقالہ کے حصہ سوم میں ''شیخین سے اکتساب فیض''، کے تحت آئے گی۔

فصل دوم:

ورودِ ہانسی، مُرشد کا وصال اور خلافت

بابا فریدؒ کی شہرت دہلی میں دور دور تک پھیل گئی۔ آپ طبعاً خلوت پسند تھے اور شہرت آپ کو پسند نہ تھی۔ اور جب آپ نے اپنے مرشد بختیار کاکیؒ کے زیر سایہ تکمیل سلوک کی منزلیں طے کرلیں تو ہانسی جانے کا ارادہ کیا۔ [۱]

بابا فرید گنج شکرؒ ہانسی اس لئے جانا چاہتے تھے تاکہ اُن کی تنہائی اور عبادت و ریاضت میں کوئی مخل نہ ہو۔ [۲]

آپ ہانسی تشریف لے گئے لیکن وہاں بھی اپنے آپ کو پوشیدہ نہ رکھ سکے کیونکہ ہانسی میں میں ایک مرتبہ آپ مولانا نور علی ترک [۳] کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ اس وقت بابا فریدؒ پُرانے اور

---

۱ ہانسی پر سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۳۶ء میں قبضہ کیا لیکن چوہان راجپوتوں نے بعد میں اُسے واپس لے لیا۔ یہ ایک فوجی چھاؤنی تھی۔ ۱۱۶۷ء میں اسے مسلمانوں کے خلاف ایک بیرونی قلعہ بند چوکی بنادیا گیا۔
ہانسی ضلع حصار کا پُرانا شہر ہے۔
ترائن کی لڑائی میں شہاب الدین غوری نے ہانسی پر قبضہ کر کے اس پر محافظ فوجی دستہ تعینات کردیا۔
(منہاج جرجانی، طبقات ناصری، ص: ۱۴۰)
۱۱۹۲ء میں ایک ہندو سردار جتون نے ہانسی میں تعینات مسلمان محافظ دستے کا محاصرہ کرلیا جسے توڑنے کے لئے قطب الدین ایبک نے خود فوج کشی کی۔ اس طرح ہانسی فوجی نقطۂ نگاہ سے بڑی اہمیت کا حامل رہا۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۷۲۔

۳ مولانا نور علی ترک ممتاز صوفی اور بے مثال خطیب تھے۔ منہاج نے "طبقات ناصری"، ص: ۱۸۹-۱۹۰ میں اُن پر ملحد کا الزام سراسر غلط لگایا۔ انہیں اپنے عہد کے علماء کی مادہ پرستی سخت ناپسند تھی۔ آپ غریبی میں گزر بسر کرتے لیکن دُنیا کی لالچ نہ رکھتے ایک دفعہ رضیہ سلطانہ نے انہیں کچھ سونا بھیجا جسے لینے سے آپ نے انکار کردیا۔ برصغیر پاک و ہند چھوڑنے کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے۔ حسن علاء سجزیؒ، میر خورد کرمانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کا ذکر انتہائی عقیدت و احترام سے کیا ہے۔

بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس تھے اور آپ کی ظاہری ہیئت سے بالکل اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ آپ صاحب علم اور اتنی برگزیدہ ہستی ہیں۔ لیکن مولانا نور علی ترکؒ نے جونہی آپ کو دیکھا تو وعظ کے دوران ہی آپ کی تعریفوں کے ایسے پل باندھے جو کہ کبھی بادشاہوں کے لئے بھی نہیں بیان کئے۔ خود بابا فریدؒ آخری عمر میں اپنے مریدوں کو بتایا کرتے تھے کہ کس طرح مولانا نور علی ترک نے اُن کی پذیرائی اور تعریف کی [۱]

غرض یہ کہ لوگوں کو اشتیاق ہوا اور آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ کی شہرت ہانسی میں ہر طرف پھیل گئی اور لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔

خلافت اور مرشد کا وصال:

صاحب سیرُ الاولیاء لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ شیوخ العالم اپنے مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے جب اس نیت سے اُٹھے کہ ہانسی کے لئے روانہ ہوں۔ تو شیخ الاسلام بختیار کاکیؒ پرنم آنکھوں کے ساتھ فرمایا مولانا فریدالدین! میں جانتا ہوں کہ تم ہانسی جاؤ گے بابا فریدؒ نے فرمایا: جیسے شیخ کا ارشاد ہو۔ شیخ نے فرمایا: جاؤ قلم تقدیر یوں ہی چل چکا ہے کہ جب میرا سفر آخرت ہو تم موجود نہ ہو۔ پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا سب مل کر اس درویش کی دین و دُنیا کی مزید نعمت اور فقر کے لئے فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھو۔ اس کے ساتھ شیخ الاسلامؒ نے بابا فرید گنج شکرؒ کو اپنا مصلّٰے خاص اور عصا عطا کیا اور ارشاد فرمایا: میں اپنا سجادہ، دستار، خرقہ اور نعلین [۲] بطور امانت قاضی حمید الدین ناگوریؒ

---

[۱] امیر حسن سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، نولکشور، لکھنو، ۱۳۰۲ھ، ص: ۱۹۹-۲۰۰، میر خورد، سیرُ الاولیاء (فارسی) ص: ۷۲۔

[۲] خرقہ، دستار، نعلین اور عصا ایسا ساز و سامان ہوتا ہے جو تصوف کا بادشاہ اپنے مقرر کردہ جانشین کو عطا کرتا ہے۔ اور اس طرح یہ امانت سلسلہ بہ سلسلہ چلتی ہے۔ سلسلہ چشتیہ میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ سامانِ شاہی موروثی نہیں ہوتا یعنی باپ کے بعد بیٹا بلکہ مُرشد اپنے مریدوں میں جسے سب سے قابل سمجھتا ہے۔ اہل سمجھتا ہے۔ اُسی کو عطا کرتا ہے۔ بابا فریدؒ نے اپنے بعد یہ امانت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو سونپی اور خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنے مرید شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کو عطا کی۔ شیخ نصیر الدینؒ کے خیال میں اُن کا کوئی مرید اس سلسلہ کے بار کو اُٹھانے کے قابل نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے وصیت کی کہ یہ سامان اُن کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔

کودے جاؤں گا پانچویں روز یہ سب چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔ پھر فرمایا:

مقام ما مقام شماست

میرا مقام تمہارا مقام ہے

یہ سنتے ہی حاضرین نے نعرہ بلند کیا اور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیے۔ [۱]

بابا فریدؒ ہانسی ہی میں تشریف فرما تھے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پر ایک سماع کی محفل میں وجد کی کیفیت طاری ہوگئی وہ اسی حالت میں بے ہوش ہو جاتے یہ شیخ علی سجزیؒ کی مجلس تھی۔ [۲] اپنے مقام پر واپس آ کر بھی آپ کی یہی کیفیت رہی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور بدالدین غزنویؒ اس موقع پر موجود تھے۔ ان بزرگوں کی خواہش تھی کہ شیخ الاسلامؒ انہیں اپنے مقام پر بٹھائیں۔ لیکن اُس حالت میں بھی شیخ الاسلام بختیار کاکیؒ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ خرقہ، دستار اور نعلین فریدالدین مسعودؒ کو پہنچا دینا۔ اور پھر بے ہوش ہو گئے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں میں نے وہ جامہ دیکھا تھا جو دوتہی سوزنی تھا (دوسرا کپڑا سوزنی کے طور پر تھا)۔

جس روز خواجہ بختیار کاکیؒ کا انتقال ہوا۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے جو ہانسی میں تھے خواب میں دیکھا کہ اُن کے پیر و مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ انہیں اپنے دربار میں بلا رہے ہیں۔ آپ صبح دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ چوتھے روز دہلی پہنچے قاضی حمیدُ الدین ناگوریؒ نے وہ جامہ (خرقہ) آپ کے سپرد کیا آپ نے دوگانہ ادا کر کے زیب تن کیا اور مرشد کے حکم کے مطابق اُن کی مسند پر بیٹھ گئے۔ [۳]

---

۱ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۸۲-۸۳ ، اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی) ص:۱۶۷۔

۲ اس واقعہ کی تفصیل مقالہ کے "حصہ اول" باب دوم اور فصل دوم میں آچکی ہے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ کا انتقال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں ہوا

۳ امیر حسن سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص:۱۸۷-۱۸۸ ، میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۸۲-۸۳۔

حامد قلندر، خیرُ المجالس (قلمی فارسی)، ص:۵۶ ، اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی) ص:۱۶۷۔

فوائد الفواد اور سیرُ الاولیاء کا بیان ہے کہ آپ چوتھے روز دہلی پہنچے جبکہ سیرُ الاقطاب میں تحریر ہے کہ تیسرے دن پہنچے۔

شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو)، ص:۴۴۵-۴۴۶۔

علی محمود بن جاندارؒ (مولانا)، دررنظامی، مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی، ص:۱۲۴-۱۲۵۔

اہل دہلی کو جب بابا فریدؒ الدین مسعود گنج شکرؒ کی دہلی آمد کا علم ہوا تو لوگوں کا ہجوم اُمڈ پڑا جب آپ نے یہ حال دیکھا تو دہلی سے جانے کا ارادہ کیا ابھی ہانسی سے آئے ہوئے تین دن ہوئے تھے۔[۱] کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے بابا فریدؒ نے فوراً اپنے دہلی سے ہانسی چلے جانے کے ارادے کو عملی جامہ پہنایا۔

ہانسی میں آپ کا ایک عقیدت مند سرہنگا نامی مجذوب تھا وہ آپ سے ملنے دہلی آیا لیکن دربان نے اُسے آپ سے ملنے نہ دیا۔ ایک دن آپ نماز کے ارادے سے نکلے تو سرہنگا بھاگ کر آپ کے قدموں میں گر گیا اور رو کر کہنے لگا۔

شما در ہانسی بود دیدن شمارا آساں میدیدم۔ ایں ساعت دیدن شمار دشوار شدہ است [۲]

جب آپ ہانسی میں تھے تو آسانی سے آپ کی زیارت کر لیتا تھا اب آپ کا دیکھنا مشکل ہو گیا ہے۔

سرہنگا کی بات سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے۔ آپ نے اُسی وقت ہانسی واپسی کا اعلان کیا۔ حاضرین نے کہا شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ کو اس مقام کے لئے حکم فرمایا ہے آپ کسی دوسری جگہ کیوں جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا شیخ نے جو نعمت مجھے دی وہ جیسی شہر ویسی بیاباں میں۔ [۳]

---

۱ فوائد الفواد، ص:۱۸۸ میں ہے کہ ایک روایت سات دن قیام دہلی ہے
اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی) ص:۱۶۷ تین روز قیام دہلی۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۸۳۔

۳ امیر حسن سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص:۱۸۸ ، فوائد الفواد (اُردو)، ص:۳۴۸۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۸۳ ، اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب فارسی، ص:۱۶۷۔
شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو)، ص:۴۴۶۔
جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۳۳، سیرُ العارفین (اُردو)، ص:۴۴ صاحب سیرُ العارفین نے تحریر کیا کہ جمعہ کا دن تھا۔ اور آپ بعد از نماز جمعہ ہانسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ تاریخ فرشتہ کا بھی یہی بیان ہے۔
علی محمود بن جاندار، درر نظامی، ص:۱۲۵۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند) (اُردو)، ص:۴۳۔

نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد بابا فریدؒ ہانسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ نے بارہ سال ہانسی میں قیام کیا۔ خلافت ملنے اور خرقہ حاصل ہونے کے بعد جب آپ ہانسی آئے تو اسی دوران جمال الدین ہانسویؒ کو خلافت سے نوازا۔[۱]

دہلی چھوڑنے کا فیصلہ آگے چل کر بہت بہتر ثابت ہوا۔ کیونکہ دہلی میں شیخ بدرالدین غزنویؒ جو شروع سے دہلی میں رہائش پذیر تھے اور آپ کے دوست بھی تھے۔ آپ اُن سے رقابت نہیں چاہتے تھے پھر بعد میں دہلی کے بدلتے سیاسی حالات نے بھی ثابت کر دیا کہ آپ کا فیصلہ درست اور دوراندیشی پر مبنی تھا۔

ہانسی میں جب ہجوم بڑھنے لگا تو آپ نے ہانسی چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اپنے آبائی گاؤں کوٹھے وال آ گئے ملتان سے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں بھی آپ پوشیدہ نہ رہ سکے تو آپ نے لاہور جانے کا ارادہ کیا۔[۲] لیکن آخر ہانسی میں جمال الدین ہانسویؒ کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود اجودھن کی طرف چل پڑے۔

---

۱ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۳۳۔ سیرُ العارفین (اُردو)، ص:۴۵۔
اسلم فرخی (ڈاکٹر) فرید و فرد فرید، ص:۲۰۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۷۴۔

فصل سوم:

ورود اجودھن (پاک پتن)

اپنے مرشد بختیار کاکیؒ کی زندگی میں آپ کا زیادہ قیام ہانسی میں رہا لیکن اُن کی وفات کے بعد آپ نے کچھ عرصہ ہانسی میں قیام کیا پھر اجودھن تشریف لے گئے۔

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ شہرت پسند نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے جہاں وہ بغیر کسی کی مداخلت کے مشغول بحق رہیں۔

جیسے خیر المجالس میں تحریر ہے کہ

جس قصبہ میں جاتے لوگوں کی آمدورفت کی وجہ سے قیام نہ فرماتے اور یہ فرماتے کہ مجھے ایسے موضع میں رہنا پسند ہے جہاں کوئی معتقد میرا نہ ہوتا کہ میں فارغ البال ہو کر مشغول رہا کروں۔ [۱]

اجودھن [۲] اس لحاظ سے آپ کی خواہش اور پسند کے مطابق مقام تھا۔ جو جگہ بابا فریدؒ نے اپنے لئے

---

[۱] حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص:۵۶ ، خیرُ المجالس (اُردو)، ص:۸۲۔

[۲] اجودھن قدیم قصبہ ہے اس کی قدامت کی کڑیاں راجہ رام چندر کے زمانے تک جاتی ہیں۔ برِعظیم پاک وہند میں راجپوتوں کی تین عظیم راجدھانیاں، اجین، اجودھیا اور اجودھن تھیں۔ رام چندر کے بھائی کی جس علاقے میں حکومت تھی اُس کا نام اجودھن تھا۔ دریائے ستلج اجودھن کے قریب بہتا تھا۔ ستلج پار کرنے کے لئے ایک بڑا گھاٹ تھا۔ یہ پتن بہت اہمیت کا حامل تھا کیونکہ ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان اور ملتان سے دہلی جانے والے قدیم راستوں کے مقام اتصال پر اجودھن واقع تھا۔ قدامت کے لحاظ سے ملتان شہر کا ہم پلہ ہے۔ شمالی ہندوستان کا یہ قصبہ ہندوؤں کا مذہبی مرکز اور تیرتھ ہونے کی وجہ سے ہندو تہذیب کا عکاس تھا۔

''تاریخ پاکپتن'' میں تحریر ہے کہ اجودھن سے پہلے اس کا نام ''گڑوا'' تھا۔ شمالی ہندوستان میں یہ قصبہ ہندوؤں کا بہت بڑا مذہبی مرکز تھا۔

میاں اللہ بخش طارق، تاریخ پاکپتن، قومی پریس، لاہور، جون ۱۹۹۴ء، ص:۳۳

اجودھن سے پاکپتن کی وجہ تسمیہ کی جو بھی روایات ہیں ان سب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

منتخب کی وہاں پسماندہ ہندو قبائل رہتے تھے۔ ہر جگہ خطرناک کیڑے رینگتے تھے۔ یہ علاقہ سانپوں اور بچھوؤں کا مسکن تھا۔ شیخ فریدؒ کو بھی ایک دفعہ سانپ نے ڈس لیا لیکن آپ مشغول بحق رہے۔ جسم سے پسینہ کے ذریعے زہر بہہ گیا اور آپ پر اثر نہ ہوا۔ [1]

اجودھن کے باشندے، بدخو، سخت دل اور درویشوں کے معتقد نہ تھے [2] اور اس کے

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) کہ اس نام کی واحد وجہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی ذات بابرکات ہے۔

ایک روایت کے مطابق جب بابا فریدؒ اجودھن میں قیام پذیر تھے تو آپ کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور ہر طرف سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے تو اُن کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے "چلو پاک لوگ کے پتن"۔

دوسری روایت میں ہے کہ دریائے ستلج جو اجودھن کے قریب بہتا تھا۔ حضرت بابا فریدؒ اُس کے پتن پر بیٹھ کر وضو کرتے تھے۔ اس لئے لوگ اس جگہ کو "پاک لوگ کا پتن" کہتے تھے۔ اسی طرح ایک دن جب آپ اس پتن پر وضو کر رہے تھے تو کسی مرید نے کہا حضرت دریا کا یہ پتن پاک نہیں۔ تو آپ نے فرمایا نہیں یہ "پاک پتن" ہے چنانچہ اُس کے بعد لوگ اُسے پاک پتن کہنے لگے۔

تاریخ پاکپتن، ص:۹۴-۹۵۔

محمد قاسم فرشتہ نے "تاریخ باب مشائخ ہند" (اُردو) ص:۴۳ پر اُسے "پٹن شیخ فرید" لکھا ہے۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے وضو کے درمیان فرمایا کیسا پاکپتن ہے۔ آئینِ اکبری کے مطابق شہنشاہ اکبر نے جب اس دربار پر حاضری دی تو اُس نے بابا فریدؒ کی مناسبت سے اجودھن کو باضابطہ سرکاری طور پر "پاک پتن" کا نام دیا۔ ۱۹۹۰ء میں اسے ضلع کا درجہ دیا گیا۔ اس ضلع کی لمبائی صرف ۱۵اکلومیٹر ہے۔ کل رقبہ ۱۸۴۳ مربع میٹر ہے۔

پاک پتن کے مشرق میں ضلع اوکاڑہ کی تحصیل دیپالپور ہے۔ مغرب میں ضلع ساہیوال کی تحصیل عارفوالہ، جنوب میں دریائے ستلج اور ضلع بہاولنگر کی تحصیل چشتیاں آباد ہے۔ اور اس کے شمال میں ضلع ساہیوال واقع ہے۔

زمین زرخیز ہے گرمیوں میں موسم گرم مرطوب اور سردیوں میں سرد خشک ہے۔ تاریخ پاکپتن، ص:۱۶۸

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۹۰۔

۲۔ حامد قلندر، خیرُ المجالس (قلمی فارسی)، ص:۵۶ ، خیرُ المجالس (اُردو)، ص:۸۲۔

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۳۳ ، سیرُ العارفین (اُردو)، ص:۴۵۔

عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار (فارسی)، ص:۵۳ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اُردو)، ص:۴۴۔

ساتھ بداعتقاد بھی تھے۔

آپ نے قصبہ سے باہر درختوں کے جھنڈ میں سب سے بڑے درخت کے نیچے مصلٰے بچھایا اور مشغول بحق ہو گئے۔ [۱]

آپ آخر عمر تک اجودھن میں قیام پذیر رہے۔ ایک روایت کے مطابق سولہ اور دوسری روایت کے مطابق چوبیس (۲۴) سال قیام فرمایا۔ [۲]

اجودھن (پاکپتن) میں کچھ عرصہ تک آپ کی عبادت و مجاہدہ میں کوئی مخل نہ ہوا۔ آپ نہایت سکون سے یادالٰہی میں مشغول رہے۔ لیکن جلد ہی آپ کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور بقول میر خورد وہ مجہول اور غیر معروف مقام آپ کے وجود مبارک سے ہندوستان اور خراسان کا قبلہ بن گیا اور تا قیامت مسکینوں اور بیچاروں کی پناہ گاہ اور حاکموں اور بادشاہوں کا ٹھکانہ بن گیا۔ [۳]

اجودھن میں آپ جامع مسجد میں بھی یادالٰہی میں مصروف رہتے اور آپ نے جامع مسجد کے قریب مکان تعمیر کروایا جہاں آپ کے اہل خانہ رہتے۔ یہاں آپ نے شادی کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد سے بھی نوازا۔ [۴]

---

۱ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (فارسی)، ص:۳۳ ، سیر العارفین (اُردو)، ص:۴۵۔
حامد قلندر، خیر المجالس (قلمی فارسی)، ص:۵۶ ، خیر المجالس (اُردو)، ص:۸۲۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند)، ص:۴۴۔

۲ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۴۳، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۶۴۷۔
شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو)، ص:۴۴۷۔

۳ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۴۳۔

۴ حامد قلندر، خیر المجالس (فارسی قلمی)، ص:۵۶، خیر المجالس (اُردو)، ص:۸۲۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (فارسی)، ص:۳۳ ، سیر العارفین (اُردو)، ص:۴۵۔
عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۶۴۷۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند) (اُردو)، ص:۴۴۔

لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آنے لگےتو آپ نے فرمایا:میرے پاس الگ الگ آیا کرو تا کہ ہر ایک کو توجہ حاصل ہو۔ [۱]

اجودھن میں قیام کے دوران ہی آپ نے اپنے بھائی نجیب الدین کو اپنی والدہ محترمہ کو کھوال سے اجودھن لانے کے لیے بھیجا۔لیکن واپسی پر اجودھن کے پاس خطرناک جنگلوں اور ریگستان میں آپ کی والدہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ [۲]

آپ کی شہرت دیکھ کر علمائے ظاہر اور اجودھن کا قاضی آپ سے حسد کرنے لگے اور ہر لمحہ آپ کو تکلیف دینے کے حربے استعمال کرنے لگے۔اُن لوگوں نے مل کر آپ کے اہل خانہ اور آپ کو پریشان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔لیکن بابا فریدؒ نے انتہائی صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا اور اپنے اہل خانہ کو بھی اس کی تلقین کی۔جب اُن لوگوں کی ہر کوشش آپ کے صبر جمیل کے سامنے ناکام ہوگئی تو انہوں نے بابا فریدؒ کے خلاف ملتان کے علماء سے یہ کہہ کر فتویٰ مانگا کہ ایک شخص جو اہل علم سے ہو مسجد میں قیام کرے، گانا سنے اور رقص کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ علماء نے جواب میں اُس شخص کا نام پوچھا جس کے بارے میں اُسے فتویٰ مطلوب تھا۔قاضی نے جواب میں بابا فرید گنج شکرؒ کا نام بتایا علماء نے نام سنا تو کہا

> تم نے ایسے درویش کا نام لیا جس کے قول وفعل پر کوئی مجتہد انگلی نہیں اُٹھا سکتا۔ [۳]

---

[۱] امیر حسن علاء سجزی،فوائد الفواد(فارسی)،ص:۶۸۔
حامد بن فضل اللہ جمالی،سیرُ العارفین(فارسی)،ص:۳۴ ، سیرُ العارفین(اُردو)،ص:۴۶۔
محمد قاسم فرشتہ،تاریخ فرشتہ(باب مشائخ ہند اُردو)،ص:۴۴۔

[۲] میر خورد کرمانی،سیرُ الاولیاء(فارسی)،ص:۹۸-۹۹۔
امیر حسن علاء سجزی،فوائد الفواد،ص:۱۲۲-۱۲۳ ، فوائد الفواد(اُردو)،مترجم،حسن نظامی دہلوی ص:۲۷۸۔

[۳] امیر حسن علاء سجزی،فوائد الفواد،ص:۹۶ ، فوائد لفواد(اُردو)،ص:۲۲۵-۲۲۶۔
حامد بن فضل اللہ جمالی،سیرُ العارفین(فارسی)،ص:۳۴ ، سیرُ العارفین(اُردو)،ص:۴۶۔
محمد قاسم فرشتہ،تاریخ فرشتہ باب مشائخ ہند،ص:۴۴۔

لیکن اس کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور اُس نے آپ پر قاتلانہ حملہ کروانے کا انتظام کیا۔ یہ واقعہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے سامنے پیش آیا۔ جس میں ایک شخص اُس وقت جب آپ سر سجدے میں رکھے مشغول بحق تھے آیا لیکن بابا فرید گنج شکرؒ نے سر اُٹھائے بغیر اُس کا حلیہ خواجہ نظام الدینؒ کو بیان کر دیا۔ اور بغل میں موجود چھری کی بھی نشاندہی کر دی اور وہ شخص خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا۔ [۱]

اسی طرح اجودھن کے حاکم نے بھی آپ اور آپ کے اہل خانہ کو مسلسل تنگ کر رکھا تھا۔ ایک جادوگر شہاب کے لڑکے نے آپ پر جادو کر دیا۔ جس سے آپ سخت بیمار پڑ گئے لیکن اللہ کے کرم سے اللہ نے آپ کے فرزند کو خواب کے ذریعے اس کا توڑ بتایا جس سے آپ صحت یاب ہو گئے۔ [۲]

جب اُن لوگوں کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھیں تو آپ کے اہل خانہ نے تنگ آ کر آپ سے شکایت کی آپ نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ تم عنقریب دشمنوں سے نجات پاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا قاضی اجودھن اور حاکم اجودھن دونوں اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ [۳] اور دوسرے لوگ آپ کے مطیع

ہو گئے۔ اہل اجودھن جو بدمزاج اور بداعتقاد لوگ تھے آپ کی تعلیمات اور اخلاق کی بدولت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے آپ کی خانقاہ ایک روحانی یونیورسٹی بن گئی۔ آپ کی بدولت (اجودھن) پاک پتن بن گیا۔ اور دُنیا بھر کے لوگوں کے لئے زیارت گاہ اور سکون کا باعث بن گیا۔

---

[۱] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص:۱۵۳۔ فوائد الفواد (اُردو)، ص:۳۱۳۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۳۵۔ سیرُ العارفین (اُردو)، ص:۴۷۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند) اُردو، ص:۴۵۔

[۲] خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص:۴۷ میں آپ کے فرزند کا نام بدرالدین سلیمان تحریر ہے۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (فارسی)، ص:۳۹ ، سیرُ العارفین (اُردو)، ص:۵۳-۵۴۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۷۸۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ہذا اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند)، ص: ۴۹-۵۰۔

۳؎ قاضی اجودھن (جس کا نام ابوالفضل عبداللہ تھا) منبر پر آپ کے خلاف زہر اُگل رہا تھا کہ اُسے فالج ہو گیا۔ اُس نے بابا فریدؒ کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی لوگ اُسے لے گئے بابا فریدؒ نے قرآن حکیم سے فال لی اور اُس کے مطابق اُسے واپس بھیج دیا وہ راستے ہی میں مر گیا۔

سیرُ اولیاء (فارسی)، ص: ۹۴-۹۵۔

حاکم اجودھن کی شکایت جب آپ کے فرزندوں نے کی تو آپ نے عصا سے ایسے اشارہ کیا جیسے کسی کو ہٹایا جاتا ہے۔ ادھر حاکم دردِ شکم سے تڑپ اُٹھا۔ لوگ اُسے آپ کے دروازے پر لے آئے۔ آپ نے فرمایا تیر نشانہ پر پہنچ گیا۔ واپس لے جاؤ۔ وہ گھر پہنچا تو مر گیا۔

حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص: ۱۲۷۔

حامد قلندر، خیرُ المجالس (اُردو)، ص: ۱۸۰۔

باب سوم:

عائلی زندگی

فصل اول: بابا فرید گنج شکرؒ کا گھر اور کنبہ

فصل دوم: بابا فرید گنج شکرؒ کا بستر، لباس، خوراک اور معمولات

باب سوم:

عائلی زندگی

بابا فرید الدین گنج شکرؒ صاحب شریعت وطریقت تھے۔انہوں نے اپنی ساری زندگی عملی طور پر اتباع نبویؐ میں گزاری۔شادیاں بھی کیں۔اوراُن کی ذمہ داریاں بھی سنبھالیں۔اُن کی زندگی سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔اگرچہ شاہان وقت نے آپ کی خدمت میں جاگیریں پیش کیں لیکن آپ نے انہیں ٹھکرادیا۔کثیرالعیال ہونے کے باوجود صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا۔

فصل اول:

بابا فرید گنج شکرؒ کا گھر اور کنبہ

بابا فریدؒ کا گھر بھی سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ جامع مسجد کے قریب کچا مکان آپ کا گھر تھا۔ [1] یہ مکان مٹی اور گارے کی چھپر نما عمارت تھی آپ کے عقیدت مندوں نے اس مکان کو پکی اینٹوں کے ساتھ دوبارہ تعمیر کی اجازت چاہی لیکن آپ نے اس کی اجازت نہ دی۔

بابا فریدؒ کی ازواج کے بارے میں تذکرہ نویسوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض متعدد بیویاں اور بعض تین یا چار بتاتے ہیں۔ صاحب جواھر فریدی آپ کی ازواج کی تعداد چار بتاتے ہیں جن میں (۱) بی بی ہزیرہ بانو دختر سلطان غیاث الدین بلبن (۲) ام کلثوم (بیوہ) (۳) بی بی شارو (لونڈی) (۴) بی بی شکرو (لونڈی)۔ [2]

میر خورد کرمانی شیخ نصیر الدینؒ کی زبانی سلطان المشائخؒ سے روایت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ۔

> شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز را حرم بسیار بود۔۔۔ [3]

یعنی شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی کئی حرم (بیویاں) تھیں۔

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (فارسی)، ص: ۳۳۔

[2] علی اصغر چشتی، جواہر فریدی، ص: ۲۱۵-۲۱۸، بحوالہ انوار الفرید، ص: ۳۱۵۔

صاحب جواہر فریدی نے بی بی ہزیرہ بانو کی شادی اور سلطان بلبن کی صاحبزادی ہونے کی جو روایت بیان کی ہے اس سے قبل کسی تذکرہ میں نہیں نہ ہی کسی مؤرخ مثلاً ضیاء الدین برنی وغیرہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ نہ ہی کسی اولیں مستند ماخذ سے آپ کا امراء و سلاطین سے رشتہ داری یا تعلق ثابت ہوا۔ بلکہ آپ چشتی روایات کے مطابق اُن سے دور رہتے تھے۔ اس لئے یہ روایت مستند نہیں ہے۔

[3] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۷۶

شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ خیرُ المجالس میں بیان کرتے ہیں کہ

دو حرم بود یا سہ حرم بود [1]

یعنی دو یا تین بیویاں تھیں۔

اکثریت کی رائے میں بابا فریدؒ کی تین بیویاں تھیں۔جن سے آپ کی اولاد تھی۔آپ کے اہل خانہ آپ کے فقر و فاقہ میں برابر کے شریک ہوتے۔خاص طور پر آخری ایام میں کنبہ اکثر فاقے سے ہوتا۔بقول میر خورد کرمانی آپ کی ایک حرم کا خادم عرض کرتا کہ آج حضور کے فلاں فرزند پر ایک فاقہ گزر گیا یا فلاں صاحبزادی پر دو فاقے گزر گئے۔یا فلاں بچہ بھوک کی وجہ معرض ہلاکت میں ہے۔لیکن آپ استغراق کی حالت میں ہوتے اور التفات نہ کرتے۔ [2]

خیرُ المجالس میں ہے کہ دائی آ کر عرض کرتی کہ آج مخدوم زادہ پیدا ہوا ہے اور فاقہ ہے اور فلاں بیوی کے ہاں تین دن سے فاقہ ہے۔ [3]

شیخ نصیرالدینؒ بیان کرتے ہیں کہ سب اطلاعات (بابا فریدؒ کے لئے) ہوا کے جھونکے کی طرح ہوتیں ایک کان سے آئیں اور دوسرے کان سے نکل گئیں۔ [4]

ان واقعات کا مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اپنے فرائض سے غفلت برتتے تھے بلکہ آپ نے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو ہمیشہ بخوبی نبھایا۔ان واقعات سے آپ کا عالم استغراق اور محویت ظاہر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ صبر و شکر اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص:٥٦۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:٧٦۔
عبدالرحمٰن چشتی، مرأۃ الاسرار (اُردو)، ص:٦٤٧۔

[3] حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص:٥٦۔

[4] حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص:٥٦۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی قلمی)، ص:٧٦۔

اور یہ کہ آزمائش کی گھڑی میں بھی ثابت قدم، ہو کر اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اولاد کی محبت اور اہل خانہ کی ذمہ داریاں بھی آپ کے مشغول بحق ہونے میں آڑے نہ آسکیں ۔ ورنہ آپ کی اولاد امجاد اور خلفاء و مریدین کی تربیت اس بات کی گواہ ہے کہ آپ اُن سے غافل نہ تھے۔

فوائد الفواد میں آپ کے استغراق و محویت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں آپ کے بیٹے نظام الدینؒ کا سلام پہنچایا تو آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے بیٹے کو بھی نہ پہچان سکے اور اُس شخص سے استفسار کرتے رہے کہ کس کے سلام کی بات کر رہے ہو؟ آخر اُس شخص نے بڑی مشکل سے سمجھایا کہ آپ کے بیٹے نے یہ سلام کہا ہے۔ [۱]

اولادِ امجاد:

سیرُ الاولیاء کا بیان ہے کہ شیخ شیوخ العالم فریدُ الدینؒ کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں اور آپ کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں کثرت سے ہیں۔ [۲]

مرآۃ الاسرار اور روضۃُ الاقطاب کا بھی یہی بیان ہے۔

لیکن بعض تذکرے آپ کے چھ بیٹے بیان کرتے ہیں۔

آپ کی اولاد امجاد کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ خواجہ نصیرُ الدین نصر اللہؒ ۔۔۔ ۲۔ خواجہ شہابُ الدینؒ گنج علم

۳۔ شیخ بدر الدین سلیمانؒ ۔۔۔ ۴۔ شیخ نظام الدینؒ

۱۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۲۲۳۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۹۵-۱۹۶، عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص: ۷۷۲۔ محمد بلاق چشتی، روضۃُ الاقطاب (اُردو)، ص: ۵۹۔ شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو) ص: ۴۸۸۔ محمد حسین چشتی پاکپتنی، (معروف بہ وقائع فریدی)، مطبع محمدی، لاہور، ص: ۶۸-۶۹۔

۵۔ شیخ یعقوبؒ [1] ۶۔ بی بی مستورہؒ

۷۔ بی بی شریفہؒ

۸۔ بی بی فاطمہؒ

چھٹے بیٹے کا نام شیخ عبداللہؒ بتایا جاتا ہے۔ [2]

۱۔ خواجہ نصیر الدین نصر اللہؒ:

خواجہ نصیر الدین نصر اللہؒ بابا فرید گنج شکرؒ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔صاحب جواھر فریدی کا بیان ہے کہ آپ بابا فریدؒ کے متبنّٰی تھے۔اور یہ کہ آپ بابا فریدؒ کی (بیوہ) زوجہ محترمہ ام کلثوم کے پہلے خاوند کی اولاد تھے۔اور آپ کو بابا فریدؒ نے اپنے بیٹے کی طرح پالا لیکن جواہر فریدی کے مؤلف کا یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ جواہر فریدی سے پہلے سیرُ الاولیاء،اخبارُ الاخیار،اذکارابرار اور عروۃ الوثقیٰ جیسی معتبر کتابوں میں واضح طور پر آپ کو بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کا بڑا صاحبزادہ تحریر کیا ہے۔

سیرُ الاولیاء کا بیان ہے۔

> ''آں شیخ زادۂ معظم آں فخر بنی آدم کہ از ہمہ پسران شیخ شیوخ العالم مہتر بود خواجہ نصیر الدین نصرُ اللہ۔۔۔'' [3]

> شیخ زادہ معظم فخر بنی آدم خواجہ نصیر الدین نصرُ اللہ شیخ شیوخ العالم کے تمام بیٹوں میں بڑے تھے۔

---

[1] جواہر فریدی (قلمی) میں آپ کا نام صدرُ الدین درج ہے گمان یہ ہے کہ یعقوب آپ کا لقب ہے۔
پیر اجمل چشتی،تاج العارفین،اشاعت دوم،مرکز تعلیمات فریدیہ،چشتیاں شریف ۲۰۰۱ء،ص:۴۲۔

[2] پیر اجمل چشتی،تاج العارفین،مرکز تعلیمات فریدیہ،چشتیاں شریف،۲۰۰۱ء،ص:۴۲۔
تاج العارفین میں تحریر ہے کہ آپ کا وصال اوائل عمری میں ہو گیا تھا اور مزار شریف پاکپتن میں ہے۔
مناقب المحبوبین (فارسی)،ص:۳۱۔میں مرآۃ الاسرار کے حوالے سے چھٹے بیٹے عبداللہ بیابانی پسر صلبی نہیں تھے۔لکھا ہے۔

[3] میر خورد کرمانی،سیرُ الاولیاء (فارسی)،ص:۱۹۶۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "اخبارُالاخبار" میں یوں رقمطراز ہیں۔

"پسر بزرگ شیخ فریدُ الدین بود"[1]

خواجہ نصیرالدینؒ متقی درویش تھے۔کھیتی باڑی کر کے گزارہ کرتے تھے میر خورد لکھتے ہیں کہ

خواجہ نصیر الدین نصر اللہ کہ باوصاف سنیہ واخلاق مرضیہ موصوف بود روزگار بعبادت باری تعالیٰ و بزراعت و حراثت کہ لقمہ حلال است گزرانیدہ و خدائے تعالیٰ را ورخلا وملا طاعت کرد۔[2]

یعنی خواجہ نصیرالدین نصر اللہ اوصاف حمیدہ واخلاق پسندیدہ میں مشہور تھے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے اور کھیتی باڑی کے ذریعے جو لقمہ حلال ہے گزران کرتے اور خلوت وجلوت میں اطاعت الٰہی میں رہتے۔

شیخ محی الدین دامق بلگرامی نے اپنی کتاب عروہ الوثقیٰ میں خواجہ نصیرالدین نصر اللہ کے چھ بیٹے تحریر کئے ہیں۔

جن کے نام ۱۔ شیخ عبدالرشیدؒ ۲۔ شیخ بایزیدؒ ۳۔ شیخ نعمت اللہؒ ۴۔ شیخ کریم الدینؒ ۵۔ شیخ ابراہیمؒ۔ ۶۔ شیخ عبداللہؒ

آپ کے فرزند شیخ بایزیدؒ کے بیٹے شیخ کمالُ الدینؒ خواجہ نظام الدینؒ کے چہیتے مرید اور خلیفہ تھے۔خواجہ نظام الدینؒ نے آپ کو مالوہ جانے کا حکم دیا اور وہاں آپ نے سلسلہ چشتیہ کی اشاعت وتبلیغ کی۔آپ کا مزار دھار میں ہے جہاں سلطان محمود خلجی نے ایک خوبصورت مقبرہ بنوایا۔

۲۔ خواجہ شہاب الدینؒ:

خواجہ شہاب الدینؒ آپ کے دوسرے فرزند ارجمند تھے۔آپ کا لقب گنج علم ہے آپ نہایت عالم فاضل تھے۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبارُ الاخیار (فارسی)، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ص:۶۹، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص:۱۰۰

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۹۶۔

میر خورد کرمانی نے آپ کا ذکر اس طرح شروع کیا

آں بحرِ علم آں کانِ حلم آں بتقوے آراستہ و بورع پیراستہ [۱]

وہ علم کا سمندر اور حلم کا پہاڑ جو تقوی سے آراستہ اور پرہیز گاری سے پیراستہ تھے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور خواجہ شہاب الدینؒ میں بہت محبت تھی۔ جسے خواجہ نظام الدینؒ خود بیان کرتے تھے۔ [۲]

جب ایک مرتبہ بابا فریدؒ خواجہ نظام الدینؒ سے کسی بات پر ناراض ہو گئے تو خواجہ شہابُ الدینؒ نے آپ کی سفارش کی جس پر بابا فریدؒ نے خواجہ نظام الدینؒ کو معاف فرما دیا۔ [۳]

خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ جس دن شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب ''عوارف المعارف'' آپ کی خدمت میں پیش کی گئی اُسی دن خواجہ شہابُ الدینؒ بابا فریدؒ کے گھر پیدا ہوئے اور اُن کے نام پر آپ کا نام رکھا گیا۔ [۴]

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُالاولیاء (فارسی)، ص:۱۹۶۔

۲۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، مطبوعہ چرنجی لال، دہلی، ص:۲۷۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (اُردو)، ص:۱۶۲۔

شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو)، ص:۴۸۹۔

عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۷۷۲۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۹۶۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، اخبارُ الاخیار (فارسی)، ص:۷۰ ، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص:۱۵۵۔

۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۹۶-۱۹۷۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص:۷۵ ، فوائد الفواد (اُردو)، ص:۱۶۱-۱۶۲۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، اخبارُ الاخیار (فارسی)، ص:۷۰ ، اخبار الاخیار (اُردو) ص:۱۵۵۔

۴۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۷۵۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (اُردو) ص:۲۴۰۔

خواجہ شہابُ الدینؒ اکثر بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ صاحب مطلوب الطالبین کا بیان ہے "شیخ شہاب الدین لشکر پیشہ بود" اور صاحب اقتباس الانوار نے بھی آپ کا پیشہ سپاہ گری بیان کیا ہے لیکن اس کا ذکر قدیم ماخذوں میں نہیں ہے۔ [۱]

شیخ محمد اکرم نے اقتباسُ الانوار میں تحریر کیا ہے کہ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ [۲]

عروۃُ الوثقی اور جواہر فریدی نے چھ بیٹے روایت کیے ہیں۔ جن کی اولاد، چاندواڑہ، دہلی، جونپور، فتح پور، سرسہ، رہتاس گڑھ، ٹانڈہ، بنگال، بہار اور پھلواڑی میں آباد ہوگئی۔

آپ کا مزار حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے روضہ سے متصل غربی جانب ہے۔

شیخ بدرالدین سلیمانؒ:

آپ بابا فرید گنج شکرؒ کے تیسرے فرزند ارجمند تھے۔ آپ اپنے والد محترم بابا فریدؒ کے وصال کے بعد اپنے بھائیوں اور سب مریدوں و اہل ارادت کے متفقہ فیصلے کے ساتھ سجادہ نشین منتخب ہوئے۔ [۳]

آپ ایک عالم، متقی اور مشائخ کبار کے اوصاف سے مزین تھے۔

۱۔ محمد بلاق چشتی، مطلوب الطالبین (مخطوطہ)، ص: ۱۰۰-۱۰۱ بحوالہ خلیق نظامی، دی لائف اینڈ ٹائمز گنج شکرؒ، ص: ۶۰۔
شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اردو)، ص: ۴۸۹۔

۲۔ شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو)، ص: ۴۸۹۔

۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۹۸۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبارُ الاخیار (فارسی)، ص: ۷۰۔
عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص: ۶۷۷۔
محمد بلاق چشتی، روضۃ الاقطاب (اُردو)، مطبع محب ہند فیض، دہلی، ص: ۵۹۔
شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو) ص: ۴۸۹۔

بابا فرید گنج شکرؒ نے آپ کو خاندان چشت کے بزرگوں سے بچپن میں بیعت کروایا تھا۔ [۱]

شیخ بدرالدین سلیمانؒ، شیخ فرید گنج شکرؒ کے مزار کے اندر مدفون ہیں۔ [۲] شیخ بدرالدین سلیمانؒ محلوق نہ تھے۔ [۳]

شیخ بدرالدینؒ کی وفات کے بعد آپ کے (۱۶) سولہ سالہ فرزند شیخ علاء الدینؒ (موج دریا) سجادہ نشین ہوئے اور ۵۴ سال تک سجادہ نشینی کے فرائض نبھاتے رہے۔ [۴]

رسالہ گلزار ابرار (اذکار ابرار) میں لکھا کہ ساٹھ برس تک ہدایت فرمائی۔ [۵]

۱۔ چشت میں سجادہ نشین کا مسئلہ پیدا ہو گیا کیونکہ سجادہ نشین کے وصال کے بعد اُن کے بیٹے قطب الدین کم سن تھے اور اُن کے چچا خواجہ علی چشتیؒ بلبن کے عہد میں دہلی آئے تھے۔ خواجہ علی چشتی کو دہلی سے لانے کے لئے چشت سے دو چشتی بزرگ صاحب نعمت خلیفہ خواجہ زورؒ اور خواجہ غورؒ دہلی آئے لیکن بلبن نے بصد اصرار خواجہ علی چشتیؒ کو روک لیا۔ اس سفر میں خاندان چشت کے خلیفہ یہ دونوں بزرگ اجودھن بھی گئے اور شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے ملاقات کی آپ بہت خوش ہوئے اور اپنے دونوں بیٹوں خواجہ شہاب الدینؒ اور خواجہ بدرالدین سلیمانؒ کو اُن دونوں بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت کروایا اور کلاہ ارادت پہنوایا۔

میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۹۸-۱۹۹، عبدالحق دہلوی، اخبار الاخیار، ص: ۷۰، اخبار الاخیار (اُردو) ص: ۱۵۷ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص: ۷۷۲ ، شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو)، ص: ۴۸۹-۴۹۰۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۹۹، محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو)، ص: ۴۹۰، مرآۃ الاسرار، ص: ۷۷۳

۳۔ جو لوگ بیعت ہو کر سر منڈا لیتے ہیں محلوق کہلاتے ہیں۔ جیسے برعظیم پاک و ہند میں چشتی سلسلہ میں مرید کرتے وقت ایسا ہوتا تھا۔ لیکن بزرگان چشت اس کے برعکس زلفیں رکھتے اور مانگ نکالتے تھے کیونکہ بدرالدین سلیمانؒ خلفاءِ چشت سے بیعت رکھتے تھے اس لئے اُن کے طریقہ کے مطابق مانگ نکالتے تھے۔

میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۹۸۔

۴۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۲۰۳، عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص: ۹۵۔

۵۔ محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار (اُردو ترجمہ اذکار ابرار)، مترجم فضل احمد جیوری، سن تصنیف ۱۰۱۴ھ، اشاعت جدید، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۳۹۵ھ، ص: ۲۲۸۔

شیخ علاؤالدینؒ کی روحانی عظمت کی شہرت آپ کی زندگی میں ہی چاروں طرف پھیل گئی۔ آپ عظیم المرتبت مشائخ میں سے تھے۔

میر خورد کرمانی، امیر خسرو، ضیاءالدین برنی اور دوسرے لوگوں نے آپ کی نفس کشی، عبادت، زہدؐ تقوی اور ریاضت کی تعریف کی۔ آپ مسلسل روزے رکھتے صرف عیدین کے دو ایام تشریق کے تین چھوڑتے باقی دنوں روزے سے رہتے۔ [1]

آپ کے قدم جامع مسجد کے علاوہ کہیں نہیں گئے۔ آپ اپنے مقام سے کبھی نہیں ہلتے تھے۔ آپ بہت سخی اور فیاض تھے۔ مخلوق کی کثیر تعداد آپ کی سخاوت وفیاضی سے استفادہ کرتی۔ جب کوئی آپ سے بیعت ہونا چاہتا تو آپ فرماتے کہ اسے بابا فریدؒ کے مزار پر لے جاؤ اور درویشانہ ٹوپی پہناؤ۔ [2]

اگر کوئی شخص کسی کے ظلم سے بچ کر آپ کے ہاں پناہ لیتا تو بادشاہ وقت بھی اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکتا۔ سلطان محمد تغلق آپ کے تقویٰ سے اتنا متاثر ہوا کہ آپ کا مرید ہو گیا۔ [3]

آپ کا مزار بابا فریدؒ کے مزار کے قریب ہے جس پر سلطان محمد تغلق نے شاندار مقبرہ تعمیر کروایا۔ [4]

آپ کے دو فرزند ارجمند تھے۔ ایک شیخ معز الدینؒ اور دوسرے شیخ علم الدینؒ۔ شیخ معز الدینؒ اپنے والد کے جانشین مقرر ہوئے محمد بن تغلق نے آپ کو پہلے دہلی پھر گجرات بھیجا جہاں آپ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ [5]

---

۱ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۲۰۴۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُالاولیاء (فارسی)، ص:۲۰۴۔

۳ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۲۰۶۔

۴ میر خورد کرمانی، سیرُالاولیاء، ص:۲۰۶۔

۵ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۲۰۶۔

سلطان محمد تغلق نے شیخ علم الدینؒ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور آپ اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہیں۔

شیخ نظامُ الدینؒ:

شیخ نظام الدینؒ بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کے سب سے چہیتے اور لاڈلے فرزند تھے۔ آپ غیاث الدین بلبن کی فوج میں کام کرتے تھے۔ آپ بہت زیادہ بہادر تھے۔ صاحب سیرُ الاولیاء نے آپ کو شجاعت میں ''حیدرِ ثانی'' لکھا ہے۔ [1]

بابا فرید گنج شکرؒ آپ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ آپ کی کسی بات کا بُرا نہیں مناتے تھے۔ آپ صاحب فراست تھے۔ بابا فریدؒ کے وصال کے وقت آپ موجود نہ تھے اور آپ کو خواب میں اشارہ ہوا تو آپ اجودھن پہنچے آپ کے ہی مشورے سے جو آپ کی کمال فراست کی مثال ہے بابا فریدؒ کا مدفن موجودہ جگہ قرار پائی۔

بابا فرید گنج شکرؒ کے وصال کے بعد اجودھن پر کفار کے حملے میں آپ جوان مردی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور بعد میں تلاش کے باوجود آپ کی نعش مبارک نہیں ملی۔ [2]

عبدالرحمٰن چشتی نے مرآۃ الاسرار میں روایت کیا ہے کہ آپ قلعہ رتھمبور کے دروازے پر شہید ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ [3]

شیخ نظامُ الدینؒ کے صرف ایک بیٹے تھے جن کا اسم گرامی شیخ ابراہیمؒ تھا۔ اور اُن کی شادی میر خورد کی چچا زاد بہن سے ہوئی۔ جن سے اُن کے صاحبزادے شیخ عزیز الدینؒ تولد ہوئے۔ شیخ عزیز الدینؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے۔ اور نہایت متقی اور پرہیز گار تھے۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۲۰۰۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۲۰۰، محمد بلاق چشتی، روضۃُ الاقطاب (اُردو)، ص:۵۹۔

[3] عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۷۷۴، محمد بلاق چشتی، روضۃُ الاقطاب، ص:۵۹۔

خواجہ یعقوبؒ:

خواجہ یعقوبؒ بابا فریدؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے آپ اکثر سفر میں رہتے جود و سخاوت میں مشہور تھے۔اہل ملامت کے طریق پر تھے۔[1] اور لوگوں پر کچھ اور ظاہر کرتے مستجابُ الدعا تھے۔[2]

سید محمد کرمانی اکثر اُن کے ساتھ رہتے۔بقول میر خورد بروایت سید محمد کرمانی ایک دفعہ وہ قصبہ امروہہ کے قریب پہنچے تو راستے میں مردانِ غریب نے خواجہ یعقوب کو اُٹھالیا۔[3]

آپ کے دو صاحبزادے خواجہ عزیز الدینؒ اور خواجہ قاضیؒ تھے۔ یہ دونوں بزرگ خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ کے مرید تھے۔

۱؎ اہل ملامت یا ملامتیہ صوفیاء کا وہ گروہ ہے جو اپنے اعمال صالحہ کو چھپاتے اور بُرائیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔یعنی جس طرح گناہ گار گناہ کے ظاہر ہونے سے ڈرتا ہے۔یہ لوگ نیکی ظاہر ہونے سے ڈرتے ہیں۔سارے اعمال صالحہ در پردہ کرتے ہیں۔ نفحات الانس میں ہے۔

اَلْمَلَامَتِیُّ هُوَ الَّذِی لَا یُظْهِرُ خَیْراً وَلَا یُضْمِرُ شَراً

یعنی ملامتی وہ ہے جو نیکی کو ظاہر نہ کرے اور برائی کو چھپائے نہ۔

۲؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۲۰۰۔آپ کی دعائیں قبول ہوتیں ایک مرتبہ قصبہ اودھ کے خان کے درد شکم کا آرام صرف آپ کی دُعا سے ہوا اور نہ اُس سے پہلے وہ تمام حیلے کر چکا تھا مگر فرق نہ پڑا بلکہ مرنے کے قریب ہو گیا لیکن آپ کی دُعا سے جلد اچھا ہو گیا۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۲۰۰-۲۰۱۔

۳؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۲۰۱۔

عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص:۱۵۸۔

عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃُ الاسرار (اُردو)، ص:۷۷۴۔

محمد بلاق چشتی، روضۃُ الاقطاب (اُردو)، ص:۵۹۔

بی بی مستورہؒ:

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ جن میں بی بی مستورہ سب سے بڑی تھیں۔ آپ نہایت عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے شیخ عزیز الدین صوفیؒ اور خواجہ کبیرؒ الدینؒ۔ دونوں نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں زندگی بسر کی۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ آپ دونوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ خواجہ نظامؒ الدین اولیاءؒ، مولانا وجیہہ الدین پائلیؒ سے اس بات پر ناراض ہوئے کہ وہ مخدوم زادہ عزیز الدینؒ کے مقابلے میں اونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔ [1]

خواجہ عزیز الدینؒ قاضی محمد الدین کا شانیؒ کے شاگرد تھے۔ جو خواجہ نظام الدینؒ کے مشہور مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ خوش خطی اور باریک کتابت میں بے نظیر تھے آپ نے سلطان المشائخ کے ملفوظات پر ایک کتاب مرتب کی جس کا نام ''تحفۃ الابرار فی کرامت الاخیار'' تھا۔ [2] یہ کتاب اب ناپید ہے۔

شیخ کبیرؒ الدینؒ بی بی مستورہؒ کے چھوٹے بیٹے تھے۔ جن کے بارے میں خواجہ نظام الدینؒ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی زہد و تقویٰ صوفی ہے تو وہ مخدوم زادہ کبیر الدینؒ ہے۔ [3]

بی بی شریفہؒ:

آپ بابا فریدؒ کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ آپ نوعمری میں بیوہ ہوگئیں۔ پھر آخری دم تک دوسری شادی نہ کی۔ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتیں۔

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۲۱۲۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۲۱۲۔

۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (اُردو)، ص:۳۰۱۔

شیخ فرید گنج شکرؒ فرماتے تھے کہ

اگر عورات را خلافت و سجادہ مشائخ دادن روا بودے من بی بی شریفہ رامیدادم ولو کان النساء کمثل ھذا الفضیلت النساء علی الرجال۔ [1]

یعنی اگر مشائخ کا سجادہ وخلافت عورتوں کو دینا جائز ہوتا تو میں بی بی شریفہ کو دیتا۔اور اگر عورتیں اس جیسی ہوں تو ضرور(وہ) عورتیں مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔

صاحب اقتباسُ الانوار بحوالہ اخبارُ الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ کا عقد نکاح شاید حضرت خواجہ علی احمد صابر کلیریؒ سے ہوا تھا۔ [2]

بی بی فاطمہؒ:

آپ بابا فرید گنج شکرؒ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں آپ کی شادی بابا فریدؒ کے خلیفہ مولانا بدرالدین اسحاق سے ہوئی۔بدرالدین اسحاقؒ نے اجودھن میں انتقال فرمایا تو اُس وقت آپ کے فرزند چھوٹے تھے۔خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو ان مخدوم زادوں سے بھی بہت محبت تھی کیونکہ آپ کو بدرالدین اسحاقؒ سے بہت اُنس تھا۔بی بی فاطمہ کے دو بیٹے تھے خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ۔

بی بی فاطمہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد تنگدستی میں رہتی تھیں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے سید محمد کرمانی کے مشورے سے اُنہیں دہلی بلالیا تاکہ اُن کی مدد کرسکیں۔انہوں نے دونوں بچوں کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔لوگوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ خواجہ نظام الدین اولیاءآپ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں

---

[1] میر خورد کرمانی،سیرُ الاولیاء)(فارسی)ص:۲۰۱ ، عبدالرحمٰن چشتی،مرآۃ الاسرار،ص:۴۷۷۔
شیخ محمد اکرم،اقتباس الانوار،ص:۴۹۲۔

[2] شیخ محمد اکرم،اقتباسُ الانوار(اردو)،ص:۴۹۲۔

تو آپ کو بہت دکھ ہوا اور آپ اجودھن بابا صاحبؒ کے مزار پر حاضری دینے چلے گئے۔ اجودھن سے آپ کی واپسی سے تین دن پہلے بی بی فاطمہؒ کا وصال ہو گیا۔ [1]

خواجہ محمد امامؒ کو آپ نے خلافت بھی عطا کی اور آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کی حیات مبارک میں لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ [2]

بی بی فاطمہ شیخ نجیب الدین متوکل کے روضہ مبارک میں مندہ دروازے کے باہر مدفون ہیں۔ [3]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۲۰۱-۲۰۲۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۲۱۰۔

[3] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص: ۲۰۳۔

فصل دوم:

بابا فرید گنج شکرؒ کا بستر، لباس، خوراک اور معمولات

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کا لباس ہمیشہ سادہ اور پیوند لگا ہوتا تھا۔ آپ نے زندگی کا مقصد اچھا کھانا اور اچھا پہننا نہیں بنایا تھا۔ بلکہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ عشق الٰہی میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا

حیات آں ست کہ درویش بذکرِ حق مشغول باشد [۱]

یعنی زندگی وہ ہے کہ درویش ذکر حق میں مشغول رہے۔

اُن کا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے تھا۔ نمود و نمائش سے وہ دور بھاگتے تھے۔

بڑی سے بڑی علمی مجلسوں میں گئے تب بھی اور جب کوئی بزرگ ملاقات کرے یا بادشاہ تب بھی آپ کا لباس مبارک اور ظاہر و باطن ہمیشہ ایک سا رہا۔ معتبر کتب سیرَ اور ملفوظات اس بات کے گواہ ہیں۔ مثلاً جب کھتوال (کوٹھے وال) میں جلالُ الدین تبریزیؒ نے آپ سے ملاقات کی اور آپ (جلالُ الدین تبریزیؒ) افطار نوش کر رہے تھے بابا فریدؒ کیونکہ روزے سے تھے اس لئے شریک نہ ہو سکے۔ ایک دانہ اتفاقاً گرا ہوا ملا آپ نے جس سے روزہ افطار کیا تو آپ کے دل میں روشنی پیدا ہوئی جس پر آپ کو افسوس ہوا کہ میں نے زیادہ کیوں نہیں کھایا۔ اس ملاقات میں گفتگو کے دوران بابا فریدؒ اپنے تہ بند کو جو جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ بار بار اُس پھٹے ہوئے حصے کو ڈھانپنے کی کوشش کرتے رہے۔ جلال الدین تبریزیؒ نے یہ محسوس کرتے ہوئے بخارا میں زیر تعلیم درویش کی حالت کے بارے میں بتایا اور انہیں تسلی دی۔ اُس درویش سے مراد خود اُن کی اپنی ذات تھی۔ [۲]

اسی طرح ہانسی میں جب مولانا نور علی ترک کا وعظ سننے گئے تو آپ کے کپڑے پھٹے پرانے اور

۱۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۲۰۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۷۲-۷۳۔

خستہ تھے حتی کہ آپ کی ظاہری حالت دیکھ کر کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ جس کی تعریف مولانا نور علی ترک کررہے ہیں وہ آپ کی ذات مبارک ہے۔ بقول میر خورد کرمانی

جامہ ہائے شیخ شیوخ العالم رنگیں وپارہ بود [۱]

یعنی شیخ شیوخ العالم کا لباس پھٹا ہوا اور پُرانا تھا۔

فوائد الفواد میں بھی آپ کی زبانی اس کا ذکر ہے کہ جب آپ مولانا نور علی ترک کا وعظ سننے گئے تو آپ فرماتے ہیں کہ

من جامئہ رنگیں داشتم وپارہ پارہ بود [۲]

یعنی اُس وقت میرے کپڑے پرانے اور پھٹے ہوئے تھے۔

دہلی میں آپ شیخ بدرالدین غزنویؒ کے وعظ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ بدرالدین غزنویؒ نے برسر منبر آپ کی تعریف کی لیکن حاضرین مجلس آپ کی ظاہری حالت کی وجہ سے آپ کو نہیں پہچان سکے کیونکہ حسب معمول آپ کا لباس پھٹا پُرانا اور ساتھ میلا بھی تھا۔

وعظ ختم ہونے کے بعد جب آپ باہر تشریف لائے تو ایک شخص نے آپ کو نیا کُرتہ دیا۔ آپ نے اپنا پُرانا کرتہ اتار کر نیا پہنا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد نیا کرتہ اتار کر شیخ نجیبُ الدین متوکلؒ کو دے دیا اور فرمایا

من ذوقے کہ درآنجامئہ پارہ داشتم دریںجامئہ نونیا فتم [۳]

یعنی جو ذوق (فرحت) اس پھٹے پرانے کُرتے میں پاتا ہوں وہ اس نئے کُرتے میں نہیں پاتا۔

اجودھن (پاکپتن) میں بھی تا وصال آپ کے لباس و معمولات میں سادگی ہی رہی۔

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۷۲۔

۲۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۹۹۔

۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۷۲۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، مترجم مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل ص:۱۱۷

آپ کا قول ہے۔

اِنَّ اَرْذَلَ النَّاسِ مَنِ اشْتَغَلَ بِالْاَکْلِ وَالِلّبَاسِ ۔ [1]

لوگوں میں رذیل ترین وہ ہے جو کھانے پینے اور لباس کے تردّد میں مشغول رہے۔

سید محمد حسینی گیسودرازؒ فرماتے ہیں کہ بابا فریدؒ کے پاس کل چار جوڑے لباس کے تھے ایک آپ پہنے ہوتے دوسرا دھونے والے کے پاس ہوتا اور تیسرا ضرورت مند کو دینے کے لئے اور چوتھا فوری ضرورت میں وقت پر نماز ادا کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ [2]

آپ کے لباس میں شلوار کرتہ، پگڑی اور کلاہ چہارتر کی تھا۔ شلوار کی جگہ کبھی تہ بند بھی استعمال کرتے تھے۔

سیرُ الاولیاء سے بابا فریدؒ کا شلوار پہننا اور کبھی ایک چادر باندھنا اور ایک چادر اوڑھنا بھی ثابت ہے۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۸۶۔
[2] سید محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم (ملفوظات سید محمد حسینی گیسودرازؒ)، انتظامی پریس، حیدرآباد، ص:۱۵۱۔

بابا فریدؒ کا بستر:

بابا فریدؒ بستر صرف ایک گلیم یعنی ایک کمبل تھا جس پر آپ دن کو بیٹھا کرتے اور رات کو وہی چارپائی پر بچھا لیتے وہ کمبلی اتنی چھوٹی تھی کہ چارپائی پر نہ آتی تھی۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ

"یک شب بوقت استراحت من بخدمت حاضر بودم کھٹے جنگلی راست کردند ہماں گلیم کہ برآں روز نشستے ہماں بالائے کھٹ انداختند ے چنانچہ آں گلیم تاپایاں نمیرسید آنجا کہ موضع پائے مبارک ایشاں بودشقہ آوردندے ونہادندے اگر آں شقہ بالا کشیدے آں موضع از بستر خالی ماندے"۔ ۱

ترجمہ: ایک رات میں بوقت استراحت آپ کی خدمت میں حاضر رہا ایک جنگلی چارپائی [2] بچھائی گئی اُس کے اوپر وہ کمبلی بچھائی گئی جس پر آپ دن کو جلوس فرما ہوتے وہ کملی اتنی چھوٹی تھی کہ پائنتی تک نہ پہنچتی تھی جس جگہ پاؤں مبارک ہوتے ایک کپڑا ڈال دیا جاتا اگر وہ کپڑا آپ اوڑھ لیتے تو وہ جگہ بستر سے خالی ہو جاتی تھی۔

آپ کے پاس تکیہ نہیں ہوتا تھا۔ اپنے پیرومرشد قطبُ الدین بختیارؒ کا عطا کردہ عصاء مبارک تکیہ کی جگہ رکھ لیتے تھے اور اس پر سہارا لیتے تھے اس پر ہاتھ پھیر کر چومتے اور سرہانے رکھ لیتے تھے۔ [3]

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۷۵۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفوائد، ص:۵۱-۵۲۔
فوائد الفوا میں کھٹے گلیمے راست کردند۔۔۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار (اُردو)، ص:۱۱۷۔
۲۔ جنگلی چارپائی گھاس کے سخت پٹھوں کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔
۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۷۵۔

خوراک و معمولات:

بابا فریدؒ کی خوراک انتہائی کم اور سادہ تھی ۔ اکثر آپ روزے سے رہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا لباس و بستر اور خوراک اور اٹھنا بیٹھنا اتباع سنت نبویؐ کی تصویر تھا۔

آپ کی غذا انتہائی سادہ اور خواہش نفس کے منافی تھی ۔ خواجہ بختیار کا کیؒ کے وصال کے بعد جب شیخ فرید گنج شکرؒ دہلی میں تھے تو بدرالدین غزنویؒ جو پہلے سے دہلی میں موجود تھے ۔ لوگ اُن کی دعوتیں کرتے اور یہ دعوتیں پرُ تکلف ہوتیں انواع واقسام کے کھانے ہوتے ۔

بدرالدین غزنویؒ ہر دعوت پر شیخ فریدُ الدینؒ کو بھی دعوت دیتے ۔ آپ (بابا فریدؒ) نے دل میں کہا اے مسعود! تو اپنا شکم لقمہ چرب وشیریں سے موٹا کرتا ہے ۔ اللہ کا قرب کیسے حاصل کرے گا؟ یہ سوچ کر وہاں سے چلے آئے اور دل میں کہا کہ وہاں رہنا چاہیے ۔ جہاں مشغول بحق رہوں اور ڈیلہ اور پیلو کھالیا کروں ۔ [1]

قیام اجودھن کے وقت آپ کی عمر عزیز بڑھاپے کی طرف مائل تھی لیکن اس کے باوجود آپ کی غذا اکل کریر، ڈیلہ، پیلو اور خورد رو جنگلی پھل ہوا کرتے تھے۔

آپ سحری نہیں کرتے تھے یعنی سحری کے وقت کچھ نہیں کھاتے تھے۔ [2]

افطار کے وقت ایک شربت پیالہ ہوتا جس میں کبھی کبھی منقیٰ (خشک انگور) بھی بھیگے ہوئے ہوتے ۔ آپ اس میں سے نصف بلکہ دو تہائی اُن لوگوں میں تقسیم کردیتے جو حاضر ہوتے باقی خودنوش فرماتے بلکہ اس میں سے بھی کبھی کسی طلبگار کو عطا کرتے ۔ افطاری کے بعد نماز سے پہلے دو روٹیاں گھی میں چپڑی ہوئی

---

۱ حامد قلندر، خیرُ المجالس (اُردو)، ص:۱۸۶–۱۸۷۔

حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص:۱۳۲–۱۳۳۔

۲ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۸۴۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (اُردو)، ص:۱۹۳–۱۹۴۔

حاضر کرتے جو سیر[1] بھر سے کم ہوتیں۔ آپ ایک روٹی کے بہت سے ٹکڑے کرتے اور انہیں حاضرین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ دوسری خود تناول کرتے اُس میں سے بھی جو طلبگار ہوتا اُسے دیتے۔ پھر نماز مغرب ادا کرتے اور مشغول بحق ہو جاتے۔ پھر دوسرے دن افطار کے وقت تک کچھ نہ کھاتے۔[2]

آپ کا دستور تھا کہ جب تک ایک کھانا خرچ نہ ہو جاتا دوسرا تناول نہ فرماتے۔[3]

فوائد الفواد اور سیرُ الاولیاء میں سلطان المشائخ کی زبانی تحریر ہے کہ آپ نے درویشانہ روٹی پر قناعت کی۔[4] جن دنوں فتوح کی آمد تھی۔ ہر طرح کا کھانا اور نعمت موجود رہتی مگر سب خلق میں تقسیم کر دیتے خود اسی روٹی پر قناعت کرتے۔[5]

---

[1] مرآۃ الاسرار (اُردو) میں مترجم نے لکھا ہے کہ معلوم نہیں اُس وقت سیر کا وزن کس قدر تھا۔
جبکہ فوائد الفواد میں مترجم خواجہ حسن نظامی دہلوی نے حواشی ص: ۲۳۷ میں تحریر کیا ہے۔ کہ یہ سیر آج کل کے پاؤ کے برابر ہوتا تھا۔

[2] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۵۱۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (اُردو)، ص:۱۹۳۔
میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۷۵۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ باب مشائخ ہند (اُردو)، ص:۵۹۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (اُردو)، ص:۶۳۔
عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۶۵۷۔
شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو)، ص:۴۲۶۔
عبد الحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (اُردو) مترجم مولانا سبحان محمود، مولانا فاضل، ص:۱۱۷۔

[3] میر خورد کرمانی، سیرُ الاوالیاء (فارسی)، ص:۷۵۔

[4] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۷۶۔

[5] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۶۳۔

آپ کی خوراک میں اُبلے ہوئے گل کریر اور ڈیلے ہوتے جن میں نمک بھی نہ ہوتا۔ ایک دفعہ قرض لے کر نمک ڈالا گیا جس کے بارے میں آپ کو نورِ باطن سے علم ہوگیا۔ آپ نے یہ کہہ کر کھانا نہیں کھایا کہ

دریں طعام بوئے تصرف می آید[۱]

یعنی! اس کھانے سے تصرف کی بُو آتی ہے۔

سلطانُ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیخ فرید الدینؒ اکثر زنبیل[۲] کی روٹی نوش فرمایا کرتے تھے۔ افطار کے وقت زنبیل میں سے ایک دو ٹکڑے لازماً آپ کے سامنے لائے جاتے تھے۔[۳]

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ سالہا مریدوں نے شیخ الاسلام فریدُ الدینؒ کی خدمت میں زنبیل لے کر گدائی کی ہے۔[۴]

۱؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۷۶۔

۲؎ زنبیل گردانی اسے کہتے ہیں کہ درویش کپڑا پکڑ کر دوکانوں اور مکانوں کے سامنے جاتے منہ سے سوال نہیں کرتے کسی نے زنبیل میں آٹا وغیرہ ڈال دیا تو ٹھیک ہے ورنہ خاموشی سے چلے آتے۔ اس طرح جو آٹا یا روٹی وغیرہ ہوتی زنبیل کی ہوتی۔ شیخ فریدُالدین محمودؒ کا بیان ہے کہ میں نے بڑی مدت تک بابا فرید گنج شکرؒ کی زنبیل گردانی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نظام الدین اولیاءؒ کے ہاں بھی کئی سال زنبیل گردانی کی ان عظیم ہستیوں نے معمولی غذا کھا کر اور نفس کشی کر کے بلند ترین مقام پائے۔

۳؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ۶۶۔

عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص:۱۱۷۔

عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃُ الاسرار، ص:۶۵۷۔

شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو)، ص:۴۶۶۔

۴؎ حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی)، ص:۹۹۔

حامد قلندر، خیرُ المجالس (اُردو)، ص:۱۴۰۔

باباؒ فریدؒ کے قیام اجودھن کا آخری دور بہت تنگدستی کا تھا۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں ان دنوں رمضان میں میں وہیں تھا۔ اس قدر کم کھانا آتا تھا کہ حاضرین کے لئے کافی نہ ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ ان دنوں کسی رات میں نے سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ [1]

کوئی ہفتہ ایسا نہ گزرتا جس میں دو تین دن فاقہ نہ ہوتا ہو۔ آپ کے اہل خانہ بھی اس فقر و فاقہ میں شریک ہوتے۔ [2]

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ جس دن گلِ کریر یا دلیہ ہم پیٹ بھر کر کھاتے وہ دن ہمارا عید کا دن ہوتا۔ [3]

بابا فریدؒ الدین مسعود گنج شکرؒ کا کھانا اور معمول، تنگی اور آسانی دونوں حالتوں میں ایک ہی رہا۔ جب آسانی اور ہر چیز کی فراوانی تھی تب بھی آپ کا دروازہ رات گئے تک کھلا رہتا۔ لوگ آتے اور طرح طرح کی نعمتیں پاتے۔ سب تقسیم کر دیا جاتا۔

دراصل آپ کا زُھد اور فقر و فاقہ آپ کے ہر عمل کی طرح سنت نبویؐ کے عین مطابق تھا۔ آپ نے ہر حال میں صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

حیات بابا فریدؒ نظم و ضبط کا نمونہ تھی۔ معمول کے مطابق روزانہ غسل فرماتے۔ فجر کی نماز کے بعد دو گھنٹے سجدہ ریز رہتے۔ [4]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۷۶۔

[2] اس کی تفصیل باب ہذا کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

[3] حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی) ص:۹۹۔

حامد قلندر، خیر المجالس (اُردو)، ص:۱۴۰۔

عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۵۶۷۔

عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار (اُردو)، ص:۱۱۸۔

[4] امیر حسن علای سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۵۲۔

جب تک آپ مشغول بحق ہوتے حجرے کا دروازہ بند رہتا اور کسی کو بغیر اجازت اندر نہ جانے دیا جاتا۔ وہ سجدہ میں اشعار بھی وجد میں پڑھتے تھے۔ [۱]

نماز ظہر کے بعد زائرین سے ملاقات فرماتے اُن کے مسائل سنتے اور اُن سے کہتے کہ الگ الگ میرے پاس آیا کرو تا کہ میں الگ الگ توجہ دوں۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔

جب تک ایک بھی حاجتمند میرے دروازے پر ہے عبادت میں کوئی لطف نہیں۔

افطاری کے بعد آپ کا معمول یہ تھا کہ مولانا رکن الدین سمرقندیؒ اور جب خواجہ نظام الدین اولیاء موجود ہوں تو انہیں بھی خلوت میں طلب فرماتے اور دن بھر کی سرگزشت سنتے اس موقع پر کبھی کبھی آپ کے فرزند ارجمند شہاب الدین گنج علم بھی ہوتے۔

بابا فریدؒ بہت کم کھاتے اور بہت کم سوتے سارا وقت اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں گزارتے۔ مرید آپ کی خدمت سعادت سمجھ کر انجام دیتے شیخ بدرالدین اسحٰقؒ ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اور پوری توجہ سے آپ کی خدمت انجام دیتے۔ [۲]

---

۱ امیر حسن علای سجزی، فوائد الفواد (اُردو)، ص: ۳۶۴-۳۶۵۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ فریدؒ اسی طرح مشغول بحق تھے دروازہ بند تھا۔ میں نے کسی طرح دیکھا تو آپ بار بار سجدے میں جاتے اور کھڑے ہو جاتے اور پھر سجدہ میں چلے جاتے داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔ آپ وجد کے عالم میں یہ مصرع پڑھتے رہے۔

از بہر تو میرم، زبرائے تو زیم

یعنی: میں تیرے ہی لئے مروں اور تیرے ہی لئے جیوں

امیر حسن علای سجزی، فوائد الفواد (اُردو) ص: ۳۶۴-۳۶۵۔

حامد قلندر، خیرُ المجالس (قلمی فارسی)، ص: ۱۶۴۔

حامد قلندر، خیرُ المجالس (اُردو)، ص: ۲۳۲-۲۳۳۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۷۵۔

خواجہ بدرالدین اسحاقؒ جب بابا فریدؒ حجرے میں مشغول بحق ہوتے اور دروازہ بند ہوتا تو دربانی کے فرائض انجام دیتے کسی کو بغیر اجازت اندر نہ جانے دیتے اور آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ شیخ احمد سیوستانیؒ بابا فریدؒ کے وضو اور غسل کے لئے پانی لاتے آپ کے کپڑے بھی دھوتے۔ [1]

ایک مرید عیسیٰ نامی آپ کے نجی کام اسرانجام دیتے تھے۔ [2]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۹۶-۹۷۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۲۰۴۔

باب چہارم:

وصال الیٰ اللہ اور خلفاءِ عظام

فصل اول: علالت ووصال اور تدفین

فصل دوم: خلفاءِ عظام

باب چہارم:

وصال الی اللہ اور خلفاء عظام

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی تمام زندگی مجاہدہ وریاضت اور عبادت میں گزری۔ آپ نے جسم کی خوراک کی بجائے روح کی غذا پر توجہ دی۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام جن میں بڑھاپا بھی طاری تھا۔ انتہائی عسرت وتنگی میں گزرے۔ صائم الدھر تو تھے ہی ایک وقت کا تھوڑا سا کھانا جو افطاری کی صورت میں ہوتا تھا وہ بھی میسر نہ ہوتا۔ اس بات کی تصدیق اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب سلطان المشائخؒ دہلی جانے لگے تو بابا فریدؒ نے خرچ سفر کے لئے آپ کو ایک اشرفی عنایت فرمائی۔ اُس دن سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے فرمان کے مطابق اجودھن ہی میں رک گئے۔ اور جب آپ نے دیکھا کہ بابا فریدؒ کی افطاری کا سامان نہیں ہے تو اُس اشرفی سے اپنے مرشدؒ کی افطاری کا سامان لے آئے۔[1]

آپ کی زندگی اور موت مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ ربّ العٰلمین
میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔
کے مصداق تھی۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۷۶۔

فصل اول:

علالت ووصال اور تدفین

مسلسل ریاضت اور روزوں کی وجہ سے آپ بہت کمزور اور لاغر ہو گئے ۔ اور عمر مبارک کے آخری حصے میں کمزوری کی وجہ سے آپ کھڑے ہو کر نوافل ادا نہ کر سکتے تھے ۔ لہذا نوافل بیٹھ کر ادا کرتے ۔ [۱]

اس کے باوجود آپ نے عبادت میں کوئی کمی نہ آنے دی ہر وقت یادالٰہی میں مشغول رہتے اور اپنے محبوب حقیقی کے سامنے سربسجود رہتے ۔ اپنی زندگی کے آخری رمضان بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ روزے نہ رکھ سکے ۔ [۲]

کیونکہ آپ صاحب شریعت بھی تھے اور شریعت نے بیماری کی حالت میں جو رخصت دے رکھی ہے اُس پر کاربند ہوئے ۔

آپ کو خلّہ کی بیماری لاحق ہوگئی ۔ [۳] شعبان میں یہ بیماری شدت اختیار کرگئی ۔ یہی وجہ ہے کہ مرض کے غلبے کی وجہ سے آپ رمضان کے روزے نہ رکھ سکے ۔

آپ نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو خلافت سے سرفراز فرما کر شوال ۶۶۹ھ کو دہلی روانہ کر دیا ۔

میر خورد کرمانی نے نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی تحریر کیا ہے کہ انہیں بابا فریدؒ نے شوال میں

---

[۱] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص: ۱۸۴ ۔

[۲] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص: ۵۲ ۔

[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۹۹ ۔ خلّہ کی بیماری میں تمام جسم میں سوئیاں چبھتی محسوس ہوتی ہیں ۔ یہ انتڑیوں کی بیماری ہے ۔ خلّہ کے لفظی معنی سوئی یا سوجے کی طرح سے گھونپنے والی چیز کو کہتے ہیں ۔ اور یہ ایسی بیماری ہے کہ انتڑیوں میں ایسی ہوا جو شدید درد پیدا کرے ۔

دہلی روانہ کر دیا تھا۔ [1]

سیرُ الاولیاء میں اسی سال یعنی ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ کو بابا فریدگنج شکرؒ کا خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ کو خلافت کی نعمت سے نوازنا تحریر ہے۔ [2]

بابا فریدگنج شکرؒ نے خواجہ نظام الدینؒ کو یہ بھی بتایا ہوا تھا کہ جس طرح وہ اپنے مرشد کے وصال کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی طرح نظام الدین اولیاءؒ بھی اُن کے وصال کے وقت موجود نہ ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

وصال:

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (۹۳) ترانوے سال کی عمر مبارک میں ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ [3] کو اُس محبوب حقیقی کے وصل سے سرفراز ہوئے جس سے وصل کی تڑپ خلوت میں بھی مندرجہ ذیل فارسی اشعار کی صورت میں آپ کے ہونٹوں پر رہتی۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم
خاکے شوم وبزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم از برائے تو زیم [4]

یعنی میری آرزو ہے کہ تیری دھن میں ہمیشہ جیوں

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۹۹ ، عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۱۷۷۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۲۶۔

[3] سن وصال کا تفصیلی ذکر مقالہ کے باب اول، فصل اول میں سن ولادت کے ضمن میں آچکا ہے۔

[4] حامد قلندر، خیرُ المجالس (قلمی فارسی)، ص:۱۶۴ ، خیرُ المجالس (اُردو)، ص:۲۳۲-۲۳۳۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (اُردو)، ص:۳۶۵۔

اور جب خاک ہو جاؤں تو تیرے قدموں میں زندہ ہوجاؤں

مجھ بندے کا مقصود دونوں جہاں میں تیری ہی ذات ہے

میں تیرے لئے ہی مروں اور تیرے لئے ہی جیوں۔

پانچ محرم الحرام بمطابق ۶۷۰ھ/۱۲۷۱ء کی شب آپ پر بیماری کا شدید غلبہ ہوا۔آپ نے عشاء کی نماز با جماعت ادا کی اور بے ہوش ہو گئے۔

کچھ دیر کے لئے ہوش میں آئے تو فرمایا کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ بتایا گیا ہاں پڑھ لی آپ نے فرمایا: ایک دفعہ اور پڑھ لوں کون جانے کیا ہو؟ پھر نماز ادا کی اور دوبارہ بے ہوش ہو گئے اس مرتبہ بے ہوشی طویل تھی اور جب ہوش میں آئے تو پھر پوچھا! میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ حاضرین نے کہا دو دفعہ پڑھ لی ہے۔آپ نے فرمایا: ایک دفعہ اور پڑھ لوں معلوم نہیں پھر کیا ہو چنانچہ تیسری دفعہ نماز عشاء ادا کی اور رحمت حق سے پیوست ہو گئے۔[1]

بوقت وصال آپ کی زبان پر یا حیّ یا قیّوم جاری تھا۔[2]

---

[1] امیر حسن علاء سجزی،فوائد الفواد (اردو) ، ص:۳۶۵۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی) ، ص:۹۹۔

محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ص:۶۶-۶۷۔

عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃُ الاسرار (اُردو)، ص:۷۷۱۔

شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار، (اُردو)، ص:۴۷۱۔

عبد الحق محدث دہلویؒ، اخبارُ الاخیار، مترجم، مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل، ص:۱۲۱۔

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین (اُردو) ص:۷۸۔

علی محمود بن جاندار (مولانا)، درر نظامی، مترجم محمد یٰسین علی، کتب خانہ نذیر، کھاری باؤلی دہلی، ص:۲۶۶-۲۶۷۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۰۱۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیخ فرید گنج شکرؒ نے وصال کے دن انہیں یاد کیا اور فرمایا کہ فلاں دہلی میں ہے۔ میں بھی شیخ قطب الدین کاکیؒ کے وصال کے وقت نہیں تھا۔ ہانسی میں تھا۔ [1]

شدید بیماری کے باوجود بابا فرید گنج شکرؒ نماز با جماعت ادا کرتے رہے اور اپنے اوراد و نوافل بھی پورے کرتے رہے۔

سلطان المشائخؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے شیخ سعد الدین حمویہؒ کا وصال ہوا پھر تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے انتقال فرمایا۔ اُن کے تین سال بعد بہاؤ الدین زکریاؒ نے رحلت فرمائی اور ان کے تین سال بعد شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا وصال ہوا۔ [2]

گویا چاروں بزرگ ہستیاں تین سال کے وقفہ سے واصل بحق ہوئیں۔

تدفین:

آپ کا معمول تھا کہ جو کچھ بھی ہوتا راہ خدا میں تقسیم کر دیتے آپ کا وصال ہوا تو تجہیز و تدفین کے لئے کچھ نہ تھا۔ فوائد الفواد میں ہے کہ

''وقتیکہ فوت او شد وجہ تجہیز و تکفین متعذر بود''۔ [3]

---

[1] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص:۵۲۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (اُردو)، ص:۱۹۴۔
میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۹۹۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (اُردو)، ص:۷۸۔
شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو)، ص:۴۷۱۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند) (اُردو)، ص:۶۶۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۱۰۱۔

[3] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص:۲۱۲۔ فوائد الفواد (اُردو)، ص:۳۷۵۔

جب غسل کے بعد جنازہ تیار ہوا تو اُس پر ڈالنے کے لئے چادر نہ تھی سید کرمانی نے جو میر خورد کے جد امجد تھے اپنی والدہ محترمہ سے بالکل نئی اور سفید چادر لی اور جنازہ پر ڈالی۔ [۱]

بابا فریدؒ کے فرزند اس بات پر متفق تھے۔ کہ آپ کی تدفین اجودھن (پاکپتن) کی فصیل سے باہر شہداء کے قبرستان میں ہو۔

بابا فرید گنج شکرؒ کے عزیز ترین فرزند نظام الدینؒ بلبن کی فوج میں ملازم تھے۔ اور قصبہ پٹیالی میں تھے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ بابا فریدؒ انہیں بلا رہے ہیں تو وہ فوراً اجودھن (پاکپتن) کے لئے روانہ ہو گئے لیکن وہ بعد نماز عشاء پہنچے اور قلعہ کے دروازے بند ہو چکے تھے اس لئے انہیں رات قلعہ کے باہر بسر کرنی پڑی۔ اُسی رات بابا فریدؒ بار بار فرماتے کہ نظام الدین آ گیا لیکن کیا فائدہ کہ ملاقات نہ ہو سکی۔ [۲]

صبح جب دروازہ کھلا تو آپ نے دیکھا کہ شیخ فرید گنج شکرؒ کا جنازہ باہر لایا جا رہا ہے۔ آپ کے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ بابا فریدؒ کو شہداء کے قبرستان میں دفن کرنے کیلئے لے جایا جا رہا ہے۔ جہاں آپ اکثر مشغول بحق بھی ہوتے تھے۔ نظام الدینؒ نے بھائیوں کو سمجھایا کہ اس طرح تمہاری کوئی وقعت نہ رہے گی۔ لوگ باہر سے زیارت کر کے چلے جایا کریں گے۔

خواجہ نظام الدینؒ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے نماز جنازہ پڑھا کر آپ کو شہر کے اندر لایا گیا اور جہاں اب مدفون ہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ [۳]

بدر الدین اسحاقؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ لحد تیار کرنے کے لئے کچی اینٹوں کی ضرورت تھی لیکن کیونکہ کچی اینٹیں نہ تھیں اس لئے آپ کے گھر کا دروازہ گرا کر کچی اینٹیں حاصل

---

۱ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۹۹۔

۲ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۱۰۰۔

۳ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۰۰۔

کی گئیں جن سے لحد تیار ہوئی۔ [1]

فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ

چنانکہ خشت خام کہ بجہت لحد بائید، نبود درے کہ بخشت
خام برآوردہ بودند آں در رافرود آوردند تا آں خشتِ ہا درلحد خرچ شُد۔ [2]

میر خورد کرمانی رقمطراز ہیں کہ

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص نے شیخ فرید گنج شکرؒ سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں ان لوگوں کے لئے جو باہر سے پانی، لکڑی لاتے ہیں اینٹ کا ایک حجرہ تعمیر کروا دوں۔ آپ نے فرمایا: سات سال گزر چکے ہیں فرید، اللہ کا غلام نیت کر چکا ہے کہ اینٹ پر اینٹ نہ رکھے گا لیکن اُس شخص نے شیخ فریدؒ کی اولاد کو آمادہ کر کے حجرہ بنوادیا۔ وصال کے بعد حجرہ مسمار کر دیا گیا۔ اور شیخ فریدؒ کا مزار مبارک وہی مقام قرار دیا گیا۔ [3]

اس طرح ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ کو یہ آفتاب روحانیت ومعرفت واصل بحق ہو کر زندہ جاوید ہو گیا۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص: ۱۰۰-۱۰۱۔

[2] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۲۱۲ ، فوائد الفواد (اُردو)، ص: ۳۷۵۔

[3] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۰۰۔

بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی ساری زندگی سنتِ نبوی کی اتباع میں بسر ہوئی اور آپ کی تدفین بھی اتباع سنت نبوی کے تحت اسی حجرہ میں ہوئی جہاں وصال فرمایا۔

فصل دوم:

خلفاءِ عظام

صاحب سیرُ الاقطاب اللہ دیا چشتی نے بیان کیا ہے کہ بابا فرید گنج شکرؒ کے بے شمار خلفاء تھے اور پھر بیس خلفاء کے نام درج کیئے ہیں۔ [1]

وحید احمد مسعود نے اپنی کتاب "سوانح حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ" میں لکھا ہے کہ بابا صاحبؒ کے بے شمار خلفاء تھے اور سُنا ہے کہ اُن کا رجسٹر حضرت جمال الدین ہانسویؒ کے پاس تھا جواب موجود نہیں۔ [2]

کم وبیش سب تذکروں میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ کے خلفاء عظام کثیر تعداد میں تھے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کیونکہ آپ کی عمر مبارک ۹۳ سال بمطابق ہجری تقویم ہے اور اتنے سالوں میں لامحالہ آپ کے ہاتھ پر لاکھوں لوگوں نے بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے خلفاء کی تعداد بھی کثیر ہو لیکن معتبر مآخذ مثلاً سیرُ الاولیاء وغیرہ میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ سیرُ الاولیاء میں جن چند خلفاء کا تذکرہ ہے کم وبیش سب کتابوں میں انہیں خلفاء کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں بھی ان خلفاء عظام کا اجمالی تذکرہ کیا جائے گا۔

۱؎ اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب، ص:۱۷۵۔ نام درج ذیل ہیں۔
شیخ علاؤالدین علی احمد صابرؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ، شیخ جمال الدین ہانسویؒ، شیخ یعقوب ابن شکر گنجؒ، شیخ نظام الدین ابن شکر گنجؒ، شیخ بدرالدینؒ، شیخ سلیمان ابن شکر گنجؒ، شیخ شہاب الدین ابن شکر گنجؒ، شیخ نصیر الدینؒ، شیخ بدر الدین اسحاقؒ، شیخ دہارؒ، شیخ زین الدین دمشقیؒ، شیخ علی شکر ریزؒ، شیخ علی شکر بارؒ، شیخ محمد سراجؒ، شیخ جمال کاملؒ، شیخ نجیب الدین متوکلؒ برادر شکر گنجؒ، شیخ عارف سیوستانیؒ، شیخ صابرؒ، مولانا داؤد پالی قدس اللہ اسرارہم۔
نوٹ:۔ شیخ بدرالدین شیخ سلیمان کی بجائے۔ شیخ بدرالدین سلیمان ہونا چاہیے کیونکہ آپ بابا فریدؒ کے فرزند ہیں۔ اس طرح پورے (۲۰) کی تعداد بھی درست ہوتی ہے۔

۲؎ وحید احمد مسعود، سوانح حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، وصی حیدر پرنٹر، لاہور، ۱۹۸۱، ص:۲۳۹۔

سلسلے کی اشاعت کا کام آپ کی اولاد کی نسبت آپ کے خلفاء نے زیادہ احسن طریقہ سے کیا۔ آپ کی اولاد میں علاؤالدین موج دریاؒ کا نام اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔علاؤالدین موج دریاؒ آپ کے پوتے تھے۔ بابا فریدؒ کی اولاد نے زیادہ تر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرلیا اور نظامیہ سلسلے میں مدغم ہو گئے۔اس وقت صرف دو مشہور و معروف سلسلے چشتیہ نظامیہ جو حضرت خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ سے منسوب ہے اور چشتیہ صابریہ جو مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ سے منسوب ہے۔ جاری ہیں۔

قدیم مآخذوں میں جن چند خلفاء عظام کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے درج ذیل ہیں۔

۱۔ خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ ۲۔ جمال الدین ہانسویؒ

۳۔ مولانا بدرالدین اسحاقؒ۔ ۴۔ شیخ نجیبُ الدین متوکلؒ

۵۔ مخدوم شیخ علی صابرؒ۔ ۶۔ مولانا فخر الدین صفاہانیؒ

۷۔ مولانا عارفؒ۔ ۸۔ حضرت مولانا حمید الدینؒ

۹۔ قاضی منتخب الدینؒ۔ ۱۰۔ شیخ بدرالدین سلیمانؒ ابن گنج شکرؒ۔

۱۔ سلطانُ المشائخ خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ:

آپ کے آباء واجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ جو گنجینہ علم تھا۔آپ کے دادا کا اسم گرامی خواجہ علی بخاری اور نانا کا اسم مبارک خواجہ عرب تھا۔ [1]

دونوں بزرگ بخارا سے لاہور اور پھر لاہور سے بدایوں آ گئے۔بدایوں ان دنوں علوم کا مسکن تھا اس لئے دونوں نے وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔خواجہ عرب صاحب ثروت بھی تھے۔آپ کے ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی تھی۔جن کا نام بی بی زلیخا تھا۔اور صاحبزادہ کا نام خواجہ عبداللہ تھا۔ [2]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۰۴۔
عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۷۷۸۔
[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۰۴۔

خواجہ علی کے صاحبزادے خواجہ احمد بن علی کے ساتھ خواجہ عرب کی صاحبزادی بی بی زلیخا کی شادی ہوئی اور یہ دونوں بزرگ ہستیاں خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ کے والدین ہیں۔

والدہ اور والد دونوں طرف سے خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ حسینی سادات میں سے ہیں یعنی نجیب الطرفین ہیں۔ [۱]

آپ ماہِ صفر ۶۴۷ھ بروز بدھ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ [۲] آپ کا نام نظامُ الدین محمد تھا۔ [۳] سلطان المشائخ، محبوبِ الٰہی اور نظام الدین اولیاءؒ آپ کے القاب ہیں۔

بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کے والد ماجد سید احمد بن علیؒ کا مزار بدایوں میں ہے۔ [۴]

آپ کی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ انہوں نے آپ کی تربیت بطریق احسن کی آپ کی والدہ ماجدہ کا مزار دہلی میں ہے۔ [۵]

آپ نہایت ذہین اور قوی الحافظہ تھے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا شمس الدین خوارزمیؒ جنہیں بلبن نے شمس الملک کا خطاب دیا اور مولانا کمال الدین زاہدؒ مشہور و معروف ہستیاں تھیں۔

آپ نے کم سنی میں ہی علوم متداولہ پر عبور حاصل کرلیا۔ علماء آپ کی تبحر علمی کے قائل تھے۔ آپ کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے آپ کے معلم اور علماء نے بچپن میں ایک تقریب میں آپ کو

۱۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۰۷-۱۰۸۔
نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین (فارسی)، ص: ۳۲۔

۲۔ آپ ۲۵، ۲۶ یا ۲۷ صفر کو بروز بدھ پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت اور وفات بدھ کے روز ہی ہوئی اور بابا فرید گنج شکرؒ سے پہلی ملاقات بھی بدھ کے دن ہوئی۔ ۲۵ صفر ۶۴۷ھ آپ کا مستند سال ولادت ہے

۳۔ مناقب المحبوبین (فارسی) ص: ۳۲ میں نام نظامُ الدین محمد تحریر ہے جبکہ صباح الدین عبد الرحمٰن نے بزم صوفیہ، ص: ۲۱۸ میں اسم گرامی محمد اور نظامُ الدین اولیاء لقب تحریر کیا ہے۔ دارا شکوہ کی تصنیف "سفینۃ الاولیاء" (اُردو)، ص: ۱۳۳ میں نام محمد بن احمد بن دانیال بدایونی رقم ہے۔

۴۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۰۵۔

۵۔ میر خورد کرمانی، سیر اولیاء، ص: ۱۰۴۔

دانشمندی کی دستار باندھی۔ [۱]

آپ نے بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا ذکر بارہ سال کی عمر میں ایک ابو بکر نامی قوال سے سنا۔ بابا فرید گنج شکرؒ کے فضائل ومناقب کا ذکر سنتے ہی آپ کے دل میں شیخ گنج شکرؒ کی محبت جاگی اور ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا۔ یہ آتش اس طرح بھڑکی کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ شیخ فرید اور دس مرتبہ مولانا فرید کا ذکر جپنے لگے۔ [۲]

ان کی محبت کو دیکھتے ہوئے ہمعصر آپ کو قسم دلانا چاہتے تو شیخ فریدؒ کی دلاتے۔ آپ (۱۶) سولہ سال کی عمر میں ایک عوض نامی عزیز کے ہمراہ دہلی روانہ ہوئے۔ راستے میں کوئی بھی خطرہ درپیش ہوتا تو عوض کہتا اے پیر حاضر ہو جایئے۔ اور یہ کہہ کر مدد مانگتا۔ آپ نے دریافت کیا کس کا ذکر کر رہے ہو تو اس نے کہا شیخ فریدُ الدینؒ کو پکار رہا ہوں یہ سن کر آپ کا اضطراب اور بڑھ گیا اور آپ دہلی میں شیخ فرید الدینؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پڑوس میں قیام پذیر ہوئے۔ [۳]

شیخ نجیبُ الدین متوکلؒ کی صحبت میں بابا فرید گنج شکرؒ سے عقیدت میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ چار سال دہلی میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور اس دوران بابا فرید گنج شکرؒ سے ملاقات کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ آخر کار دیدار کا شوق آپ کو دہلی سے اجودھن (پاکپتن) لے گیا۔

---

[۱] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۰۶۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۴۹۔
[۲] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۱۰۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۴۹۔
[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۱۰۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۴۹۔

جب آپ بروز بدھ بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابا فرید گنج شکرؒ نے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ۔ [۱]

یعنی تیرے فراق کی آتش نے بہت سے دلوں کو کباب کر دیا اور تیرے اشیاق کے
سیلاب نے کئی جانیں خراب کر دیں۔

آپ اپنی دلی کیفیت بیان کرنا چاہتے تھے لیکن بابا فریدؒ کے رعب وجلال کے غلبے کی وجہ سے اتنا ہی کہہ پائے

اشیاق پائے بوس عظیم غالب بود [۲]

یعنی حضور کی پائبوسی کی آرزو بہت تھی۔

بابا حضور نے فرمایا:

لِکلّ داخلٍ دَھشَۃٌ [۳]

یعنی ہر آنے والے کے لئے دہشت ہے۔

سلطان المشائخؒ اُسی روز بیعت ہوئے۔ بدرالدین اسحاقؒ نے بابا فریدؒ کے حکم پر آپ کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی۔ آپ نے دیکھا کہ بڑے بڑے حفاظ اور جید عالم زمین پر سو رہے ہیں تو آپ چارپائی پر سونے سے جھجکے لیکن بدرالدین اسحٰقؒ نے کہا کہ شیخ فرماتے ہیں اپنے کہنے پر چلو گے یا شیخ کا حکم مانو گے۔ آپ شیخ فریدؒ کا حکم مانتے ہوئے چارپائی پر سو گئے۔

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۱۶۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۳۰۔
عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۷۷۹۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۱۶، امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۳۰۔

۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۱۷۔

جس وقت آپ بابا فریدؒ سے بیعت ہوئے تو آپ کی عمر بیس سال تھی۔ [1]

جماعت خانہ میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے شب وروز اپنے مرشد بابا فریدؒ کے زیر سایہ گزرنے لگے۔ایک مرتبہ آپ نے اپنے مرشدؒ سے پوچھا کہ میں تحصیل علوم کو ترک کر کے اورادونوافل میں مصروف ہو جاؤں؟ تو بابا فریدؒ نے فرمایا کہ تحصیل علوم بھی کرو اور اس کے ساتھ اورادونوافل میں بھی مصروف رہو حتی کہ ان میں سے ایک خود بخود غالب ہو جائے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں شیخ فریدؒ کی خدمت میں کل تین دفعہ حاضر ہوا ہر سال میں ایک بار اور آپ کی رحلت کے بعد سات دفعہ کل دس دفعہ اجودھن گیا۔ [2]

آپ نے بابا فریدؒ سے قرآن پاک کے چھ سپارے، عوارف المعارف کے پانچ ابواب اور ابو شکو سالمیؒ کی کتاب تمہید المتہدی پڑھی۔ [3] اس کے علاوہ دوسرے علوم اور تصوّف کی تعلیم بھی بابا فریدؒ سے حاصل کی۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے دہلی میں کوئی مکان نہیں خریدا بلکہ ساری عمر کسی ایک مقام یا مکان میں مستقل نہیں رہے آپ کرائے کے مکان میں رہے جو بدلتے رہے۔ [4]

آپ دہلی میں حصول تعلیم کے دوران اکثر یہ کہتے کہ میں آپ لوگوں کی صحبت میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ [5]

آپ تائید غیبی سے غیاث پور علاقہ (جو اُس وقت مجہول اور غیر معروف مقام تھا) میں قیام پذیر ہوئے۔وہاں سے بھی جانا چاہتے تھے۔کہ غیب سے اشارہ ملا کہ وہیں خلقت میں ہی رہائش پذیر ہوں۔

---

۱ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۱۷۔

۲ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۴۲ ، میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۱۷۔

۳ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۹۳ ، میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۱۶۔

۴ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۱۸۔

۵ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۱۰۔

خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ کی دہلی سے پاکپتن پہلی آمد غالباً ۶۶۷ھ ہے۔[۱] اور ۶۶۹ھ میں آپ کی تیسری مرتبہ پاکپتن آمد تھی۔ یہی وہ سال ہے جب آپ کے ساتھ ۲۵ جمادی الاولیٰ، یکم شعبان اور ۱۳ رمضان المبارک ۶۶۹ھ بمطابق ۱۲۷۱ء عیسوی روح پرور واقعات رونما ہوئے۔[۲]

۱۳ رمضان المبارک ۶۶۹ھ کو بابا فریدؒ نے آپ کو بلایا اور خلافت عطا فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ اس خلافت نامہ کو ہانسی میں جمال الدین ہانسویؒ اور دہلی میں قاضی منتخب کو دکھادیں۔[۳]

اسی دن بابا فریدؒ نے آپ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا۔

اَسعَدَکَ اللّٰہُ فِی الدَّارَینِ وَرَزَقَکَ عِلماً نَافِعاً وَ عَمَلاً مَقبُولاً[۴]

یعنی اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں تجھے نیک بخت کرے اور علم نافع اور عمل مقبول عطاء فرمائے۔

خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ نے ہانسی میں جمال الدین ہانسویؒ کو خلافت نامہ[۵] دکھایا تو وہ آپ سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔

۱۔ ۶۶۷ھ پہلی آمد اس لئے کہ سلطان المشائخؒ کا یہ فرمان کہ میں شیخ فریدؒ کی زندگی میں کل تین دفعہ اجودھن گیا اور ہر سال میں ایک بار اس حساب سے آپ آخری بار ۶۶۹ھ میں تشریف لے گئے۔ تو پہلی آمد ۶۶۷ھ دوسری ۶۶۸ھ اور تیسری بابا فریدؒ کے وصال سے پہلے ۶۶۹ھ میں۔

۲۔ ۶۶۹ھ ۲۵ جمادی الاولیٰ آپ کے منہ میں مرشد نے لعاب دہن ڈالا۔ یکم شعبان، ۶۶۹ھ میں آپ کے حق میں دعا کی کہ دربدر نہ ہوں۔ ۱۳ رمضان المبارک ۶۶۹ھ کو خلافت عطاء کی۔ ان واقعات کا ذکر سیرُ الاولیاء فارسی میں انہیں تاریخوں اور سن کے ساتھ، ص: ۱۳۳ اور ۱۳۶ میں واضح طور پر ہے۔ اس کی تفصیل مقالہ کے حصہ "دوم" باب اول میں سن ولادت کے ضمن میں آ چکی ہے۔

۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۱۲۶۔

۴۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۱۲۷۔

۵۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹ میں یہ خلافت نامہ بعینہٖ نقل ہے۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، چرنجی لال ایڈیشن لاہور، ۱۹۷۸ء۔

بابا فرید گنج شکرؒ نے بوقت رخصت آپ سے فرمایا:

تو بظاہر از ما نائب و بباطن با ما یک جا خواہی بود [1]

یعنی ظاہراً تو مجھ سے دور ہوگا لیکن باطنی طور پر تو میرے پاس یکجا ہوگا۔

جب ۲۵ جمادی الاولی کو لعاب دہن اپنے محبوب خلیفہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے منہ میں ڈالا تو ساتھ ہی فرمایا:

گفت دین و دنیا ترا دادہ اند اینجا ہمہ نیست برو ملک ہند گیر

نَظْرَۃُ مِنکَ یَکْفِنِی [2]

قضا و قدر نے تجھے دین و دنیا کا مالک کر دیا۔ جا اور ملک ہند پر قبضہ کر۔ تیرا ایک دفعہ کا دیکھنا مجھے کافی ہے۔

مرشد سے رخصت ہو کر اجودھن سے دلی تک کا سفر طے کیا۔ بابا فریدؒ کے وصال کے وقت آپ دہلی میں تھے۔ وصال کی خبر سن کر آپ اجودھن آئے اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی وصیت کے مطابق آپ نے خرقہ خلافت جو بابا فرید گنج شکرؒ، مولانا بدر الدین اسحاقؒ کے حوالے کر گئے تھے، پہنا اور مصلّی اور عصا بھی لیا۔

خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اور بابا فریدؒ کے فرزند نظام الدینؒ شیخ فریدؒ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے اپنے فرزند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ میرا فرزند نانی ہے اور میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم میرے فرزند جانی ہو۔ [3]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۲۴۸ بحوالہ انوار الفرید، ص:۱۸۲۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۳۳۔

[3] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۳۴۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے جوانی کے تیس سال سخت ترین مجاہدہ میں بسر کئے اور آخری عمر کے تیس سال اُس سے بھی سخت مجاہدہ میں گزارے۔ [۱]

خلافت ملنے کے بعد دہلی میں لوگوں کے ہجوم اور خلق کے کثرت سے رجوع ہونے کے باوجود آپ کے ریاضت ومجاہدہ میں فرق نہیں آیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو نہایت مقبولیت عطا فرمائی۔ ہر خاص وعام نے آپ کی طرف رجوع کرلیا۔ آپ پر فتوح کا دروازہ کھل گیا۔ ایک دُنیا آپ کی مہمان نوازیوں اور عنایتوں سے سیراب ہونے لگی لیکن آپ مسلسل ریاضت ومجاہدہ میں لگے رہے۔ [۲]

آپ بھی اپنے مرشد بابا فرید گنج شکرؒ کی طرح صائم الدہر تھے۔ اکثر سحری نہیں کرتے تھے۔ افطاری بھی بہت قلیل ہوتی تھی۔

میر خورد کرمانی بیان کرتے ہیں کہ افطاری کے وقت نرم کھانا تناول کرتے۔ اگر روٹی ہوتی تو آدھی یا ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلے کے ساتھ نوش فرماتے ورنہ تھوڑے سے چاول اور یہ بھی عزیزوں، درویشوں اور مسافروں کی موافقت کی وجہ سے۔ [۳]

آپ کبرسنی کے باوجود پانچوں وقت کی نماز کے لئے بالاخانے سے (جو ایک بلند عمارت تھی) نیچے اترتے اور نماز باجماعت ادا کرتے۔

آپ نے تمام عمر خدمت خلق میں گزاری۔ دوست، دشمن سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے۔ ہر وقت ہر ایک کی مدد کے لئے تیار رہتے۔ آپ کے در سے کوئی سائل خالی نہ جاتا۔ سب کچھ راہِ خدا میں دے دیتے۔ جب کسی کا دکھ سنتے تو اُس کا ہر ممکن مداوا کرتے۔

---

۱ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۱۳۴۔

۲ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص:۵۶۔

۳ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۳۴۔

ہرایک کا مسئلہ اس توجہ سے سنتے جیسے اُن کا مسئلہ ہے اور سائل پر نہیں بلکہ اُن پر گزر رہی ہے۔ آپ فرماتے!

عجب دے باشد کہ غم برادر مسلمان بشنود و دردے اثر نکند [۱]

وہ عجب دل ہوگا جو اپنے مسلمان بھائی کا غم سنے اور اس پر اثر نہ ہو

فوائد الفواد میں آپ کے ملفوظات اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ نے خدمت خلق کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور اپنے مریدین اور ہر ملنے والے کو گالی کے بدلے میں دعا دینے اور بُرائی کا بدلہ برائی سے نہ دینے کی تلقین کی۔ آپ کا فرمان ہے کہ:

اگر کوئی کانٹا رکھے اور تُو بھی اس کے بدلے میں کانٹا رکھے تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ عام لوگوں میں یہ دستور ہے کہ نیک کے ساتھ نیک، بُرے کے ساتھ بُرا ہوتے ہیں لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں۔ یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ اچھا ہونا چاہیے۔ [۲]

آپ کے حسن خلق اور حسن سلوک نے آپ کو سب کا محبوب بنادیا۔ آپ کے وقت میں سلسلہ چشتیہ نے خوب ترقی کی۔ اور اپنے پیر و مرشد بابا فریدؒ کے محبوب خلیفہ اور جانشین کی حیثیت سے سلسلہ کی توسیع و اشاعت اور مخلوق کی رشد و ہدایت کا کام اس احسن طریقے سے سرانجام دیا کہ قیامت تک اس کی مثال نہیں ملتی بقول مولانا غوثی شطاری آپ نے بڑے بڑے شہروں میں لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے ایسے سات سو خلفاء روانہ کئے جن میں ہر ایک کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا تھا۔ [۳]

بابا فریدُالدینؒ کا یہ فرمان سچ ثابت ہوا کہ

تُو درختے شوی کہ در سایہ تو خلقے بیا سآید [۴]

یعنی تم ایک ایسا درخت ہو جس کے سائے میں خلق کثیر آسائش و راحت سے رہے گی۔

---

۱ حامد قلندر، خیرُ المجالس، ص:۳۱۔

۲ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد فارسی، ص:۸۷۔

۳ محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، ص:۸۵۔

۴ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۲۷

آپ ہمیشہ تالیف قلوب میں مصروف رہے۔ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروزشاہی میں آپ کی ہردلعزیزی اورآپ کی تعلیمات کے لوگوں پر اثرات کاتفصیلی ذکرکیا ہے۔جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

آپ نے بیعت عام کردی ۔ہرقسم کے لوگ خواص وعوام کوآپ توبہ کرواتے اور بیعت کرتے۔آپ سے بیعت ہونے کے بعد ظاہراًباطناً ممنوعہ اعمال سے پرہیز کرتے اگرکسی سے لغزش ہوتی تو تجدید بیعت کرتا ۔ سب لوگ نماز کے پابند ہوگئے ۔ زیادہ تر مرید چاشت اور اشراق کے پابند تھے۔لوگوں میں موضوع بحث دینی امور تھے ۔ بہت سوں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کردیا۔ نئے مریدوں کو پُرانے مریدوں کے سپرد کردیا جاتا۔نفلی عبادت کا شوق اس حدتک بڑھ گیا کہ چاشت واشراق کی نمازیں ،ایام بیض، ماہ ذی الحج کے پہلے عشرہ کے روزے رکھنا لوگوں کا معمول بن گیا۔ ہربیس دن یا ایک ماہ میں شہرکےکونےکونے میں عارفانہ کلام پڑھا جاتا۔شیخ المشائخ کے مبارک وجود کی وجہ سے اکثر مسلمان عبادت،تصوف اور زہد کی طرف مائل ہوگئے تھے ۔تجارت میں بھی دھوکہ دینے کا رواج ختم ہوگیا تھا ۔ اکثر طلباء کی رغبت تصوف و طریقت کی کتابوں کی طرف ہوگئی تھی ۔کتب فروشوں سے سلوک کی کتابوں کا مطالبہ بڑھ گیا تھا۔ اہل تصوف کی کثرت خرید کی وجہ سے چمڑے کے طشت اور لوٹے مہنگے ہوگئے تھے ۔آپ کی فیضان محبت سے کچھ مرید مقبولان بارگاہ حق بن کر شہرت پا چکے تھے ۔خواص وعوام کے دلوں نے نیکی اختیار کرلی تھی ۔ [1]

ضیاءالدین برنی آخر میں اس طرح رقمطراز ہے کہ

> دراصل ان آخری ایام میں اللہ تعالٰی نے ایک ایسی ہستی پیدا کردی تھی جو شیخ جنیدؒ اورشیخ بایزیدؒ کے مثل تھی ۔ [2]

---

[1] ضیاءُالدین برنی،تاریخ فیروزشاہی، بب انڈیکا کلکتہ،۱۸۹۰ء،ص:۳۴۳ ـ ۳۴۷ ـ

[2] ضیاءالدین برنی،تاریخ فیروزشاہی،ص:۳۲۶ـ

وصال:

بروز جمعہ حالت تحیّر پیدا ہوئی۔ اسی حالت میں بار بار فرماتے آج جمعہ کا دن ہے۔ دوست کو دوست کا وعدہ ضرور یاد رکھنا اور اس حالت میں غرق رہنا چاہیے۔ اور یہ بھی پوچھتے رہے کہ کیا میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ عزیز و اقارب، خدمت گاروں اور مریدین کو جمع کر کے فرمایا کہ تم گواہ ہو کہ اگر یہ شخص (اپنے خادم کی طرف اشارہ کیا) گھر میں کوئی چیز بھی بچا کر رکھے گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے خود جوابدہ ہو گا۔ میں حکم کرتا ہوں گھر میں جو کچھ ہے سب راہ خدا میں خرچ کر دے۔[۱]

خادم نے ایسا ہی کیا۔ سب کچھ راہ خدا میں دے دیا۔ سب کے دریافت کرنے پر اپنے مدفن کے لئے کھلے میدان کی وصیت کی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس مقام پر مزار مبارک ہے یہ ایک جنگل اور میدان تھا۔ سلطان محمد بن تغلق نے مزار مبارک پر ایک عالیشان گنبد تعمیر کروایا۔ انتقال سے چالیس دن بیشتر آپ نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔

آخر ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بروز بدھ آپؒ کا وصال ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ بہاؤالدین زکریاؒ کے نواسے شیخ رکن الدینؒ نے پڑھائی۔ شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا کہ آج مجھے علم ہوا کہ چار سال سے دہلی میں رہنے کا جو حکم مجھے ہوا اُس کا مقصد یہی تھا۔[۲]

۲۔ جمال الدین ہانسویؒ:

جمال الدین ہانسویؒ بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے محبوب خلیفہ اور خلیفہ اول تھے۔

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۱۶۳۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیرُالاولیاء، ص: ۱۶۵۔

آپ جمال الدین ہانسویؒ کی محبت میں ۱۲سال تک ہانسی میں رہائش پذیر رہے۔ [۱]

بابا فرید گنج شکرؒ جب اپنے مرشد قطب الدین بختیار کا کیؒ کے وصال کے بعد ہانسی تشریف لے گئے تو ہانسی سے اجودھن رخصت ہوتے وقت جمال الدین ہانسویؒ کو ہانسی کی ولایت عطا کی۔ [۲]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

او جامع کمالات ظاہر و باطن بود و شیخ فرید الدین دوازدہ سال بحبت او
در ہانسی بود [۳]

وہ کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے اور شیخ فریدؒ اُن کی محبت میں ۱۲
سال تک ہانسی میں رہے۔

بابا فریدؒ آپ کی محبت میں فرمایا کرتے

جمال جمال ماست [۴]

جمال حقیقت میں ہمارا جمال ہے

بابا فریدؒ نے آپ کو یہ اعزاز بھی بخشا تھا کہ جس کو بھی خلافت نامہ دیتے اُسے تاکید کرتے کہ جمال الدین ہانسویؒ سے اس کی تصدیق ضرور کروائے۔ آپ کی تصدیق کے بغیر کسی کی خلافت تسلیم نہ ہوتی تھی۔

میر خورد کرمانی نے سیرُ الاولیاء میں کسی شخص کا واقعہ بیان کیا کہ اُس نے نہایت التماس و اصرار سے بابا فرید گنج شکرؒ سے خلافت نامہ حاصل کیا اور جب تصدیق کے لئے جمال الدین ہانسویؒ کے پاس لے گیا۔ تو انہوں نے اُسے پھاڑ دیا۔

---

۱ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۸۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُالاخیار، ص:۶۷ ، عبدالرحمٰن چشتی مرآۃُ الاسرار (اُردو)، ص:۸۰۳۔
۲ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۳۳۔
۳ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُالاخیار، ص:۶۷۔
۴ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۸ ، مرآۃُ الاسرار، ص:۸۰۳ ، اخبارُالاخیار، ص:۶۷۔

وہ شخص شکایت لے کر واپس اجودھن بابا فریدؒ کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا:

پارہ کردہ جمال رامن نتوانیم دوخت [1]

جمال کے چاک کئے کو میں نہیں سی سکتا

جمال الدین ہانسویؒ کی عظمت و بزرگی اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب شیخ فریدؒ نے اپنے محبوب خلیفہ نظام الدین اولیاءؒ کو ولایت ہند دے کر خلافت عطا کی تو ساتھ ہی فرمایا کہ اُسے ہانسی میں جمال الدینؒ کو دکھا دینا۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ، جمال الدین ہانسویؒ کا ذکر بہت محبت سے کرتے اور فرماتے تھے کہ جب خلافت ملنے سے پہلے جمال الدین ہانسویؒ سے ملنے جاتا تو آپ تعظیماً میرے لئے کھڑے ہو جاتے لیکن خلیفہ بننے کے بعد جب میں حاضر ہوا تو آپ بیٹھے رہے۔ میرے دل میں کھٹکا ہوا جسے وہ سمجھ گئے اور فرمایا: نظام الدین! پہلے میرے اور تمہارے درمیان اور سبب تھا لیکن اب ہم دونوں میں محبت ہو گئی ایک ہو گئے تو میرا کھڑا ہونا کیسے جائز ہے۔ [2]

صاحب مرآۃ الاسرار نے لطائف اشرفی کے حوالے سے آپ کا سلسلہ نسب امام ابو حنفیہ کوفیؒ سے ملنا بتایا ہے۔ [3]

جمال الدین ہانسویؒ ہانسی میں بیعت ہونے سے پہلے خطیب تھے جو ایک سرکاری عہدہ تھا۔ بابا فریدؒ سرکاری تعلق پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے شیخ جمال الدینؒ اس عہدہ سے دستبردار ہو گئے۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۸-۱۸۹۔

عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۸۰۳۔

بعد میں دوسرے تذکرہ نگاروں نے اس واقعہ کو کچھ ردوبدل کے ساتھ حضرت علاؤ الدین صابری کلیریؒ سے منسوب کر دیا۔ جس کی کوئی قدیم ماخذ تصدیق نہیں کرتا۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۱۸۹۔

[3] عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، ص:۸۰۳۔

عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار (فارسی) ص:۶۷، اخبار الاخیار (اُردو)، ص:۱۵۱۔

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اتفاقاً میں اور شیخ جمال الدینؒ اور کچھ دوسرے دوستوں کی جماعت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ وقت رخصت شیخ جمال الدینؒ نے ارادت کے اصولوں کے مطابق بابا فرید گنج شکرؒ سے وصیت کی درخواست کی۔ یہ اہل ارادت کا دستور ہے کہ جب سفر کا ارادہ کرتے ہیں تو وقت رخصت شیخ سے وصیت چاہتے ہیں۔ بابا فریدؒ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: فلاں شخص (میری طرف اشارہ کرتے ہوئے) کو اپنی مصاحبت میں خوش رکھنا۔[1]

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیخ جمال الدینؒ اس وصیت کے بموجب میرے ساتھ ہمیشہ مہربان رہتے تھے۔

ایک دفعہ جب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اجودھن جاتے ہوئے راستے میں ہانسی میں شیخ جمال الدینؒ سے ملاقات کی تو انہوں نے بابا فریدؒ کے لیے پیغام دیا کہ مجھے خرچ میں بہت عسرت و تنگی رہتی ہے میرے حق میں دعا کریں۔ بابا فریدؒ نے جواب میں فرمایا کہ جب کسی کو ولایت دی جاتی ہے تو اس کا بوجھ بھی اُٹھانا ہوتا ہے۔ سیرُ الاولیاء کے الفاظ ہیں کہ

اورا بگوئے چوں ولایت بکسے دادہ شود اورا جب است استمالت [2]

شیخ جمال الدینؒ خود ہانسی سے اجودھن کل سات دفعہ گئے۔[3] جب خود نہیں جاسکتے تو اپنی خادمہ کو جو شیخ جمال الدینؒ کی بہت مخلص اور خدمتگار تھیں۔ بابا فریدؒ بھی اُن کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے کو بطور قاصد بابا فریدؒ کی خدمت میں بھی بھیجتے تھے۔

ایک وقت بابا فریدؒ نے خادمہ سے پوچھا کہ ہمارا جمال کیسا ہے؟ خادمہ نے جواب دیا جب سے ہمارے خواجہ نے شیخ شیوخ العالم کی مریدی کی ہے۔ گاؤں، مال واسباب اور خطابت سب بالکل ترک کردیے ہیں۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۹، عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۸۰۳-۸۰۴۔

[2] سیرُ الاولیاء، ص:۱۹۰، استمالت کے معنی ہیں سب سے کٹ کر دل کا اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا۔

[3] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۷۷، امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۴۲۔

فاقہ اور مصائب نے اُن کے گرد گھیرا ڈال رکھا ہے۔
یہ سن کر بابا فریدؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "الحمد اللہ خوش مے باشد"[۱]
الحمد اللہ ہمیشہ خوش رہے گا۔

حکایت ہے کہ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے اپنے تمام مریدوں کے بدلے میں بابا فریدؒ سے جمال الدین ہانسویؒ کو لینا چاہا تو بابا فرید گنج شکرؒ نے فرمایا: مال کا تبادلہ ہوسکتا ہے۔ جمال کا نہیں[۲]

شیخ جمال الدینؒ بہت بڑے خطیب اور عالم تھے۔ آپ کی متعدد کتابیں اور اشعار ہیں جن میں سے دو دستبردِ زمانہ سے بچیں ہیں ایک فارسی دیوان[۳] اور دوسرا عربی رسالہ "ملهمات" ہے۔[۴]

شیخ جمال الدین ہانسویؒ کا وصال شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی حیات مبارک میں ہی ہوگیا تھا۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے مجذوب تھے خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی وہ نہایت دانشمندانہ باتیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے العلم حجابُ اللہ الاکبر، جب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اُن سے اس کی وضاحت پوچھی تو انہوں نے کہا جو چیز حقیقت سے جدا ہو حجاب بن جاتی ہے اور علم حق سے جُدا ہے۔ (علم حقیقت سے جُدا ہے)۔[۵]

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۹۰-۱۹۱۔
عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃُ الاسرار (اُردو)، ص:۸۰۴۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص:۱۵۲۔
۲۔ محمد غوثی شطاری، گلزارِ ابرار (قلمی) ص:۵۴ بحوالہ انوار الفرید، ص:۱۵۳۔
۳۔ اس دیوان کی ایک جلد غزلوں اور دوسری رباعیات اور قطعات پر مشتمل ہے۔ پیر جی رفیع الدین تحصیلدار دہلی نے چشمہ فیض پریس دہلی سے ۱۸۸۹ء میں اُسے شائع کیا۔ اس کا ایک نسخہ اپسالہ یونیورسٹی کی لائبریری میں مخلوطہ کی شکل میں ہے۔
۴۔ "ملهمات" عربی رسالہ ہے۔ جس میں کلمات کو نثر کی حیثیت میں جمع کیا گیا ہے۔ حکمت تصوف سے پُر اس رسالے کا انداز بیان دلنشین ہے۔ یوسفی پریس سے ۱۳۰۶ھ میں الور سے چھپی ہے۔
۵۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۹۴۔
عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃُ الاسرار (اُردو)، ص:۸۰۵۔

شیخ جمال الدین ہانسویؒ کی وفات کے بعد چھوٹے صاحبزادے بُرہان الدین صوفیؒ کم سن تھے۔آپ کی خادمہ آپ کو شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے پاس لے گئیں۔شیخ فریدؒ نے نہایت شفقت برتی اور بیعت وخلافت سے مشرّف کر کے وہ عصا اور مصلّٰی جو جمال الدین ہانسویؒ کو دیا تھا۔انہیں عطا کیا اور فرمایا کہ خواجہ نظامُ الدین اولیاءؒ کی صحبت میں تربیت پائیں۔

خادمہ نے عرض کیا خواجہ! برہان الدین ابھی بالا ہے۔(چھوٹا ہے)

بابا فریدؒ نے فرمایا: پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے۔یعنی چودھویں کا چاند بھی پہلے چھوٹا ہی ہوتا ہے اور بتدریج کمال کو پہنچتا ہے۔[1]

برہان الدین صوفیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔لوگ اصرار کر کے آپ سے بیعت ہونا چاہتے تو فرماتے! سلطان المشائخ جیسے شیخ زمانہ کے ہوتے ہوئے یہ میرے لئے جائز نہیں۔

آپ جب بھی سلطان المشائخ سے ملنے دہلی جاتے تو اپنے لباس کو معطر کر کے جاتے چاہے دن میں کتنی دفعہ سلطان المشائخ آپ کو بلاتے آپ ہر دفعہ ایسا ہی کرتے۔سلطان المشائخ آپ کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی ڈلواتے لیکن آپ حدِ ادب کی وجہ سے چارپائی پر نہ سوتے۔[2]

۳۔ مولانا بدرالدین اسحاقؒ:

مولانا بدرالدین اسحاقؒ دہلوی جلیل القدر خلیفہ گنج شکرؒ اور بہت عالم و فاضل انسان تھے۔آپ نے تقریباً بیس سال تک بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت کی۔آپ کے والد گرامی کا نام علی بن اسحاق دہلوی ہے۔[3]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۹۲-۱۹۳۔
عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۸۰۵-۸۰۶۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ۱۹۳-۱۹۴ ، عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۸۰۶۔

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبارُ الاخیار، ۶۶۔

آپ بابا فریدؒ کے خادم اور خلیفہ ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے۔آپ بابا فریدؒ کے خادم خاص تھے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی ذاتی خدمت کے علاوہ جماعت خانہ کا انتظام، خورد ونوش و رہائش، مسافروں، مہمانوں کی آسائش اور تعلیم وتربیت بھی آپ کے سپرد تھی۔ ہر نئے آنے والے کی بابا فریدؒ سے ملاقات کے لئے مولانا بدرالدین اسحاقؒ سے ضرور واسطہ پڑتا۔

دہلی میں تحصیل علوم کے بعد آپ علمی حلقے میں ممتاز ہو گئے لیکن چند علمی اشکال ایسی تھیں جو علماء دہلی حل نہ کر سکے۔اس لئے آپ بہت سی کتابوں کے ساتھ دہلی سے بخارا کے لئے روانہ ہوئے۔جب اجودھن پہنچے تو شیخ شیوخ العالم فریدُ الدین گنج شکرؒ کی شہرت سنی تو آپ کو بابا فریدؒ سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ آپ کے ایک عزیز نے آپ کو اس کا مشتاق بنایا۔آپ نے جب بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ سے ملاقات کی تو انہوں نے عین انہی علمی اشکال پر گفتگو فرمائی جو بدرالدین اسحاقؒ کے دل میں کھٹکتے تھے۔بابا فریدؒ کے انداز گفتگو، فصاحت وبلاغت نے سیدھا اُن کے دل پر اثر کیا اور آپ نے سوچا یہ بزرگ جن کے پاس کتابیں نہیں ہیں۔ان کا علم کسبی نہیں بلکہ علم لدنی ہے۔آپ کے مسئلے کا حل بابا فریدؒ کی سحر البیان تقریر نے کر دیا اور آپ نے بخارا جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اجودھن (پاک پتن) ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔اُسی وقت بابا فریدؒ سے بیعت ہوئے۔ [۱]

مولانا بدرالدین اسحاقؒ نے اپنے تمام علمی فضائل جنہیں حاصل کرنے میں آپ نے ایک عرصہ لگایا۔سب قربان کر دیا۔بقول شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

> جمیع فضائل را کہ کسب کردہ بود درحب کمالات اوگم کرد و عاشق جمال وکمال اوشد۔ [۲]

> یعنی اپنے تمام علوم وفنون ظاہر یہ کو شیخ کے پہلو میں دفن کر دیا اور اُن کے جمال وکمال کے شیدائی ہو گئے۔

---

۱ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۰ ، عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۸۰۰۔

۲ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، ص:۶۷۔

آپ بابا فریدگنج شکرؒ کی ایسی خدمت کرتے کہ ان جیسی دس خدمتگار بھی نہ کرسکیں۔ [۱]

جب بابا فرید گنج شکرحجرہ کا دروازہ بند کر لیتے تو آپ دروازے کے باہر بیٹھ کر دربانی کے فرائض انجام دیتے۔ [۲]

جس وقت بابا فریدؒ طلب کرتے فوراً حاضر ہوتے۔ایک مرتبہ بابا فریدؒ نے آپ کو بلایا آپ نماز پڑھ رہے تھے۔نماز کے دوران ہی آپ پکار اُٹھے "لبیک" [۳] آپ تعویزات لکھنے کے کام کے ساتھ ساتھ بابا فریدؒ کے فرمان کے مطابق خلافت ناموں کے مسودات بھی تیار کرتے تھے۔

آپ عشق الٰہی کی ایسی کیفیت میں رہتے تھے کہ ہر وقت آنکھیں اشکبار رہتیں ۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں میں زخم ہوگئے ۔ایک دن صاحب سیرُ الاولیاء کی دادی نے کہا مولانا اگر تم ایک دن تھوڑی دیر کے لئے آنسو روک لو تو میں ایسی دوائی لگاؤں زخم ٹھیک ہوجائیں تو آپ نے فرمایا: بہن! کیا کروں یہ آنسو میرے اختیار میں نہیں۔ [۴]

سلطان المشائخ فرماتے ہیں ۔کہ مولانا بدرالدینؒ نے میری روحانی تربیت کی اور مرشد کی حضوری کے آداب سکھائے۔

سلطان المشائخ آپ کو اتنا عزیز رکھتے تھے کہ جب تک مولانا بدرالدین اسحاقؒ زندہ رہے آپ نے اُن کے احترام کی وجہ سے کسی کو بیعت نہ کیا۔ [۵]

---

[۱] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۷۔

[۲] حامد قلندر، خیرُ المجالس، ص:۲۲۴۔

[۳] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۲۳۱۔

[۴] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۱۔

[۵] میر خورد کرمانی، سیرُالاولیاء، ص:۱۸۲-۱۸۳۔
عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۸۰۱۔

مولانا بدرالدین اسحاقؒ کی وفات کے بعد جب آپ کے اہل خانہ تکلیف کے دن گزار رہے تھے تو سلطان المشائخ ؒ نے انہیں دہلی بلوالیا اور اُن کی کفالت اپنی زیر نگرانی کی۔ [۱]

بابا فریدؒ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی بی بی فاطمہ کو آپ کے عقد میں دیا جن سے آپ کے دو صاحبزادے خواجہ محمد امامؒ اور خواجہ موسیٰؒ تولد ہوئے۔

آپ بہت سریع البکاء تھے۔ صبح کی نماز چاشت تک اپنے اورادووظائف گریہ زاری میں مکمل کرتے۔ جائے سجدہ آنسوؤں سے تر بتر ہوجاتی۔

ایک مرتبہ ایک بیت آپ کی زبان پر جاری تھی [۲] اور آپ عالم تحیر میں تھے۔ مغرب کی نماز میں جب شیخ فریدؒ نے آپ کو امامت کے لئے فرمایا تو آپ کی زبان پر قرأت کی جگہ وہ بیت جاری ہوگئی اور آپ بے ہوش ہوگئے جب ہوش میں آئے تو بابا فریدؒ نے آپ کو ہی امامت کا حکم دیا اور فرمایا:

باز در امامت شروع کن وحاضر باش [۳]

نماز شروع کرو اور حاضر ہو

اس کے بعد آپ نے احتیاط سے نماز پڑھائی۔

---

[۱] اس کی تفصیل مقالہ کے حصہ دوم ہی کے باب سوم اور فصل دوم میں آچکی ہے۔

[۲] وہ بیت یہ تھی۔

پیش سیاست غمش روح چہ نطق نمیزند
اے زہزارصعوہ کم پس تو نواچہ میزنی

ترجمہ: اس کے عشق کے غم میں روح تک نہیں بولتی۔ اے انسان! تیری ہستی ایک ممولا کے ہزارویں حصہ سے بھی کم تر ہے۔ پھر تو نالہ کیوں کرتا ہے۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۲۔

عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، ص:۶۶-۶۷۔

عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار: ص:۸۰۱-۸۰۲۔

[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیا، ص:۱۸۲۔

بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کی وفات کے بعد سجادہ نشین بدرالدین سلیمانؒ اور مولانا بدرالدین اسحٰقؒ کے درمیان حاسدوں نے غلط فہمیاں پیدا کر دیں تو مولانا بدرالدینؒ نے سید محمد کرمانی کے مشورے سے اجودھن (پاکپتن) کی قدیم جامع مسجد میں سکونت اختیار کر لی۔ شیخ فریدؒ کے چھوٹے فرزند خواجہ یعقوبؒ اور پوتے علاؤ الدینؒ اور دوسرے لوگ بھی مولانا بدرالدینؒ سے جامع مسجد میں کلام اللہ پڑھتے تھے۔ اخی مبارک جو شیخ فریدُ کا خادم تھا اور جسے آپ نے بی بی فاطمہؒ کے جہیز میں دے دیا تھا۔ وہ بھی آپ کی خدمت میں رہتا۔ [۱]

مولانا بدرالدین اسحاقؒ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنی زندگی میں ملک شرف الدین کبریٰ کو مولانا بدرالدینؒ سے بیعت کروایا۔ جو دیپالپور کا صوبہ دار تھا۔ [۲]

جب آپ کا وصال ہوا تو صبح کی نماز باجماعت ادا کی۔ بعد میں دریافت کیا اشراق کا وقت ہو گیا ہے۔ عرض کیا گیا جی ہاں تو نماز اشراق ادا کی پھر چاشت کے وقت دریافت کیا اور نماز چاشت میں سجدے میں ہی محبوب حقیقی سے جا ملے۔ [۳]

آپ کا وصال بابا فریدؒ کے وصال کے تین سال بعد ہوا۔ آپ کا مدفن اجودھن (پاکپتن) کی قدیم جامع مسجد میں ہے۔ آپ نے عربی گرائمر پر منظوم کتاب ''تعریف بدری'' لکھی جو ہر طالبعلم کی رہبر تھی۔ [۴]

---

۱ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۱-۱۸۲۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۵۔

عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۸۰۱۔

۳ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۸، مرآۃ الاسرار، ص:۸۰۳۔

۴ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۳۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبارُالاخیار، ۶۷۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس مولانا بدرالدینؒ کا دستخط شدہ ایک نسخہ اس کتاب کا موجود تھا لیکن اب ناپید ہے۔

۴۔ شیخ نجیبُ الدین متوکلؒ

شیخ نجیب الدین متوکلؒ بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی اور خلیفہ تھے۔ خلافت پانے کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہیں کے ہو رہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جب تحصیل علم کے لئے دہلی گئے تو انہوں نے آپ کے پڑوس میں ہی قیام کیا۔

آپ اسم بامسمّٰی متوکلؒ تھے آپ نے ستر برس تک توکل کیا۔ سلطان المشائخ بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے آپ کے پاس حاضر ہوتے۔[۱]

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ جیسا انسان زندگی میں نہیں دیکھا اس کے باوجود کہ آپ دہلی شہر میں ستر سال تک رہائش پذیر رہے لیکن نہ کوئی گاؤں پاس تھا نہ زمین اور نہ ہی وظیفہ لیتے تھے۔ اپنے اہل خانہ کے ساتھ توکل پر خوشی کے ساتھ بسر کرتے تھے۔[۲]

ایک مرتبہ عید کے روز کچھ درویش آپ کے مہمان بنے آپ گھر تشریف لے گئے۔ اہلیہ سے دریافت کیا کہ مہمانوں کے لئے کچھ ہے۔ دیکھا کہ گھر میں کچھ ایسی چیز بھی نہیں جس کو بیچ کر مہمانوں کی ضیافت کریں۔ آپ نے مہمانوں کو پانی پیش کیا اور معذرت کر کے خود چھت پر مشغول بحق ہو گئے۔ اس دوران ایک بوڑھے نے کھانے کا بھرا ہوا خوان پیش کیا اور کہا کہ آپ کے توکل کا نقارہ عرش پر بج رہا ہے۔ آپ نے کہا کہ بخدا! میں صرف مہمانوں کی وجہ سے اس کھانے کی طرف ملتفت ہوا ہوں۔ بعد ازاں آپ نے وہ کھانا اُس شخص کے کہنے پر اپنے اہل خانہ کو دے دیا۔[۳]

۱۔ ابو محمد سید عبد العزیز دہلوی، آثار دھلی، مطبع حقانی، دھلی، ۱۹۱۱ء، ص:۱۰۶۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۷۷ ، اخبارُ الاخیار، ص:۶۰ ، مرآۃُ الاسرار، ص:۷۹۸۔

۳۔ حامد قلندر، خیرُ المجالس، ص:۷۵ ، خیرُ المجالس (اُردو)، ص:۶۸-۶۹۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۷۷ ، عبد الحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، ص:۶۰۔

عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃُ الاسرار، ص:۷۹۸۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۳۶-۱۳۷۔

جس دن آپ کے گھر فاقہ ہوتا۔شہر کی بزرگ خاتون بی بی فاطمہ سامؒ کو کشف ہو جاتا اور وہ من یا آدھے من کی روٹیاں پکوا کر آپ کو بھیج دیتیں۔[۱] آثار دہلی میں مذکور ہے کہ بابا فریدؒ بزرگ خاتون (بی بی فاطمہ سامؒ) کو بہن کہتے تھے۔ ریل کی سڑک کے بائیں جانب درختوں کے جھرمٹ میں چھوٹی سی چاردیواری میں آپ کا مزار ہے ۱۸ شعبان کو عرس ہوتا ہے۔[۲]

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ آپ دُنیا سے بے خبر اور بھولے تھے۔ آپ بالکل نہ جانتے تھے کہ آج کون سا دن، کون سا مہینہ اور کتنے درہم ہیں۔[۳]

شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے کشف کا ذکر کرتے ہوئے سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ دہلی میں قیام کے دوران میں نے ایک دفعہ آپ سے استدعا کی کہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ کر میرے لئے دعا کریں کہ میں قاضی بن جاؤں لیکن آپ نے سنی ان سنی کر دی۔ جب میں نے دوبارہ ذکر کیا تو مسکرا کر فرمایا:

تو قاضی مشو چیزے دیگر شو[۴]

تم قاضی نہ بنو بلکہ کچھ اور چیز اختیار کرو

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے اصرار کے باوجود فاتحہ نہ پڑھی نہ دعا کی۔

---

[۱] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۷۸، مرآۃ الاسرار، ص:۷۹۹۔

[۲] آثار دھلی، ص:۸۶۔ بی بی فاطمہ سامؒ کا مدفن قصبہ اندرپت میں ہے۔

[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۷۷۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، ص:۶۰۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص:۱۳۶۔
عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۷۹۸۔

[۴] امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، ص:۲۸ ، امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، مترجم حسن نظامی دہلوی، ص:۱۶۳۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۷۸۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، ص:۶۰۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص:۱۳۶۔

آپ ہر سال اپنے بڑے بھائی سے ملنے بدایوں جاتے تھے۔اسی طرح ہر سال بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ سے اجودھن ملاقات کے لئے جاتے تھے۔ایک دفعہ ملاقات کے دوران گفتگو فرما رہے تھے کہ جب آپ نے بابا فریدؒ سے یہ پوچھا کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس ابدال آتے ہیں تو بابا فریدؒ نے فرمایا: تم بھی ابدال ہو۔ [۱]

آپ انیس بار بابا فریدؒ کے حضور اجودھن (پاکپتن) گئے۔ [۲]

جب انیسویں مرتبہ آپ بابا فریدِ گنج شکرؒ کی خدمت میں گئے تو آپ نے عرض کیا کہ میں انیس مرتبہ حاضر ہو چکا ہوں۔آپ حسبِ معمول بعد سورۂ فاتحہ دعا کریں کہ آئندہ سال پھر حاضر ہوں تا کہ بیس کا عدد پورا ہو لیکن جواب میں بابا فریدؒ نے سکوت فرمایا۔ [۳]

اس سال جب آپ دہلی پہنچے تو کچھ عرصے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

آپ کا مزار شہر کے باہر مندہ دروازے کے پاس ہے۔

آپ بابا فریدؒ کے وصال سے چند ماہ پیشتر ماہ رمضان میں وفات پا گئے۔

۵۔ مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ:

مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کے حقیقی بھانجہ تھے۔آپ بابا فریدؒ کی ہمشیرہ بی بی جمیلہ خاتون کے فرزند تھے۔ آپ کے والد کا اسمِ گرامی شیخ عبدالرحیمؒ بتایا جاتا ہے۔ [۴] جو

---

[۱] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۰، ص:۱۷۸۔

عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، ص:۶۰ ، عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص:۱۳۷۔

عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃُ الاسرار، ص:۶۹۹۔

[۲] امیر حسن سجزیؒ، فوائدُ الفواد، ص:۴۲ ، میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۰۔

[۳] امیر حسن سجزیؒ، فوائدُ الفواد، ص:۴۲، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۰، مرآۃُ الاسرار، ص:۶۹۹۔

[۴] وحید احمد مسعود، سوانح بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ ص:۲۵۴۔

شیخ عبدالوہاب کے صاحبزادے تھے اور شیخ عبدالوہاب عبدالقادر جیلانیؒ کے صاحبزادے تھے۔ بچپن میں والد کا سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو بابا فریدؒ کی سرپرستی میں دے دیا۔

بابا فریدؒ نے شروع میں لنگر خانے کا انتظام آپ کو دیا۔ آپ نے ۱۲ سال تک یہ ذمہ داری نبھائی۔ ایک دن بابا فریدؒ نے پوچھا! کیا تم خود بھی لنگر سے کچھ کھاتے ہو یا نہیں؟ آپ نے کہا میری کیا مجال جو آپ کی اجازت کے بغیر ایک دانہ بھی منہ میں رکھ سکوں۔ شیخ فرید گنج شکرؒ نے فرمایا کہ میرا شیخ علاؤالدین علی احمد صابرؒ ہے۔ اُس دن سے آپ کا لقب صابر مشہور ہو گیا۔ [1]

بابا فرید گنج شکرؒ نے آپ کو خلافت عطا کر کے کلیر کی طرف روانہ کیا۔ [2]

کلیر میں علماء وفضلا کی بڑی تعداد تھی۔ وہاں کے باشندوں نے آپ سے بے التفاتی برتی مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔ آپ مستجاب الدعا تھے۔ جو منہ سے نکلتا ہو جاتا تھا۔ ایک دن جامع مسجد کلیر میں لوگوں نے آپ کے ساتھیوں اور آپ کے ساتھ بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگلی صفوں سے ہٹایا تو کیونکہ آپ کی طبیعت جلالی تھی۔ آپ نے مسجد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تُو بھی رکوع کر اور وہ گر گئی۔ تقریباً چار سو لوگ مر گئے۔ [3]

صاحب سیرُ الاقطاب نے آپ کو بابا فریدؒ کا داماد بھی بتایا ہے۔ [4]

۱۔ اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب، مترجم معین الدین دردائی، ص: ۲۰۰۔

۲۔ کلیر اتر پردیش کے ضلع سہارن پور میں رڑکی کے قریب واقع ہے۔

آپ کے خلافت نامہ کے سلسلے میں مولانا جمال الدین ہانسویؒ سے منسوب خلافت نامہ چاک کرنے کا واقعہ جس کا ذکر مولانا جمال الدین ہانسویؒ کے ضمن میں آچکا ہے۔ قدیم مآخذ مثلاً سیرُ الاولیاء میں بھی یہ واقعہ ہے مگر اُس میں آپ کا تذکرہ نہیں۔ بعد میں لکھنے والوں مثلاً صاحب سیرُ الاقطاب، مرآۃُ الاسرار اور اقتباسُ الانوار وغیرہ میں اس کو آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا جو غلط ہے کیونکہ ہانسی میں قیام کے دوران مولانا جمال الدینؒ نے بھی آپ کی تعلیم و تربیت میں حصہ لیا اور شیخ علاؤالدین صابرؒ اُن کا احترام کرتے تھے۔

۳۔ شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار، ص: ۱۸۶۔

۴۔ اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب، مترجم معین الدین دردائی، ص: ۱۹۹۔

آپ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ جاری ہوا۔ آپ بابا فریدؒ کے خاص اور اوّلیں مریدوں میں سے ہیں لیکن بدقسمتی سے قدیم ترین مآخذ آپ کے بارے میں خاموش ہیں۔ آپ کے ہمعصر مورخین اور تذکرہ نویس اس بارے میں تفصیلی ذکر نہیں کرتے۔

سیرُ الاولیاء میں ایک بزرگ شیخ صابرؒ کے بارے میں اجمالی ذکر آیا ہے کہ آپ ایک مضبوط اور صاحب نعمت درویش تھے اور شیخ گنج شکرؒ کے مرید تھے۔

بابا فریدؒ سے بیعت ہونے کے بعد وقت رخصت بابا فریدؒ نے آپ کے لئے فرمایا: اے صابر تم عیش کی زندگی گزاروگے۔ [1]

اسی طرح صاحب اخبارالاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے سیرُ الاولیاء کے حوالے سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ شیخ صابرؒ وہ نہیں ہیں جو شیخ علی صابر تھے اور جو شیخ گنج شکرؒ کے داماد اور خلیفہ تھے جن کا مزار کلیر شریف میں ہے۔ اور جن تک شیخ عبدالقدوسؒ وغیرہ کا سلسلہ پہنچتا ہے۔ سیرُالاولیاء میں شیخ علی صابرؒ کا نہیں بلکہ شیخ صابرؒ کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے تذکرے کو حذف کرنا تعجب سے خالی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ شیخ صابرؒ سے شیخ علی صابرؒ ہی مراد ہوں۔ [2]

آپ کو سلطان المشائخؒ کا ہمعصر کہا جاتا ہے۔ آپ سلطان المشائخؒ کی اجودھن آمد سے پہلے کلیر روانہ ہوگئے تھے۔ آپ پر استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ اس لئے قیام اجودھن میں گنج شکرؒ کی مجالس میں کم شریک ہوتے تھے۔

1۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۱۹۵۔

2۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُالاخیار، ص: ۶۹۔

عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُالاخیار (اُردو)، مترجم، مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل، ص: ۱۵۴-۱۵۵۔

نوٹ: صاحب اخبارالاخیار کے بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شیخ علی صابرؒ بابا فریدؒ کے داماد اور خلیفہ تھے اور یہ وہی ہیں جن کا مزار کلیر شریف میں ہے۔ تاہم سیرُ الاولیاء میں مزکور شیخ علی صابرؒ کے بارے میں وہ متذبذب ہیں کہ یہ وہی شیخ علی صابرؒ ہیں جن سے سلسلہ چشتیہ صابریہ جاری ہوا یا کوئی اور بزرگ ہیں۔

آپ کے بارے میں لٹریچر کی بہتات شاہجہاں کے دور سے شروع ہوئی۔ [۱]

آپ کی وفات کے کئی سال بعد آپ کی قبر کلیر میں دریافت ہوئی۔ آپ کا مزار کلیر شریف میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ اگرچہ آپ کے تفصیلی حالات قدیم مآخذوں میں نہیں ہیں۔ لیکن اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بانی آپ ہیں اور اس وجہ سے آپ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

کئی ایسے بزرگ اور ایسی ہستیاں ہیں جن کے حالات سے آگاہی ہمیں نہیں لیکن اُن کی عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بعد میں لکھنے والوں نے کچھ ایسے حالات تحریر کئے جو آپ کے شایان شان نہیں جس سے شکوک وشبہات پیدا ہو گئے۔ لیکن سلسلہ چشتیہ صابریہ کا وجود آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔ اس سلسلے کو خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ نے آگے بڑھایا۔

۶۔ مولانا فخر الدین صفاہانیؒ:

سیرُ الاولیاء میں آپ کا سرسری ذکر ہے۔ [۲] جس سے علم ہوتا ہے کہ آپ بابا فریدؒ کے خلیفہ تھے۔ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بعد میں بلگرام میں رہائش پذیر ہو گئے۔ لوگ آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔

۱۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ آپ کے بارے میں لٹریچر کی بہتات شاہجہان کے دور میں ہوئی جب سیرُ الاقطاب کے مصنف نے آپ کے اور اُن حالات کے بارے میں لکھا جن میں آپ کی وفات کے کئی سال بعد کلیر میں آپ کی قبر دریافت ہوئی۔ ساتھ ہی وہ لکھتے ہیں کہ سلسلہ صابریہ چشتیہ اُس وقت ظاہر ہوا جب شیخ احمد عبدالحقؒ (متوفی ۸۳۷ھ/ ۱۴۳۷ء) نے بمقام رودلی ضلع بارہ بنکی میں ایک بہت بڑا آستانہ تصوف قائم کیا۔ اور سلسلہ کی تعلیمات کی اشاعت کی۔

نوٹ:۔ سیرُ الاولیاء، ص: ۱۹۵ میں شیخ صابرؒ کے درویشی میں ثابت قدم اور مستجاب الدعوات ہونے کا ذکر ہے۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۵۵-۳۵۶۔

۷۔ شیخ عارفؒ:

آپ بھی بابا فریدؒ کے خلیفہ تھے۔سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ کو بابا فریدؒ نے سیوستان اور اُس کے اطراف میں بھیجا اور بیعت کی اجازت بھی دی۔[1]

سیرُ الاولیاء میں آپ کے بیعت ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ اوچ وملتان کے حاکم نے شیخ عارفؒ کے ہاتھ (۱۰۰) سو اشرفیاں بابا فریدؒ کے حضور بھیجیں۔شیخ عارفؒ نے اُن میں سے پچاس خود رکھ لیں اور پچاس بابا فریدؒ کو پیش کیں۔

بابا فریدؒ مسکرائے اور فرمایا:

عارف قسمت برادروار کردی۔

یعنی عارف! تم نے خوب برادرانہ تقسیم کی۔

اس پر شیخ عارفؒ شرمندہ ہوئے۔فوراً پچاس اشرفیاں بلکہ اس میں اضافہ بھی کر دیا اور بابا فریدؒ کے حضور پیش کیں اور بیعت ہونے کی درخواست کی جو بابا فریدؒ نے قبول کی اور آپ کو خلافت عطا کر کے سیوستان بھیج دیا۔[2]

آپ نے باقی زندگی انتہائی ریاضت وعبادت میں گزاری۔

سیرُ الاولیاء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے بصد اصرار بابا حضورؒ کو یہ کہہ کر خلافت نامہ واپس کر دیا کہ یہ بہت نازک منصب ہے۔میں اس کا بار نہیں اُٹھا سکتا۔میرے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے مجھ پر نظر کرم کی۔چنانچہ خلافت نامہ واپس کر کے آپ بابا فریدؒ کی اجازت سے مکہ مکرمہ چلے گئے پھر واپس نہیں آئے۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۹۴۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۹۴۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ۲۱۵۔

آپ کا تذکرہ سیرُ الاولیاء، فوائدالفواد، اورسیرُ العارفین میں ہے۔[۱]

۸۔ مولانا حمیدؒ

مولانا حمیدؒ بنگال کے داروغہ طغرل کی ملازمت کرتے تھے۔[۲] آپ دہلی کے معروف عالم تھے۔

ایک دن مولانا حمیدؒ طغرل کے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے کہ ایک لطیف صورت ظاہر ہوئی اور اُن سے پوچھا کہ تم اس طرح ہاتھ باندھے کیوں کھڑے ہو؟ پھر وہ صورت غائب ہوگئی۔آپ حیران رہ گئے۔اس وقت وہ صورت پھر سامنے آئی اور اپنا سوال دھرایا۔آپ سوچنے لگے کیا معاملہ ہے۔سر اُٹھا کر دیکھا تو وہ صورت فضا میں معلق نظر آئی اُس نے پھر سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں ہاتھ باندھے اس لئے کھڑا ہوں کہ یہ میرا مالک ہے۔اور میں اس کا تنخواہ دار ملازم ہوں۔اُس صورت نے کہا

تو عالم اوجاہل تو حرے اوبندہ تو صالح واوفاس[۳]

یعنی تو عالم وہ جاہل تو آزاد وہ غلام تو صالح اور وہ فاسق

تیرا اس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا جائز نہیں۔

مولانا حمیدؒ یہ سن کر طغرل کی ملازمت چھوڑ کر دہلی اور پھر اجودھن بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔بیعت ہوکر تکمیل سلوک کے بعد خلافت پائی۔

۱؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۹۴-۱۹۵۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۲۱۵-۲۱٦۔

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۵۵-۵٦۔

۲؎ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۲۰۴۔

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۵۴۔

۳؎ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۲۰۴۔

ایک دن بابا فریدؒ نے آپ سے فرمایا:

تو ایں زماں مثل ستارہ شدی کہ ستارہ درمقابل مہتاب نور نہ دہد[1]

یعنی ابھی تم مثل ستارہ ہو اور ستارہ چاند کے سامنے روشنی نہیں دیتا۔

اس لئے انہیں کیلوکھری جانے کا حکم دیا۔ اتفاق سے مولانا حمیدؒ کے کچھ دوست بیت اللہ شریف جانے کے لئے تیار ہو گئے تو مولانا حمیدؒ نے بابا فریدؒ سے بیت اللہ جانے کی اجازت چاہی بابا فریدؒ نے اجازت دے دی۔ آپ زیارت بیتُ اللہ کے بعد واپس آتے ہوئے وصال کر گئے۔

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ مردان حق کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی وعظ بھی کرتے تھے۔[2]

۹۔ قاضی منتخب الدینؒ

قاضی منتخب الدینؒ، شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ بعض نے آپ کو شیخ جمال الدینؒ کا بھانجہ لکھا ہے۔

بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا اور اشارہ غیبی سے دولت آباد (دکن) بھیجا۔ وہاں متعصب ہندوؤں اور اسلام دشمن عناصر کے باوجود آپ استقلال سے اشاعت دین اور تبلیغ کرتے رہے اور بہت سے لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔

نیا خلافت نامہ جسے دیا جاتا بابا فریدؒ ان سے بھی تصدیق کرواتے۔ جیسے کہ سیرُ الاولیاء میں سلطان المشائخؒ کی خلافت کا واقعہ درج ہے جس میں بابا فریدؒ نے سلطان المشائخؒ کو ہدایت کی تھی کہ اسے جمال الدین ہانسویؒ اور قاضی منتخب الدینؒ کو دکھا دیں۔[3]

۱۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۲۰۴-۲۰۵۔

۲۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۲۰۴-۲۰۵، حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۵۵ میں بھی آپ کا ذکر ہے۔

۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۲۶۔

آپ کا وصال دکن میں ہی ہوا اور آپ کا مزار مبارک بھی دولت آباد (دکن) میں ہے۔

شیخ بُرہان الدین غریبؒ آپ کے برادر حقیقی تھے اور اس کے علاوہ سلطان المشائخؒ کے محبوب خلیفہ اور مرید بھی تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھائی برہان الدین غریبؒ نے آپ کے کام کو دولت آباد میں آگے بڑھایا۔

۱۰۔ شیخ بدرالدین سلیمانؒ

آپ بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کے فرزند اور سجادہ نشین تھے۔ آپ کا تفصیلی ذکر باب سوم، فصل دوم، اولادِ امجاد کے تحت آچکا ہے۔

حصہ سوم

سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام

باب اول:	شیخین سے اکتساب فیض اور شیخین کی دُعا کا ثمر
باب دوم:	بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ بحیثیت امام سلسلہ چشتیہ
باب سوم:	بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ بحیثیت مبلّغ اسلام
باب چہارم:	بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا روحانی نظام
باب پنجم:	بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا شخصیت و کردار و تعلیمات
فصل اول:	شخصیت و کردار
فصل دوم:	تعلیمات
باب ششم:	بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ بحیثیت عالم
باب ہفتم:	بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ بحیثیت شاعر
فصل اول:	بابا فرید گنج شکرؒ بحیثیت عربی، فارسی، اُردو/ہندوی، پنجابی شاعر
فصل دوم:	کلام بابا فریدؒ اور گرونانک کی گرنتھ صاحب
فصل سوم:	موضوعات کلامِ بابا فریدؒ
فصل چہارم:	کلام بابا فریدؒ (جو گروگرنتھ صاحب میں پایا جاتا ہے)
فصل پنجم:	کلام بابا فریدؒ (جو گروگرنتھ صاحب سے باہر ہے)

(حصہ سوم)

سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام

حصہ سوم "سلسلہ چشتیہ میں بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا مقام" اس مقالے کا اصل موضوع ہے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کے سلسلہ چشتیہ میں مقام کے تعین کے لئے ضروری تھا کہ اس سلسلے کا تعارف اور بابا فرید گنج شکرؒ کی حیات مبارک کا اجمالی جائزہ لیا جائے کیونکہ اس آگاہی کے بغیر بابا فریدؒ کے مقام کا تعین تشنہ تھا۔

بابا فریدؒ کے مقام کا اصل تعین اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ کہ اس سرزمین برِ عظیم پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ پہلی نظر میں ہی یہ پیشن گوئی کررہے ہیں کہ

"بختیار شہباز عظیم بقید آوردہ اید کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نہ گیرد۔
این فرید شمع ایست کہ خانوادۂ درویشاں متور سازد۔"[۱]

بختیار! شہباز عظیم تمہاری گرفت میں آیا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے علاوہ
کہیں قرار نہ پکڑے گا۔ فرید ایک ایسی شمع ہے جس سے خاندان درویشاں روشن رہے گا۔

اور سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ کی یہ پیشن گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ اگر خواجہ معین الدین چشتیؒ سلسلہ چشتیہ کے مہر درخشاں تھے تو بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ اس سلسلہ کے بدر کامل اور شہباز طریقت تھے۔

۱۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۲۳۔
دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء، ص:۱۳۲۔

باب اول:

شیخین سے اکتساب فیض اور شیخین کی دُعا کا ثمر

سلسلہ چشتیہ میں بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کو یہ اعزاز اور مقام بھی حاصل ہے کہ آپ کو مرشد اور مرشد کے مرشد نے بیک وقت فیض سے نوازا۔ اس سے پہلے نہ بعد میں کوئی بزرگ ایسا گزرا جسے مرشد اور مرشد کے مرشد نے بیک وقت باطنی نعمت سے نوازا ہو۔ میر خورد کرمانی نے سیرُ الاولیاء میں اس طرح بابا فریدؒ کو نذرانہ پیش کیا۔

بخشش کونین از شیخین شد درباب تو
بادشاہی یافتی زیں بادشاہاں زماں
مملکت دنیا و دیں گشتہ مسلم مرترا
عالم کن گشتہ اقطاع تو اے شاہ جہاں۔[1]

دو بزرگ شیخوں کی دونوں جہاں کی بخشش آپ کو عطا ہوئی۔ آپ نے اپنے عہد کے بادشاہوں سے بادشاہی پائی۔ دین اور دنیا کی بادشاہی آپ کی ہے۔ دراصل ساری کائنات ہی آپ کے لئے ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر شریف میں ہی مقیم تھے۔ لیکن وہ اپنے جانشین خلیفہ اکبر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ملنے دہلی جایا کرتے تھے اور سلسلے کی ترویج اور مریدین کی باطنی تکمیل کے بارے میں ہدایات بھی دیتے رہتے تھے۔

بابا فریدؒ اپنے مرشد قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیر نگرانی سلوک کے مراحل طے کر رہے تھے۔ وہ ایک حجرہ میں قیام پذیر تھے۔ ایک دفعہ جب خواجہ خواجگان معین الدین چشتیؒ دہلی تشریف لے گئے تو قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ نے آپ کی خدمت میں اپنے مرید پیش کئے۔ آپ نے ہر ایک کو اُس کی

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۸۲۔

صلاحیت کے مطابق باطنی نعمت عطا کی پھر آپ نے بختیار کاکیؒ سے پوچھا تمہارے مریدوں میں سے کوئی اور بھی رہ گیا ہے۔ بختیار کاکیؒ نے فرمایا: مسعود نامی ایک درویش ہے جو چلّہ میں ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا: آؤ اس سے مل لیں۔ پھر دونوں بزرگ فریدُالدین مسعودؒ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔

بابا فریدؒ ضعف کی وجہ سے تعظیماً کھڑے نہ ہو سکے اور سر زمین پر رکھ دیا۔ خواجہ معین الدینؒ نے فرمایا: قطب الدین اس بے چارے کو مجاہدہ کی آگ میں کب تک جلاؤ گے؟ آؤ ہم دونوں اسے کچھ بخش دیں پھر دایاں بازو پکڑ کر اُٹھایا اور بایاں قطب الدین بختیار کاکیؒ نے پکڑا اور خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: الٰہی فرید کو قبول کر اور کامل ترین درویشوں کے مرتبہ پر پہنچا۔ آواز آئی کہ میں نے فرید کو قبول کیا۔ فرید وحید عصر ہوگا۔ [۱]

میر خورد کرمانی اس واقعہ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ خواجہ معین چشتیؒ نے فرمایا:

بختیار ایں جواں راچند از مجاہدہ خواہی سوخت چیزے بخشش کن دو [۲]

قطب عالمؒ نے فرمایا: آپ کے سامنے کچھ بخش دینے کی میری کیا مجال ہے۔

معین الدین چشتیؒ نے فرمایا: اس کی توجہ صرف تجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ کہہ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا: بختیار تم بھی کھڑے ہو جاؤ تا کہ ہم دونوں مل کر بخشش کریں چنانچہ بابا فریدؒ کے دائیں طرف خواجہ معین الدین چشتیؒ اور بائیں طرف قطب عالمؒ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی توجہ سے بابا فریدؒ کو باطنی نعمتیں عطا کیں اور دعا کی۔

---

۱ اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی)، ص: ۱۶۵-۱۶۶۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۸۲۔

شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار (اُردو)، ۴۴۴-۴۴۵۔

علی محمود بن جاندار، درر نظامی، ص: ۱۲۵۔

باب دوم:

بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ بحیثیت امام سلسلہ چشتیہ

بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے یہ بات درست ثابت ہوتی ہے کہ بقول خواجہ معین الدین چشتیؒ وہ ایسی شمع ہدایت ثابت ہوئے جس نے کفرستان ہند کو اپنی تجلیوں اور حسن عمل و حسن خلق سے نہ صرف دور دور تک متور کیا بلکہ سلسلہ چشت کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔

بقول شیخ محمد اکرم

> چشتیہ سلسلے کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ نے دہلی میں رونق دی تھی۔ لیکن خطہ ہندو پاکستان میں اس سلسلے کو اصل وسعت و استحکام بابا فریدؒ کی ذات بابرکات سے نصیب ہوا۔ فی الحقیقت انہیں اس سرزمین میں سلسلہ چشتیہ کا مؤسس ثانی کہا جاسکتا ہے۔[۱]

بابا فریدؒ صحیح معنوں میں سلسلہ چشتیہ کے مجدد اور آدم ثانی ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ اور قطب الدین بختیار کا کیؒ کا وصال چند ماہ کے وقفوں سے ایک سال کے اندر ہوا تو سلسلہ کی بھاری ذمہ داری بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ پر آگئی۔ آپ نے اس ذمہ داری کو احسن طریقہ سے نبھایا اور سلسلے کی اشاعت کا کام عمدگی سے انجام دے کر اُسے بام عروج تک پہنچا دیا۔

بابا فریدؒ خرقہ خلافت زیب تن کرنے کے بعد مرشد کی ہدایت کے مطابق دہلی میں قیام پذیر تو ہوئے لیکن اُن کی دوررس نگاہوں نے محسوس کر لیا کہ دہلی میں مستقل قیام سلسلہ کے حق میں زیادہ بہتر نہیں۔ سر ہنگامی شخص کا واقعہ بہانہ بنا[۲] اور آپ نے اپنا دہلی میں مستقل قیام کا ارادہ ترک کر دیا۔ آپ کا یہ قدم سلسلہ چشتیہ کے وسیع تر مفاد کے حق میں ثابت ہوا اور سلسلہ چشتیہ دہلی کی سیاست کا شکار ہونے سے بچ گیا۔

۱۔ شیخ محمد اکرم، آب کوثر، ایڈیشن نواں، سراج محمد پریس، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۲۳-۲۲۴۔

۲۔ اس واقعہ کی تفصیل مقالہ کے حصہ دوم، باب دوم میں آچکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

جیسا کہ دوسرے بزرگان چشت اور علماء وصوفیہ جو دہلی میں قیام پذیر تھے اُس سیاست کا شکار ہونے سے نہیں بچ سکے۔ مثلاً قاضی منہاج السراج، مولانا نورترک، شیخ بدرالدین غزنویؒ وغیرہ۔

ان حالات میں بابا فریدؒ نے چشتی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے دہلی کی رونقوں کو چھوڑا اور ارباب حکومت کی سیاست اور تعلق سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے ویرانوں کا رخ کیا۔ ارباب حکومت سے میل جول رکھنا چشتی اصولوں کے خلاف تھا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ اور قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی ان اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔ دوسری طرف بدرالدین غزنویؒ جیسے ذی مرتبہ بزرگ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے وصال کے بعد سلطنت دہلی کی سیاست اور سازشی ماحول کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے اور نتیجۃً دہلی میں چشتیہ سلسلے کا نظام بدرالدین غزنویؒ کے ذریعے ترقی نہ کر سکا۔ جب تک بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کے تربیت یافتہ درویش اور بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے دہلی میں یہ ذمہ داری نہ سنبھال لی۔

بابا فریدؒ یہ نصیحت کرتے کہ

لَوْاَرَدْتُمْ دَرَجَةَ الْكِبَارِ فَعَلَيْكُمْ بِعَدَمِ الْاِلْتِفَاتِ اِلٰى اَبْنَاءِ الْمُلُوْكِ [1]

اگر تم روحانی مراتب میں بلندی چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ سلاطین کی اولاد کی طرف توجہ نہ کرنا۔

اسی طرح جب بدرالدین غزنویؒ [2] نے حالات سے پریشان ہو کر آپ کو خط لکھا کہ دیوان صاحب

---

۱ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۷۵۔

۲ شیخ بدرالدین غزنویؒ غزنین کے رہنے والے تھے۔ لاہور سے دہلی آئے اور قطب الدین کاکیؒ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ آپ ذی مرتبہ بزرگ اور قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ بھی ہیں۔

دہلی میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کا کام آپ کے ذمہ تھا لیکن مُرشد کے وصال کے بعد دہلی کے حالات کا شکار ہو گئے جس سے اشاعت کا کام متاثر ہوا۔

کے ایک ملازم نے میرے رہنے کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کروائی اور درویشوں کے لئے سامان ونعمتیں مہیا کیں۔ اب وہ حساب کتاب میں پکڑا گیا ہے۔ ملتمس ہوں کہ دعا کے ذریعے میری مدد فرمائیں تا کہ وہ چھٹکارا پائے اور درویشوں کا کام درست ہو۔ [۱]

بابا فرید گنج شکرؒ نے جواب میں فرمایا:

عزیز الوجود کا خط ملا پڑھ کر خوشی ہوئی اور حالات سے آگاہی ہوئی جو اپنے پیر ومرشد کی روش پر نہیں چلتا تو ضروری ہے کہ اُسے غم دنیا سے چین نہ ملے ہمارے پیران عظام میں کون ایسا ہوا ہے جس نے اپنے لئے خانقاہ بنوائی اور اس میں جلوس فرمایا ہو حتیٰ کہ شیخ بدرالدین غزنویؒ ہوئے جو بختیار اوشیؒ کے مرید وخلیفہ ہیں ان کی اور اُن کے پیرومرشد معین الدین چشتیؒ کی عادت روش نہ تھی کہ اپنے لئے خانقاہ بنوائیں اور دکان پیری لگا کر بیٹھیں بلکہ جہاں کہیں وہ گئے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا هر که بر سیرت پیران خود نه رود هم چنین باشد [۲]

یعنی جو کوئی اپنے پیرومرشد کی سنت پر نہیں چلا اُس کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

الغرض آپ کے مدبّرانہ فیصلہ نے سلسلہ چشتیہ کو دہلی تک محدود نہیں رکھا بلکہ برعظیم پاک وہند کے گوشہ گوشہ میں اس کے اثرات پہنچے اور طول وعرض سے عقیدتمند اُس ویرانے کا رُخ کرنے لگے۔ جہاں سانپ اور بچھوؤں کا ڈیرہ تھا۔ وہ لوگ اُس دور کے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اس شمع حق اور شہباز طریقت کی خدمت میں پروانہ وار حاضر ہوئے اور بیعت وتربیت سے مشرف ہوئے۔

۱۔ آپ ملک نظام الدین خزانچی (خریطہ دار) سے وابستہ ہو گئے۔ اُس نے آپ کے لئے خانقاہ تعمیر کروائی اور آپ کے جملہ اخراجات کا کفیل بن گیا۔ ایک غبن کے مقدمہ میں مطلوب ہوا تو بدرالدین غزنویؒ کے لئے بھی پریشانی بن گئی۔ آپ کو احساس ہوا اور آپ نے بابا فریدؒ کی طرف اجودھن میں خط تحریر کر کے مدد اور دعا کی درخواست کی۔

۲۔ امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، ص:۷۹، حامد قلندر، خیر المجالس، ص:۱۸۸۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین: ص:۵۱۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جو علمی استعداد میں یکتا تھے۔آپ کے نادیدہ عاشق بن گئے [۱] اور آپ کی طرف دہلی جیسے شہر کو چھوڑ کر کھچے چلے آئے۔

بدرالدین اسحٰقؒ جو تحصیل علوم کے بعد دہلی کے علماء میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔اپنے چند علمی اشکال کے حل کی خاطر کتابوں کے انبار کے ساتھ بخارا کی طرف قصد کرتے ہیں لیکن اجودھن میں اس عظیم صوفی اور ولی کامل کی ایک ملاقات نے اُن کی زندگی بدل کرر کھ دی اور سارے سوالات کا جواب مل گیا۔بابا فریدؒ کی پاکیزہ شخصیت کے سحر نے انہیں ایسا جکڑا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اُن کے دامن سے اس طرح وابستہ ہو گئے کہ خادم اعلیٰ کہلائے اور عشق الٰہی کا جام پیا۔[۲] آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ فوائد الفواد میں ناگور سے ایک خاتون کا بابا فریدؒ کی خدمت میں تحائف بھیجنے کا ذکر بھی ہے۔ [۳]

معین الدین چشتیؒ کے نبیرہ مولانا وحید الدین اجمیر سے آپ کی خدمت میں بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ [۴]

نیشاپور سے محمد شاہ کرمانیؒ، سمرقند سے رکن الدینؒ، غور سے محمد شاہؒ، اصفہان سے فخر الدین صفاہانیؒ، سیستان سے شیخ احمدؒ، شیخ عارفؒ، کابل سے حسام الدینؒ، مکہ شریف سے علیؒ اور وسط ہند سے علی بہاریؒ اودھ سے داؤد پائیؒ، ناگور سے شرف الدینؒ اور ان جیسی لاکھوں ہستیاں دور دنزدیک سے آکر فیض پانے لگیں۔

شاہان وقت آپ کے در پر حاضری باعث سعادت سمجھتے اور اپنی کامیابیوں اور تمناؤں کی تکمیل کی دعا آپ سے کرواتے۔ [۵]

۱۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۱۰۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۱۸۰-۱۸۸۔

۳۔ امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، ص:۱۸۸-۱۸۹۔

۴۔ امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، ص:۲۳۸۔

۵۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۸۹-۹۰۔

ایک دفعہ سلطان ناصر الدین جب اوچ وملتان کی طرف لشکر سمیت گیا تو اجودھن پہنچتے ہی سارا لشکر بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی زیارت کے لئے اُمڈ پڑا۔ وہ مقام جہاں آپ رہائش پذیر تھے۔ خلق کے ہجوم کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ اس وقت آپ کی آستین مبارک گلی کی طرف لٹکائی گئی۔ لوگ آستین کو بوسہ دے کر گزر جاتے تھے پھر بھی آستین کی یہ حالت ہوگئی کہ تار تار ہوگئی۔ [۱]

بابا فرید گنج شکرؒ کا دور اسلامی تصوف کا درخشندہ دور تھا۔ آپ کے دور میں جب ہم آپ کے ہمعصر صوفیاء عظام کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ نہ صرف برعظیم پاک وہند میں شیخ عبدالقادر جیلانی [۲] اور شیخ ابوالحسن علی الشاذلیؒ جو ''قادریہ اور شاذلیہ'' سلسلوں کے بانی ہیں اور خواجہ معین الدین چشتیؒ اور شہاب الدین سہروردیؒ جو چشتیہ اور سہرودیہ سلسلوں کے مؤسس ہیں اور شیخ سعد الدین حمویہؒ اور شیخ سیف الدین باخرزیؒ اور ان کی طرح دیگر صوفیاء عظام جیسی ہستیاں پوری آب وتاب کے ساتھ نظر آتی ہیں بلکہ برعظیم پاک وہند سے باہر ابن عربیؒ، شیخ سعدیؒ، جلال الدین رومیؒ اور فرید الدین عطارؒ جیسے شہرہ آفاق نام اسلامی تصوف کی دُنیا کو مسخر کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسا دور جس میں آسمان تصوف پر ایسی ہستیاں ایک ساتھ چمکتی دمکتی نظر آئیں نہ کبھی پہلے آیا نہ بعد میں۔ اس بات کی گواہی تاریخ کے مشاہدے کے بعد ملتی ہے۔

بقول ضیاء الدین برنی

> یہ عہد ایسے مشائخ کی موجودگی سے مزین اور مشرف تھا کہ ان جیسی ہستی مدت میں ایک پیدا ہوتی ہے۔ [۳]

۱؎ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۸۹۔

امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، ص:۱۴۵-۱۴۶۔

۲؎ عبدالقادر جیلانیؒ کا وصال بابا فریدؒ کی ولادت سے تقریباً تیرہ چودہ سال پہلے ہوگیا تھا لیکن دور وہی تھا اور سلسلہ جاری تھا۔

۳؎ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مترجم، ڈاکٹر سید معین الحق، ص:۱۹۳۔

اس کے ساتھ ہی پھر وہ شیخ فرید گنج شکرؒ کا ذکر کرتے ہوئے مثال پیش کرتا ہے۔

مثلاً اس عہد کے ابتدائی دور میں شیخ شیوخ العالم فرید الدین مسعود بہ قید حیات تھے۔ وہ قطب عالم مدار جہاں تھے۔ اس خطہ زمین کے لوگوں کو انہوں نے اپنی پناہ اور سائے میں لے لیا تھا۔۔۔ ان کے قرب اور برکت انفاس کی وجہ سے لوگ دین و دنیا کی مصیبتوں سے نجات پاتے تھے اور جو اس کے اہل تھے ان کی ارادت کے ذریعے بلند مراتب حاصل کرتے تھے۔[1]

ان تمام ہستیوں نے اپنے سلسلوں اور اشاعت دین کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ لیکن بابا فرید الدین گنج شکرؒ ان سب میں ایک سورج کی طرح نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے حسن عمل و کردار سے سلسلہ چشتیہ کو جو دوام بخشا وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ آپ کے لگائے ہوئے پودے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جیسے تناور اور ایسے سایہ دار درخت بنے کہ مخلوق خدا آج تک اُن کے فیض سے سکون پاتی ہے۔

اُسی دور میں بابا فریدؒ کی خانقاہ سے تھوڑی دور سہروردی خانقاہ ملتان میں تھی لیکن دونوں کے حالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ بابا فریدؒ عالم باعمل اور صوفی باصفا تھے۔ آپ کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلا رہتا جبکہ سہروردی خانقاہ ہر ایک کے لئے نہیں تھی۔ وہاں وہی ٹھہر سکتا تھا جسے اجازت ہوتی۔ اُن کا دسترخوان بھی ہر ایک کے لئے نہیں تھا۔[2] صرف وہی لوگ ہوتے جنہیں دعوت دی جاتی۔

بہاؤ الدین زکریاؒ ہر وقت لوگوں سے نہیں ملتے تھے بلکہ اوقات مقرر ہوتے جبکہ بابا فریدؒ سے ہر شخص ہر وقت مل سکتا تھا۔ آپ کی خانقاہ درویشانہ خانقاہ تھی۔ جس میں سب کچھ تقسیم ہو جاتا جبکہ سہروردی خانقاہ میں باقاعدہ ذخیرہ اناج ہوتا صندوق اور تجوریاں بھی موجود تھیں۔[3]

۱۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص: ۱۹۳۔

۲۔ امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، ص: ۱۳۶۔

۳۔ امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، ص: ۲۲۳-۲۲۴۔

پروفیسر گربچن سنگھ طالب اپنی کتاب ''بابا فریدؒ'' میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

چشتیوں کے سب سے بڑے حریف سہروردی سلسلے کے لوگ تھے جو بڑی شدت سے محتاط روایات کی پیروی کرتے تھے اور ان میں اس علم اور انسان دوستی کی کمی تھی جو چشتیہ سلسلے کا طرۂ امتیاز تھا۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی کم آمیزی اور اُن کے امیرانہ اطوار شیخ فریدؒ کے انسان دوستانہ طرزِ عمل کے بالکل برعکس تھے۔ [۱]

غرضیکہ بابا فریدؒ اپنے ہم عصر صوفیاء کرام میں بھی ہر پہلو سے منفرد مقام رکھتے تھے۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے اجودھن (پاکپتن) کریل کے بڑے درخت کے نیچے جو ڈیرہ لگایا تھا۔ بے سرو سامانی کے عالم میں لگایا ہوا وہ ڈیرہ عبادت خانے، مفلس اور پریشان حال لوگوں کی پناہ گاہ میں تبدیل ہو گیا۔ وارث شاہؒ آپ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

مودود دا لاڈلا پیر چشتی ، شکر گنج مسعود بھر پور ہے جی !!!
خاندان وچ چشت دے کاملیت ، شہر فقر دا پٹن معمور ہے جی !!!!
بائیاں قطباں دے وچ ہے پیر کامل ، جیں دی عاجزی زہد منظور ہے جی
شکر گنج نے آن مکان کیتا، دکھ درد پنجاب دا دور ہے جی !!

بابا فریدؒ کی تربیت اور باطنی توجہ سے سلسلہ چشتیہ کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔ سینکڑوں، لاکھوں لوگوں نے ہدایت پائی۔

آپ کے فیضان نظر سے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، سلطان المشائخ اور محبوب الٰہی بنے اور صابر علی کلیریؒ مخدوم ہوئے اور بابا فریدؒ کی جلائی ہوئی ان شمعوں سے سلسلہ چشتیہ پورے برعظیم پاک وہند میں آج بھی روشن ہے اور لوگ فیض پا رہے ہیں۔

---

۱ گربچن سنگھ طالب، بابا شیخ فرید، مترجم عتیق صدیقی، نیشنل بک ٹرسٹ نئی دہلی، انڈیا، ص: ۵۷۔

شیخ محمد اکرم صابری اپنی کتاب ''اقتباسُ الانوار'' میں رقمطراز ہیں۔

کمالات و خوارق عادات گنج شکرؒ از قید تحریر وتقریر بیرون است ۔۔۔
چنانکہ تصرفات ولائتش اظہر من الشمس است وہیچ احدے رابرآں دست
انکار نمیرسد۔[1]

یعنی حضرت بابا گنج شکرؒ کے کمالات وکرامات تحریر وتقریر کے احاطہ سے باہر
ہیں۔اس سے زیادہ حضرت کی کرامت کیا ہوگی کہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
ان کے مرید اور تربیت یافتہ ہیں اور ہندوستان شرق وغرب تک اُن کے نور
ولایت سے جگمگا رہا ہے اور اُن کی ذات گرامی ایک عالم کے لئے ہدایت کا
ذریعہ بنی اور حق تعالیٰ نے انہیں سلطان المشائخ کے خطاب کے ساتھ ممتاز
کیا اور بزرگی وکرامت کا تاج اُن کے پیروکاروں کے سر پر رکھا چنانچہ ان
کی ولایت کی تصرفات اظہر من الشمس ہیں اور اس سے کسی کو بھی انکار کی
جرأت نہیں ہوسکتی۔

آپ نہ صرف پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کے امام اولین ہیں بلکہ آپ کے تربیت یافتہ مرید وخلفاء پورے برعظیم پاک وہند میں آپ کی ہدایت پر گئے اور سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کر کے اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔آپ کے اثرات پوری دُنیا میں پہنچے خلیق نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں کہ

حقیقت یہ ہے کہ بابا فریدؒ نے اپنی روحانی عظمت وکردار کی بلندی اور
درمندی خلق سے چشتیہ سلسلہ کی شہرت کو چار چاند لگادیے۔اوران کے زمانے
میں سلسلہ کے اثرات کا دائرہ وسیع ہوگیا۔اس کے نظام اصلاح وتربیت نے
ایک مستقل شکل اختیار کرلی اور مریدین کا ایک ایسا طبقہ تیار ہوگیا جس نے
ملک کے گوشہ گوشہ میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرادیں۔[2]

---

[1] شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار، مطبوعہ مملوکہ حکیم محمد انور بابری صاحب، ص:۵۰۷۔
[2] خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص:۱۶۲-۱۶۳۔

آپ کے مرید اور خلفاء آپ کی پیروی کرتے ہوئے سلسلہ چشتیہ کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔ وہ بابا فریدؒ کی ذات گرامی سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے تھے۔ اُن کے اقوال اور افعال اور پوری زندگی کو نمونہ کے طور پر سامنے رکھتے۔ اجودھن سے دور دراز علاقوں میں سلسلہ چشتیہ کے ان مجاہدوں کی نظریں ہمیشہ اجودھن کی طرف لگی رہتیں۔ وہ اپنے آپ کو بابا فریدؒ کے قائم کردہ مرکزی نظام کے ماتحت تصور کرتے تھے اور بابا فریدؒ کی حیات مبارکہ سے لوگوں کے سامنے مثالیں پیش کرتے۔

بابا فریدؒ کے خلفاء نے سلسلہ چشتیہ کو عوامی تحریک بنادیا اور مسلم معاشرے کی شیرازہ بندی کی۔ سلطان المشائخؒ کے دور میں بچہ، بوڑھا، جوان، امیر، غریب، ہر رنگ اور ہر نسل اور ہر طبقہ کا انسان آپ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوگیا۔ اخلاقی بُرائیاں ختم ہونے لگیں اور ایک صحت مند معاشرہ جنم لینے لگا۔ یہ سب بابا فریدؒ امام سلسلہ چشتیہ کے فیض اور تربیت کا نتیجہ تھا۔

چشتیہ سلسلے کے اثرات سے جنم لینے والے مضبوط معاشرے نے مضبوط سیاسی نظام کو تشکیل دیا۔ بقول خلیق نظامی

> علاؤالدین خلجی کو خوش قسمتی سے یہ مضبوط معاشرہ ملا اور اُس نے اس کی مدد سے ایک زبردست سیاسی نظام ترتیب دیا۔[۱]

بابا فریدؒ نے اپنے مریدوں اور خلفاء کی تربیت زبان سے ہی نہیں بلکہ اپنے حسن عمل سے بھی کی۔ بابا فریدؒ کی زندگی خود اُن کے اصولوں کی تفسیر تھی اور یہی خصوصیات آپ نے اپنے خلفاء میں منتقل کیں۔ اپنے مرشد بختیار کاکیؒ اور مرشد کے مرشد خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عطا کردہ مقام اور فیض سے امام سلسلہ چشتیہ اور مؤسس ثانی سلسلہ کا مقام پایا۔

۱؎ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص:۱۹۱۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ان الفاظ میں بابا فریدؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

حضرت شیخ مسعودؒ نے صرف پنجاب کی سرزمین میں ہی اشاعت اسلام کو عام نہیں کیا بلکہ یہاں پر سلسلہ چشتیہ کی آبیاری بھی کی اور بتکدۂ ہند کے تمام گوشوں تک اس سلسلے کو پہنچا دیا۔ حضرت سلطان المشائخ جیسے ستون زہد و تصوف دارالحکومت دہلی میں استوار کردے اور شیخ صابرؒ جیسے درجنوں اولیاء کرام تربیت کے بعد بتکدہ ہند کے کونے کونے میں عام کر کے سلسلہ چشتیہ کو وسیع اور مستحکم بنیادوں پر قائم و دائم کر دیا۔

بابا فریدؒ کا یہ نا قابل انکار احسان ہے کہ انہوں نے خواجہ اجمیرؒ کے سلسلہ چشتیہ کو اس خطے کا معتبر اور فیض عام والا سلسلہ منوالیا۔ [۱]

منیرہ ہائیری ''The Chishtis'' میں لکھتی ہیں

"He was the responsible for the growth of the chisti order in Hindustan, Particularly in the Punjab". [۲]

یعنی انہوں نے ہندوستان میں، خاص طور پر پنجاب میں چشتی سلسلہ کی نشو و نما کی۔

بابا فریدؒ نہ صرف چشتی اصولوں پر کاربند رہے بلکہ انہوں نے اس کی مثالیں بھی قائم کیں اور اس منصب کو آگے منتقل کرتے وقت جمہوری اقدار کے تحت صرف قابلیت اور اہلیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کی اور اس منصب کو موروثی نہیں بنایا بلکہ اپنے قابل مرید اور اہل خلیفہ کے حوالے کیا۔

بقول جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

سلسلہ چشتیہ کے قائد و امام فریدؒ الدین مسعود گنج شکرؒ کا یہ منفرد اور یکتا عمل آج بھی برعظیم کی ملت اسلامیہ کے لئے قابل تقلید نمونہ اور ایک نا قابل فراموش سبق ہے اور شورائی جمہوریت کے لئے دعوت عمل ہے۔ [۳]

۱۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۱۸۔

۲۔ منیرہ ہائیری، دی چشتیز: ص:۷۰۔

۳۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۲۱۔

پروفیسر بلونت سنگھ آنند بابا فریدؒ کا سلسلہ چشتیہ میں سربراہ اورامام کی حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> بابا فریدؒ چشتی سلسلے کے سرابرہ کی حیثیت سے اپنی پارسائی ریاضت اور عبادت ،فراخ دلی اورغریبوں کے سربراہ کی مدد کرنے اوران کے لئے دعا کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنے کے باعث اور سب سے بڑھ کر اپنی انکساری اوررحم لی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان درویشوں میں سب سے زیادہ ہردلعزیز بن گئے ۔ [1]

بابا صاحبؒ نسباً فاروقی تھے۔جس طرح حضرت عمر فاروقؓ نے اشاعت اسلام کے لئے کام کیا اسی طرح بابا فرید صاحبؒ نے سلسلہ چشتیہ کی ترویج واشاعت کے لئے برصغیر پاک وہند میں کام کیا۔ بیجانہ ہوگا۔اگر یہ کہا جائے کہ بابا صاحبؒ سلسلہ چشتیہ کے عمر فاروقؓ تھے۔[2] چنانچہ صاحب فتوح السلاطین نے بابا فریدؒ کو ''شاہ ملک سلوک'' کا خطاب دیا۔ [3]

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بابا فریدؒ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ نہ صرف انہیں برعظیم پاک وہند کی عظیم ترین ہستیوں سلسلہ چشتیہ کے بانی اوراُن کے خلیفہ بختیار کاکیؒ کا مرید ہونے اوران سے فیض پانے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ دوسری طرف خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جیسے جلیل القدر بزرگ کا مرشد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے،جن سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ چلااور علاؤ الدین صابرؒ جیسے مرید جن سے سلسلہ چشتیہ صابر یہ جاری ہوا۔

۱۔ بلونت سنگھ آنند،بابا فرید،مترجم مہر افشاں فاروقی،عالمین پبلی کیشنز پریس،لاہور،۱۹۹۴ء،ص:۳۵۔

۲۔ خلیق نظامی(ڈاکٹر)،احوال وآثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ،مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ،المعارف،گنج بخش،لاہور، ۱۹۸۳ء/۱۴۰۳ھ،ص:۱۴-۱۵۔

۳۔ عصامی،فتوح اسلاطین،مدوّنہ،اے۔ایم۔یوشع،مدراس،۱۹۴۸ء،ص:۸۔

برعظیم پاک وہند کا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں سلسلہ چشتیہ نظامیہ یا صابریہ کا کوئی عقیدتمند اور نام لیوا موجود نہ ہو۔ بابا فریدؒ کی امامت اور سربراہی میں یہ سلسلہ اس طرح پھیلا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی نہ صرف برعظیم پاک وہند بلکہ چین، ملایا، انڈونیشیاء، برما، افغانستان اور دُنیا کے متعدد علاقوں میں اس سلسلے کے عقیدتمند موجود ہیں۔

بابا فریدؒ کی مساعی کے نتیجے میں یہ سلسلہ ہر سو پھیل گیا۔ بقول صاحب آب کوثر

> نہ صرف شیخ کبیر نے پنجاب میں کامیاب اشاعت اسلام کی بلکہ سلطان المشائخ اور شیخ صابرؒ جیسے صاحب سلسلہ بزرگوں کی تربیت کر کے چشتیہ سلسلہ کو پہلی مرتبہ وسیع اور مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا۔[1]

---

[1] شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص:۲۱۸۔

باب سوم:

بابا فرید الدین گنج شکرؒ بحیثیت مبلّغ اسلام

برعظیم پاک وہند میں کتاب وسنت کی پیروی اور خلق محمدیﷺ کے ذریعے صوفیہ کرام نے تبلیغ اسلام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ شیخ فرید گنج شکرؒ برعظیم پاک وہند میں نور اسلام کی اشاعت کرنے والوں میں بھی ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔

برعظیم پاک وہند میں یوں تو تبلیغ اسلام و اصلاح معاشرہ کے لئے بہت سی پاکیزہ ہستیاں آئیں۔ جن میں خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تبلیغی مساعی کو راجپوت اقوام میں حیرت انگیز پذیرائی ہوئی۔ تقریباً نوے لاکھ لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ اور اُن کے خلیفہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے فیض یافتہ بابا فرید گنج شکرؒ برعظیم پاک وہند میں ملت اسلامیہ کے معمار عظیم ثابت ہوئے۔ پنجاب میں خود بابا فریدؒ اور برعظیم پاک وہند کے دوسرے گوشوں میں آپ کے تربیت یافتہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور اُن جیسی دوسری عظیم ہستیاں اشاعت اسلام میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

بقول شیخ محمد اکرم۔

> مغربی پنجاب میں کامیاب اشاعت اسلام کرنے کے علاوہ آپ نے بڑے بڑے صاحب سطوت بزرگوں کو تربیت کی۔ [۱]

بابا فریدؒ نے تبلیغ دین کے لئے جس خطہ کا انتخاب کیا وہ اجودھن (پاکپتن) جیسا پسماندہ علاقہ تھا۔ جہاں بابا فریدؒ نے اپنا ڈیرہ لگایا وہ علاقہ خطرناک جنگلوں، سانپوں اور بچھوؤں کا مسکن تھا۔ وہاں تک کا سفر بھی آسان نہ تھا جبکہ سفر کی وہ سہولتیں بھی میسر نہیں تھیں جو آج کے دور میں ہیں۔ اجودھن اور اُس کے گردونواح میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔

۱۔ شیخ محمد اکرم، آب کوثر، ص: ۲۲۳۔

یہ لوگ سخت، وحشی، اجڈ اور جنگجو تھے۔ جاہلانہ ضعیف الاعتقادی، اوہام پرستی، چھوت چھات اور ذات پات کی اونچ نیچ اور ذہنی جمود کا شکار تھے۔

بابا فریدؒ نے کفر وطغیان کے اس مرکز میں نورِ حق کی شمع جلائی بقول امین الدین جو اپنی کتاب ''تذکرہ علی ہجویری'' میں لکھتے ہیں۔

> اس زمانے میں ہندوؤں کا خاص علاقہ تھا۔ جہاں ہندوؤں کا مشہور راج جوگی رہتا تھا۔ جس کا نام سمبھو ناتھ تھا۔ ہندوؤں پر اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ بابا صاحبؒ کو مرشد گرامی نے ہدایت خلق اور تبلیغ اسلام کی خاص طور پر ہدایت فرمائی تھی۔ اس لئے آپ نے ہندوؤں کے اس علاقہ کو اپنی تبلیغ وہدایت کا مرکز بنایا تاکہ کفر کی تاریکیوں کو اسلام کی ضیاء باری سے منور کریں چنانچہ آپ کی مساعی سے اس علاقہ کی کایا پلٹ گئی۔ ہندو جوق در جوق اسلام قبول کر کے آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے سمبھو ناتھ بھی اسلام قبول کر کے درجہ ولایت کو پہنچا۔[1]

اجودھن میں گنتی کے جو مسلمان تھے وہ بھی ان ہندوؤں کے زیرِ اثر تھے۔ اقتباسُ الانوار میں ہندو جوگی کا قصہ ہے جو تمام شہر کا دودھ اپنے اور اپنے چیلوں کے لئے مخصوص کر دیتا تھا۔ اُن لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو اُن کے جانور مر جائیں گے۔ بابا فریدؒ کو علم ہوا تو انہوں نے ان لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈرو سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے اور کوئی بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بابا فریدؒ کی گفتگو میں ایسی تاثیر تھی کہ سیدھی دل و روح پہ اثر کرتی تھی۔ ان لوگوں کو ڈھارس ہوئی اور انہوں نے جوگی کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ جب جوگی کو علم ہوا تو وہ اپنے ہزاروں چیلوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے آیا کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس مسلمان درویش کی وجہ سے اُن کا

---

[1] امین الدین، تذکرہ علی ہجویری، ص:۸۰-۸۱۔
بحوالہ قاضی جاوید، پنجاب کے صوفی دانشور، ایچ۔ وائی پرنٹرز، لاہور ۱۹۸۶ء، ص:۵۳۔

اثر رسوخ کم ہونے لگا ہے۔ جب وہ بابا فریدؒ کے سامنے آیا تو وہ اس اللہ والے کی ایک نظر بھی برداشت نہ کر سکا اور چیلوں سمیت دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔[۱]

بابا فریدؒ کی ذات گرامی میں ایسی جاذبیت تھی کہ جو ایک دفعہ آپ کے پاس آتا تو آپ ہی کا ہو جاتا۔ آپ نے اُن لوگوں کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کیا اور اُس کی عملی مثال پیش کی۔

خلوت پسند بابا فریدؒ نے جب دین اسلام کی اشاعت، مخلوق کی بہتری اور اصلاح کا وقت آیا تو اپنی خلوت پسندی جو اس لحاظ سے اُنہیں بہت محبوب تھی کہ اُن کے اور اُن کے محبوب حقیقی کے درمیان کوئی مخل نہ ہو اور وہ اسی طرح اپنے محبوب سے تنہائی میں چپکے چپکے ملاقات اور بات کرتے رہیں۔ انہوں نے اپنے دروازے ہر کس و ناکس کے لئے کھول دیے۔ رات دن آنے والوں کا جمگھٹا رہتا۔ اُن کے دکھ درد اور مسائل میں اُن کا ساتھ دیتے۔

مسلمان فاتحین نے اس خطہ برعظیم پاک و ہند میں فتوحات حاصل تو کر لیں اور حکومتیں بھی قائم کر لیں لیکن انہیں استحکام صرف مسلم صوفیاء کرامؒ نے بخشا کیونکہ اس خطے کے باسیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف تعصب تھا جو کہ اُنکے خیال میں اُن کے خطے میں قابض ہو گئے۔ علماء ظاہر اس صورت حال کو ختم نہ کر سکے۔ برعظیم پاک و ہند میں مختلف تمدنی گروہوں کے درمیان، سماجی، اعتقادی اور لسانی اختلافات تھے۔ مسلم صوفیہ نے ان اختلافات کو ختم کیا اور ایک مشترکہ تمدنی زاویہ نگاہ نے جنم لیا۔

بابا فریدؒ غالباً پہلے صوفی بزرگ ہیں جن کے ہندوؤں کے مذہبی مفکرین سے رابطے اور مذہبی بحث و مباحثہ کے بارے میں ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔

بابا فریدؒ کی خانقاہ میں ہندو جوگی اکثر آیا کرتے اور جماعت خانہ کے درویشوں سے اکثر مختلف مسائل پر گفتگو کرتے۔ شیخ نظام الدینؒ کی ملاقات بابا صاحبؒ کے جماعت خانے میں ہندو جوگیوں سے بھی ہوئی اور اُن سے گفتگو بھی کرتے رہے۔[۲]

۱؎ شیخ محمد اکرم، اقتباس الانوار، ص:۱۶۶۔

۲؎ امیر حسن سجزی، فوائد الفواد، ص:۸۴-۸۵-۲۴۵۔

مسز جے۔این مدن نے اپنی کتاب پنجابی صوفی شعراء میں لکھا ہے کہ

مسلمانوں نے جب شمالی ہند کو فتح کیا تو صوفی لوگ بھی اس ملک میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔اسلام کا یہی طبقہ، روادار، امن پسند اور صلح کل تھا۔ بزور شمشیر اور پر جوش علماء اور نمازیوں کے ذریعے اسلام کا پھیلایا جانا ہندوؤں کو متاثر نہیں کرسکتا تھا جو اس سے نفرت کرتے تھے لیکن اسلام جس کی نمائندگی صوفیائے کرام کرتے تھے۔ہندوؤں کے لئے کشش کا باعث تھا۔جو لوگ برضا ورغبت اسلام میں داخل ہوئے ان کی تبدیلی مذہب بلاشبہ صوفیوں کی تعلیم کا نتیجہ تھی۔[۱]

بابا فریدؒ کے جماعت خانے میں مختلف مذاہب کے لوگ آتے مل بیٹھ کر تبادلہ خیال کرتے۔ بابا فریدؒ کی میٹھی رسیلی گفتگو،اُن کے کردار و شخصیت،مجاہدہ و ریاضت اور حسن عمل نے اُن لوگوں کے دل و روح کو بدل کر رکھ دیا۔اس طرح کی تبلیغ و اشاعت کا یہ نتیجہ نکلا کہ اُن لوگوں کو اسلام سے جو اجتناب اور تعصب تھا۔جاتا رہا اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے وجود مسعود کی برکت سے مسلمانوں کی اُس علاقے میں قلت، کثرت میں بدل گئی۔بہت سے قبائل نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔
شیخ محمد اکرام کے مطابق

اشاعت اسلام میں جتنی کامیابی آپ کو ہوئی ہے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو شاید ہی ہوئی ہو۔مغربی پنجاب کے کئی بڑے بڑے قبیلے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔مثلاً سیال، راجپوت وٹو وغیرہ [۲]

جواہر فریدی کے باب پنجم، فصل سوم میں اس وقت کی ان غیر مسلم اقوام کا تذکرہ ہے جنہوں نے بابا فریدؒ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔اُن میں بعض اقوام ابھی موجود ہیں اور بعض ناپید۔ مثلاً سرہنگوالیاں، بھلیاں، ادھکاں، جھکروالیاں، بکاّں، ہکاں کا نشان نہیں ملتا۔

۱۔ پنجابی صوفی شعراء، مسز جے۔این مدن، بحوالہ انوار الفرید، سید مسلم نظامی، ص:۱۰۷۔

۲۔ شیخ محمد اکرم، آب کوثر، ص:۲۲۲۔

سیال، کھوکھر، ڈھڈی، جوئیے، نیاریئے، بھاکری، مینہ ڈوگر وغیرہ اقوام آج بھی ہیں اور ان کا سینکڑوں سال سے دعویٰ ہے کہ اُن کے آباءواجداد نے بابا فریدؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔

پاکپتن اور اس کے گردونواح میں آباد اقوام اکثر راجپوت نسل کی شاخیں ہیں ۔مثلاً مانیکے، لالیکے، آکوکے، مل لیکے، کاکوکے، مہاموںکے، مجیدے کے، کھوکھر، ڈھڈی، چوہان، وٹو، زرگر وغیرہ پیر محمد اجمل چشتی نے اپنی کتاب ''چلّہ گاہیں''[۱] میں ان قبائل کا ذکر کیا ہے۔

''حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی تبلیغی خدمات'' میں پیر اجمل چشتی لکھتے ہیں کہ

> یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے دست حق پرست پر راجپوتانہ، بیکانیر، جیسلمیر اور دریائے ستلج وراوی، چناب اور سرزمین پوٹھوہار کے بڑے بڑے قبائل جو ہیا۔ ۱ وٹوے ۲ سیال ۳ کھرل ۴ کوندل ۵ ٹوانے ۶ شلولی، کندی، کلیرا، منج، ڈھوری، ڈھڈی، چدھڑ، کوجر ۷ ڈوگر ۸ ورک ۹ وڑائچ، جھب، چیمہ، ورہیاہ، گھیبہ، کھیڑا، ہراج، وہیر، کاٹھیا ۱۰ ونی وال، جاٹ ۱۱ چوہان ۱۲ جہال، چیتل، چٹھل، نون ۱۳ چھینہ ۱۴ میکن ۱۵ بانس ۱۶ کھوکھر، بھٹی مسلمان ہوئے جن کی سینکڑوں ذیلی شاخیں مملکت اسلامیہ پاکستان میں ملکی ترقی وخوشحالی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ [۲]

بابا فریدؒ نے اپنا ڈیرہ مغربی پنجاب میں سنگلاخ اور بنجر اذہان کے علاقے میں ڈالا لیکن آپ کی تبلیغی مساعی کے اثرات نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان برعظیم پاک و ہند اور اس سے باہر افغانستان وغیرہ تک نظر آتے ہیں۔

---

۱ پیر محمد اجمل چشتی، چلہ گاہیں، ص:۱۶۔

۲ پیر محمد اجمل چشتی، حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی تبلیغی خدمات چشتیاں شریف: بہار لنگر، ۲۰۰۶ء، ص:۶-۷۔

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس خطہ برعظیم پاک وہند میں جس ہمہ گیر نظام تبلیغ کا آغاز کیا بابا فریدؒ نے اُسے نہ صرف مستحکم کیا بلکہ اُسے مزید وسعت دی۔

بابا فریدگنج شکرؒ نے اپنے تربیت یافتہ خلفاء برعظیم پاک وہند کے طول وعرض میں پھیلا دیئے۔ ان لوگوں نے اپنے مرشد کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے اصلاح وتبلیغ کا عمل جاری رکھا۔بابا فریدؒ کے دست مبارک پر نہ صرف بے کس ومجبور، مظلوم اور معاشرے کے ستائے ہوئے لوگوں نے اسلام قبول کیا بلکہ ذی جاہ وحشم سرداروں، راجاؤں اور صاحب سطوت لوگوں نے بھی آپ کے دامن سے وابستہ ہوکر اسلام کی دولت حاصل کی۔

بقول پیر اجمل چشتی

> عہد شباب سے لے کر سن کبیر تک سفر وحضر میں تبلیغ اسلام اُن کا مرکز نگاہ ومحور حیات رہا اور وہ اپنے حسن عمل اور اخلاق سے ایسے جری وبہادر قبائل کو حلقہ اسلام میں لے آئے جو سلاطین کی فتح یابی وظفر مندی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔اور عساکر اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے رہتے تھے۔[1]

قبائل کے علاوہ بابا فریدؒ کے ہاتھ پر انفرادی طور پر بھی بے شمار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بابا فرید تبلیغ دین بڑے فصیح ودلنشین انداز میں کرتے تھے۔آپ کا انداز تنقیدی نہیں بلکہ اصلاحی تھا۔آپ نے مناظرے اور بحث ومباحثہ کا رنگ پیدا نہیں ہونے دیا بلکہ آپ اس چیز کو ناپسند فرماتے تھے۔[2]

آپ لوگوں سے اُن ہی کی زُبان میں گفتگو فرماتے اور اُنھی کے مزاج کے مطابق بات کرتے۔ آپ نے ایک طرف غیر مسلموں کو مسلمان کرنے اور دوسری طرف مسلمانوں کو عملی طور پر سچا مسلمان بنانے کا عمل جاری رکھا۔

بابا فریدؒ نے دین اسلام کو ہندوازم کے لئے انقلاب آفریں بنایا۔

۱۔ پیر محمد اجمل چشتی، چلہ گاہیں، ص:۱۶۔

۲۔ اس کا تفصیلی ذکر "بابا فرید بحیثیت عالم" کے ضمن میں آچکا ہے۔

ہندوازم پر ذات پات اور عناصر پرستی کا جمود طاری تھا۔آپ نے نئی سمتوں کا شعور دیا اور جمود کو توڑا۔ہندوازم میں ایسی تحریکوں نے جنم لیا جو دین اسلام سے متاثر ہیں۔بھگتی تحریک پر بابا فرید گنج شکرؒ کی تعلیمات کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔لاکھوں ہندو مسلمان ہوئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے وہ ہندو بھی نہ رہے بلکہ انہوں نے ہندوازم کی بنیادی اصولوں سے انحراف کرلیا اور بہت سی تبدیلیاں اس مذہب میں آئیں۔

سکھ مذہب کے ماننے والے بھی آپ کا احترام کرتے ہیں اور آپ کی تعلیمات سے متاثر ہیں۔ وہ آپ کے کلام کو شلوک [۱] کے نام سے پڑھتے ہیں۔

بقول گربچن سنگھ طالب

> شیخ فرید کے معتقدین آج پنجاب، اترپردیش، کشمیر اور افغانستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو ان کے اس بانی کے لئے ان کا احترام کرتے ہیں جو گروگرنتھ صاحب میں موجود ہے۔ [۲]

بابا فریدؒ نے اپنی تعلیمات اور تبلیغ کے ذریعے ہر طبقہ اور مذہب کے لوگوں میں انسان سازی کی اور انسان کی حیثیت اور اہمیت کا احساس پیدا کیا۔انسانیت سوز رسوم و رواج کو ختم کیا۔ لوگوں میں صلح جوئی اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا کیا۔انہوں نے قومی، نسلی اور جغرافیائی حدبندیوں سے آزاد ہو کر تزکیہ نفس کیا اور لعن طعن، نفرت و حقارت اور غرور کی تاریکی کی بجائے، مہر و محبت اور خلوص کی روشنی پھیلائی۔بابا فریدؒ کے حالات و واقعات کے مطالعہ کے دوران سیاہ پوش کافروں کا ذکر بھی ملتا ہے جنہوں نے آپ سے متاثر ہو کر آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جبکہ مسلمان فاتحین کی فتح کے اثرات برعظیم پاک و ہند اور افغانستان کے علاوہ دریاؤں اور شاہراہوں کے ساتھ ساتھ بھی پھیلتے

۱۔ باب ''بحیثیت شاعر'' میں اس کا تفصیلی ذکر آئیگا۔

۲۔ گربچن سنگھ طالب، بابا شیخ فرید، مترجم عتیق صدیقی، نیشنل بک ٹرسٹ دریا گنج، نئی دہلی، ۱۹۷۸ء، ص:۵۹۔

چلے گئے لیکن سیاہ پوش کافر اس سے نابلد رہے۔ [۱]

احسن الاقوال (مخطوطہ) میں شیخ بُرہان الدین غریبؒ کے حوالے سے واقعہ بیان ہوا ہے کہ کافروں کا ایک گروہ مسلمانوں کے بھیس میں آپ کے پاس آیا اور آپ کی خانقاہ میں ٹھہرا۔ بابا فریدؒ باطنی قوت سے سمجھ گئے۔ انہوں نے اُن کے سردار کو ایک کمرے میں بند کروادیا اور باقیوں کو کھانا وغیرہ دیا۔ تین دن بعد بابا فریدؒ اُس گرو کے کمرے میں گئے اور فرمایا کہ "اگر تم اسلام قبول کرلو تو تمہیں چھوڑ دوں گا"۔

لوگ اس بات پر حیران ہو گئے کیونکہ وہ پہلے ہی اپنے آپ کو مسلمان بتا چکا تھا۔ گرو آپ کی روحانی طاقت اور عظمت کا قائل ہو گیا اور اُس نے اسلام قبول کرلیا جب وہ باہر آیا تو پتہ چلا کہ مسلمان فقیر کے خرقہ کے نیچے اُس نے ہندوؤں کا لباس پہن رکھا تھا۔ اُس نے اقرار کیا کہ تیس سال سے وہ خراسان اور برعظیم پاک وہند میں مسلمان صوفیاء کی خانقاہوں میں گھومتا رہا مگر بابا فریدؒ کے علاوہ کوئی اُسے پہچان نہ سکا۔ [۲]

بابا فرید گنج شکرؒ کی بدولت اس خطہ میں نورِ اسلام کی شان وشوکت اور رونق نظر آتی ہے۔
بقول پیر اجمل چشتی

> حضرت بابا صاحبؒ نے ایسے سنگلاخ وبنجر اذہان میں کشت اسلام کی تخم ریزی وآبیاری کا صعب ترین ومشکل کام انجام دیا اور اپنے جمال حسین ومقال شکرین سے ایک خطۂ نمکین کو بقعہ شکرستان بنادیا۔ [۳]

آج دنیا کے نقشے پر پاکستان کے وجود مسعود کا پایا جانا اسی مسعود گنج شکرؒ کی کاوشوں اور تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے۔

---

[۱] ہندوکش کی گھاٹیوں میں رہنے والے باشندے، جو مسلم فاتحین کے فتح کے اثرات سے غیر متاثر رہے اور یہ لوگ اجڈ اور ان پڑھ تھے۔ اپنے مذہب پر قائم رہے۔ اردگرد کے مہذب مسلم علاقوں میں یہ لوگ ہندوکش کے سیاہ پوش کافر مشہور تھے اور کالے کپڑے پہنتے تھے۔

[۲] احسن الاقوال (مخطوطہ)، بحوالہ "احوال وآثار بابا فرید گنج شکرؒ" خلیق نظامی، مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ، ص:۲۱۵۔

[۳] پیر محمد اجمل چشتی، بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی تبلیغی خدمات، ص:۶۔

پاکپتن کو پیش خیمہ پاکستان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ پاکستان جس عددی اکثریت کی بنیاد پر وجود میں آیا اُس کی وجہ یہی مسلم اکثریت ہے جنہوں نے اور جن کے باپ دادا اور آباؤ اجداد نے بابا فریدؒ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ بقول فیروزالدین احمد فریدی۔

> اس پورے علاقے میں آباد ہندوؤں کے اتنے بڑے بڑے قبائل ان (بابا فریدؒ) کے ہاتھ پر اسلام لائے اور یہ قبائل بعد میں پنجاب میں اتنی دور تک پھیلے کہ یہ علاقہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کی اکثریت کا خطہ ہوگیا۔ یہی عددی اکثریت سات صدی بعد ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی واحد بنیاد بنی۔ اس طرح قیام مسعود اور قیام پاکستان میں باپ بیٹے کا تعلق ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فریدالدین مسعودؒ پاکستان کے حقیقی بانی ہیں۔ [1]

قدرت کا کرشمہ ہے کہ تقریباً سات صدی پہلے اجودھن نے بابا فریدؒ کے وجود مسعود کی وجہ سے پاکپتن کا روپ اختیار کیا اور اتنی صدیاں گزرنے کے بعد یہی وجود مسعود اور پاکپتن کی سرزمین قیام پاکستان کا باعث اور اُس کا حصہ بنی۔ لفظ ''پاک پتن'' اور ''پاکستان'' کے معانی بھی اس کی گواہی دے رہے ہیں۔ خاندان چشتیہ کے پانچ مشہور بزرگ ترین شخصیات میں سے واحد ''بابا فرید گنج شکرؒ'' کی ذات گرامی کا مزار پاکستان میں ہونے کی سعادت پاکستان کو حاصل ہوئی۔

اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اگر آپ کی ذات بابرکات کفر کے اس عظیم مرکز میں تشریف نہ لاتی تو مغربی پاکستان کا یہ غالب حصہ نور اسلام سے نہ جگمگا رہا ہوتا۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اس طرح رقمطراز ہیں۔

> اگر برعظیم (پاک و ہند) کی تاریخ میں صوفیہ کرام اور اولیاءعظامؒ کا موثر اور نتیجہ خیز کردار نہ ہوتا تو یہاں پر بھی مسلم سپین کی طرح اسلام جڑ نہ پکڑ سکتا اور زوال اقتدار کے ساتھ مسلم حکمران اسلام اور مسلمانوں کو حالات کے

۱؎ فیروزالدین احمد فریدی، ماہنامہ جہاں چشت گنج شکر نمبر بابت ماہ مارچ و اپریل ۲۰۰۰ء۔

رحم وکرم پر چھوڑ جاتے مگر یہ بابا فریدؒ جیسے صوفیہ واصحاب طریقت ہی تھے۔
جن کے طفیل یہاں اسلام کا شجرہ طیبہ قرآنی محاورے کے مطابق جڑیں
تحت الثریٰ میں اور شاخیں آسمانوں میں کے مصداق ہے۔ [۱]

بابا فریدُالدین مسعود گنج شکرؒ نے مبلّغ اسلام کی حیثیت سے بھی خلق خدا تک دین حق کا پیغام پہنچایا اور لاکھوں انسانوں کو راہِ حق پر گامزن کیا۔ یہ سب اس لئے ممکن ہوا کہ آپ جو تبلیغ کرتے اُس پر خود بھی عمل کرتے۔ اس طرح عملی تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو دل کی خوشی اور رضامندی سے حلقہ بگوش اسلام کر کے مبلّغ اسلام کا فریضہ سر انجام دیا۔

۱۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۲۲۔

ماہر لسانیات اور دانشور جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (سابق پرنسپل اورنٹیل کالج) حالیہ (ڈین) فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز ڈائریکٹر جنرل مین کیمپس یونیورسٹی آف فیصل آباد) کی مایہ ناز کتاب ''معارف فریدیہ'' بین الاقوامی نیٹ ورک میں شامل ہے اور یہ کتاب چار زبانوں (عربی، فارسی، اُردو، انگریزی) پر مشتمل ہے اور بابا فریدؒ کے کلام کا ترجمہ وتشریح چار زبانوں میں کیا ہے اور انہیں شلوک کی بجائے ''دیوان بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ '' کا نام دیا ہے۔

باب چہارم:

بابا فرید گنج شکرؒ کا روحانی نظام

بابا فرید گنج شکرؒ کے روحانی نظام سے آگاہی کے لئے ضروری ہے کہ اُن کے جماعت خانے سے آگاہی ہو۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا جماعت خانہ کچی اینٹوں سے بنا ایک، بڑا سا کمرہ تھا۔ یہ خانقاہ یا جماعت خانہ جس کی بنیاد بے سرو سامانی کے عالم میں رکھی گئی۔ دُنیا کی بڑی سے بڑی یونیورسٹی اُس کے سامنے ہیچ ہے۔ بابا فریدؒ کا جماعت خانہ فعال اور تخلیقی مرکز تھا۔

بابا فریدؒ کی خانقاہ یا جماعت خانہ بھی انفرادی حیثیت کا حامل تھا اور اپنے وقت کے دوسرے جماعت خانوں مثلاً سہروردی خانقاہ وغیرہ سے یکسر مختلف تھا۔ اس کچے کمرے میں نہ صرف برعظیم پاک وہند بلکہ دیگر ممالک کے علماء، بزرگان دین، صوفیہ اور ہر طبقہ کا انسان ایک ہی ماحول اور سلوک کا روادار سمجھا جاتا تھا۔

کچی زمین پر اللہ رب العزت کا ذکر کرتے اس کے باسیوں پر اصحاب صفہ کا گمان ہوتا۔ کوئی پانی بھر کر لاتا۔ کوئی جنگل سے لکڑیاں لاتا، کوئی برتن دھوتا۔ کوئی جنگلی پھول، پھل توڑلاتا اور اُسے کبھی نمک میں اور کبھی نمک کے بغیر ابال کر سالن تیار کرتا۔ کبھی گندم ملتی تو اُس کی روٹی، ورنہ جوار کی موٹی موٹی روٹیوں پر گزارہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مست اور خلوص ومحبت کے پیکر دنیاوی لوازمات سے مبرّا ہر نئے آنے والے کے ساتھ خلوص ومحبت کا برتاؤ کرتے اور مواخاۃ کے اس ماحول میں آنے والے بھی جلد ہی جماعت خانہ کے اصول وضوابط سیکھ لیتے جو سراسر صوفیانہ اصولوں پر مبنی تھے۔

صوفیوں کے مراکز دراصل علمی ہوتے تھے۔ لیکن وہاں جو علم سکھایا جاتا وہ کتابوں میں نہیں ملتا تھا۔ اس کے اکتشاف کے لئے ذہنی صلاحیتوں کی تربیت ہی کافی نہیں تھی۔ ان مراکز میں اہل لوگ علم کی بلندترین صورت یعنی باطنی اور روحانی علم کا ادراک کرتے تھے جس کی تحصیل کے لئے روح اور ذہن کی پاکیزگی ضروری ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے سارے سامان موجود تھے۔ ایسے معلم کی زیر نگرانی جس کی تعلیم زبانی نہیں بلکہ عملی تھی۔ جس کی شخصیت اور کردار کا ہر پہلو مشعل راہ تھا۔ جس کا کردار آئینہ کی طرح شفاف اور ظاہر و باطن ایک تھا۔

جماعت خانہ کے باسیوں میں سے اکثر ایسے لوگ تھے جو اجودھن (پاکپتن) آنے سے پہلے تاجر، عالم، خطیب، حافظ [1] اور سرکاری ملازم وغیرہ تھے۔ مثلاً

سید محمود کرمانیؒ جو کرمان کے بہت بڑے تاجر تھے اور کرمان میں گاؤں، باغات اراضی وغیرہ کے مالک تھے۔ تجارت کی غرض سے لاہور آتے تو اجودھن میں بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ وہ شیخ فریدؒ کی شخصیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ دولت و ثروت، شان و شوکت چھوڑ کر بابا فریدؒ کے پاس اجودھن میں فاقہ کش درویش کی زندگی پر قناعت کر لی۔ آپ کی اہلیہ آپ کی چچا زاد تھیں اُن کا نام بی بی رانی تھا۔ وہ بھی شان و شوکت میں پرورش پانے والی خاتون تھیں کیونکہ کہ اُن کے والد ملتان ٹکسال کے بڑے افسر تھے۔ انہوں نے سید محمد محمود کرمانی کو روکنے کی بہت کوشش کی یہاں تک کہا کہ ملتان میں بہاؤالدین زکریاؒ کی صحبت اختیار کر لیں لیکن سید محمد محمود کرمانیؒ کے دل میں جو آگ بھڑک اُٹھی تھی وہ کسی طرح انہیں چین نہیں لینے دیتی تھی۔ آپ کی اہلیہ نے بھی آپ کا ساتھ دیا اور آپ دونوں بابا فریدؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ بی بی رانی جماعت خانے کے درویشوں کی خدمت کرتی تھیں۔ اُن کا بھائیوں کی طرح خیال کرتیں۔

سید محمود کرمانیؒ دوسرے درویشوں کے ساتھ جماعت خانہ کے لئے جنگل سے لکڑیاں لاتے آپ کی سلطان المشائخ سے بہت دوستی تھی۔ وہ اٹھارہ سال بابا فرید گنج شکرؒ کے زیر سایہ رہے۔ اُن کے بعد سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ بارہ سال رہے۔

---

[1] جب نظام الدین اولیاءؒ بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں جماعت خانے میں چارپائی پر سونے کو کہا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ حفاظ اور علماء زمین پر سوئے ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آچکی ہے۔

آپ صاحب ''سیر الاولیاء'' میر خورد کرمانی کے دادا تھے۔ [1]

اسی طرح بدر الدین اسحٰقؒ جو دہلی کے ممتاز علماء میں سے تھے لیکن آپ نے بابا فریدؒ کا ذاتی خادم ہونے پر ترجیح دی۔ [2]

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جو بدایوں اور دہلی کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہاں کے علماء میں ممتاز مقام پا چکے تھے لیکن بابا فریدؒ کے ایسے نادیدہ عاشق بنے کہ جب دید ہوئی تو اُن ہی کے دامن سے وابستہ ہو کر سلطان المشائخ اور محبوبِ الٰہی کا درجہ پایا۔ [3] علاؤ الدین علی صابر کلیریؒ جو لنگر خانے کا انتظام سنبھالے ہیں لیکن خود ایک نوالہ بھی نہیں لیتے۔ [4]

مولانا حمیدؒ جو ملک طغرل کے ہاں سرکاری ملازم تھے لیکن بابا فریدؒ کی روحانی کشش اُنہیں شاہوں کے دربار سے ایسے کھینچ لائی کہ اُن کے دربار کے ہی ہو رہے۔ [5] مولانا جمال الدین ہانسویؒ جو ہانسی کے خوشحال اور قابل خطیب تھے [6] لیکن اب بابا فریدؒ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ۔ آپ جماعت خانے میں اکثر آتے اور سب کے ساتھ مل کر کام کرتے۔

خواجہ احمد سیوستانیؒ بحکم الٰہی سیوستان سے اجودھن آئے پر واپس نہیں گئے۔ آپ بابا فریدؒ کے وضو اور غسل کے لئے پانی لاتے تھے اور بابا فریدؒ کے کپڑے بھی دھوتے تھے۔

ایک دن آپ کی کمر میں درد ہوا تو بابا فریدؒ نے اُن کی کمر پر ہاتھ پھیرا جس سے درد ایسا ٹھیک ہوا

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰۔

[2] آپ کا تفصیلی ذکر مقالہ کے حصہ دوم ''باب چہارم کی فصل'' خلفاءِ عظام کے ضمن میں آ چکا ہے۔

[3] ایضاً۔

[4] ایضاً۔

[5] ایضاً۔

[6] ایضاً۔

کہ (۱۰۰) سو سال کی عمر میں بھی جوانوں کی طرح تندرست اور توانا تھے۔ [1]

حضرت مولانا علی بہاریؒ جماعت خانہ کے پُرانے رکن تھے۔اُن کا وطن بہار تھا۔آپ بابا فریدؒ کی محبت میں سب کچھ چھوڑ کر اُن کے در سے وابستہ ہو گئے۔جب بابا فریدؒ بیمار ہوئے اور انہوں نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور بدرالدین اسحٰقؒ کو قبرستان میں جا کر دعا کے لئے کہا تو مولانا علی بہاریؒ بھی ساتھ تھے اور واپسی پر انہوں نے ہی بابا فریدؒ سے کہا تھا کہ ناقصوں کی دعا کاملیں کے حق میں کیسے قبول ہو سکتی ہے۔آپ درویش صفت اور بابرکت انسان تھے۔ [2]

مولانا داؤد پائیؒ [3] جو اودھ کے رہنے والے تھے۔اوصاف حمیدہ کے مالک بزرگ تھے۔

حضرت علی مکیؒ جو مکہ شریف سے تعلق رکھتے تھے۔مکہ شریف سے پیدل اجودھن آئے۔ [4]

غرض یہ کہ اس طرح کے اکثر عقیدت مند اور پروانے تھے جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر دیار غیر میں اُس دور افتادہ اور کٹھن راستوں والے علاقے میں دیوانہ وار اس نور حق کی شمع پر نچھاور ہونے کے لئے آئے۔ان سب نے فاقہ کشی اور ریاضت و مجاہدہ کی زندگی کو عیش و عشرت پر ترجیح دی۔یہاں صرف چند کا ذکر کیا گیا۔

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۹۶-۹۷۔

۲۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۵۲۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۴۸۔
محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ص:۹۰-۹۱۔

۳۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین ص:۵۶۔
عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص:۱۷۔
غلام معین الدین خویشگی، معارج الولایت، قلمی نسخہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص:۲۲۶
سید محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم، (ملفوظات سید محمد گیسو دراز حسینی)، مطبوعہ انتظامی پریس، عثمان گنج، حیدر آباد، ص:۲۴۱
مولانا غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ لکھنو ۱۸۷۲ء، ص:۳۱۴

۴۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸ میں سلطان المشائخ کی زبانی آپ کا تذکرہ ہے۔

ایسے مخلص اور نفس کے خلاف جہاد کرنے والے جماعت خانہ کے باسیوں سے جماعت خانہ اور بابا فریدؒ کے روحانی نظام کے فیض کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بابا فریدؒ کا جماعت خانہ (خانقاہ) ایسے لوگوں کی موجودگی میں اور سب سے بڑھ کر بابا فریدؒ جیسی روحانی بلندیوں کے مالک شخصیت کے زیر سایہ ایسی تربیت گاہ تھی جس میں داخل ہونے والا اُس ماحول سے ضرور متاثر ہوتا۔

ہر طبقہ کے لوگ، مفلس، شکستہ دل، اور معاشرے کے ستائے ہوئے یہاں پناہ لیتے اور بابا فریدؒ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتے کبھی کوئی آپ کے در سے خالی نہ گیا۔ جو خالی ہاتھ آیا وہ بھی کچھ لے کر گیا۔ کسی کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہ ہوتا تھا۔ دلآزاری کی گفتگو پر پابندی تھی۔ سب زمین پر سوتے اور شب بیداری میں وقت گزارتے، ہر وقت باوضو رہتے۔ نوافل کی کثرت، تلاوت کلام پاک، ذکر و فکر اور مراقبہ سب کے لئے ضروری تھا۔

بدرالدین اسحٰقؒ جماعت خانہ کے منتظم اعلیٰ تھے۔ آنے والوں کی رہائش وغیرہ کا انتظام اُن کا ذمہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ باقی لوگوں کے ساتھ جنگل سے لکڑیاں بھی کاٹ کرلاتے۔ [1] جمال الدین ہانسویؒ دیگر لوگوں کے ساتھ جنگلی پھل (ڈیلہ) بھی توڑتے۔ [2] مولانا حسام الدین کابلیؒ برتن دھوتے، پانی لاتے۔ [3]

۱۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۶۱۔
میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۸۶۔
۲۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۶۱۔
۳۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:۶۱-۶۲۔
حامد قلندر، خیرُ المجالس، ص:۱۸۸۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۴۷۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ درویشوں کے لئے ان پھلوں اور ڈیلوں کو ابال کر سالن تیار کرتے جن میں کبھی نمک ہوتا اور کبھی نہیں اور بابا فریدؒ کی خدمت میں بھی پیش کرتے۔ جماعت خانہ کے باسیوں کو جس دن پیٹ بھر کر کھانا ملتا وہ دن عید کا دن ہوتا۔ [1]

دستر خوان کے طور پر کچی زمین پر کپڑا بچھا دیا جاتا۔ بعض اوقات کپڑا میسر نہ ہوتا تو یہ کچی زمین ہی دستر خوان کا کام دیتی [2] نہ کھانے میں تخصیص ہوتی، نہ کھلانے اور بٹھانے میں۔

بعض اوقات جب کچھ میسر نہ ہوتا تو زنبیل گردانی [3] بھی کی جاتی اور جو روٹی اس سے بچ جاتی وہ درویشوں کے افطاری کے کام آتی جو کچھ بھی میسر ہوتا سب میں مہمانوں کو بھی برابر شریک کیا جاتا۔

بابا فریدؒ نے ویرانے اور پس ماندہ جگہ میں قیام فرمایا لیکن آنے والوں اور مخلوق کی آمد و رفت کا کوئی شمار نہ تھا۔ ہر وقت سائلوں اور ضرورتمندوں اور عقید تمندوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ بے شمار فتوح آتے تھے۔ ہر زائر کچھ نہ کچھ لاتا لیکن سب کچھ اُسی وقت تقسیم کر دیا جاتا۔ کل کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھا جاتا۔ [4]

---

[1] عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص: ۶۴۷۔
عبد الحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، ص: ۵۲۔
حامد قلندر، خیر المجالس (قلمی فارسی)، ص: ۹۹۔
عبد الحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار (اُردو)، ص: ۱۱۸۔
حامد قلندر، خیرُ المجالس (اُردو)، ص: ۱۴۰۔

[2] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۵۵۔

[3] حامد قلندر، خیرُ المجالس (قلمی فارسی)، ص: ۹۹۔
زنبیل گردانی کی پوری تفصیل مقالہ کے حصہ دوم، باب سوم، میں آ چکی ہے اور اُسی باب کے حاشیہ میں بھی مذکور ہے۔

[4] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۴۱، ۱۲۴، ۱۲۵ – ۲۰۰۔
آپ کی زندگی کا یہ پہلو بھی اتباع سنت نبوی ﷺ کی بہترین مثال ہے۔ سنتِ نبوی ﷺ بھی یہی ہے کہ کل کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھا جائے۔

فتوح کی تقسیم کی ذمہ داری بھی بدرالدین اسحٰقؒ کے ذمہ تھی۔لوگ بابا فریدؒ سے تعویزات لینے بھی حاضر ہوتے تھے۔[۱]

جب کسی کی حاجت پوری ہونے والی ہوتی تو بابا فریدؒ اُسے کہتے شیرینی لے آؤ [۲] اس کا مطلب ہوتا اُس کا کام ہوگیا اور وہ شیرینی فقراء میں تقسیم کردی جاتی۔

بعض اوقات آپ قرآن پاک کی کوئی آیت یا دعا پڑھنے کے لئے بھی بتاتے ساتھ ہی کچھ نوافل پڑھنے کی تلقین بھی کرتے۔ [۳] سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ

جب بابا فریدؒ کسی کو بیعت فرمایا کرتے تو سب سے پہلے سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھنے کا حکم فرماتے۔پھر اٰمَنَ الرَّسُولُ بِمَاانزِلَ اِلَیْہِ تا آخر پڑھتے۔پھر شَھِدَاللّٰہُ سے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامَ تک [۴] پڑھتے پھر فرماتے! تو نے اس ضعیف اور اس کے خواجہ اور ہمارے خواجہ خواجگان

---

۱ بابا فریدؒ نے اپنے پیرومرشد سے عرض کیا کہ لوگ مجھ سے تعویز مانگتے ہیں۔آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے۔ بختیار کاکیؒ نے فرمایا: کسی کام کا ہونا یا نہ ہونا تمہارے بس میں ہے نہ میرے۔تعویز اللہ تعالیٰ کے نام اور قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں لکھ کر دے دیا کرو۔

آپ نے ایسا کرنا شروع کیا لیکن کیونکہ اتنی زیادہ تعداد میں لکھ کر دینا آپ کے لئے مشکل تھا اس لئے آپ نے بدرالدین اسحٰقؒ کے ذمہ لگا دیا۔ایک دن وہ موجود نہ تھے تو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو اجازت دے دی۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۲۰۰۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیا، ص: ۳۵۸۔

۲ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۱۲۷۔

۳ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، امیر حسن علاء سجزیؒ، نولکشور، لکھنو، ۱۳۰۲ھ، ص: ۲۵-۲۶-۵۷-۵۹۔

۴ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۳۳، سورۃ بقرہ کا آخری رکوع جس میں پورے اسلامی عقائد پائے جاتے ہیں۔

جناب پیغمبرﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور فرماتے

بابا حضرت عزت عہد کردی کہ دست وپاے وچشم نگاہداری وبرنہج شرع باشی

انشاء اللہ تعالیٰ۔ [۱]

اللہ تعالیٰ سے پکا وعدہ کرو کہ ہاتھ، پاؤں اور آنکھوں کو قابو میں رکھو گے۔ اور

شریعت کے طریقے پر چلو گے۔

اور جب کسی کو خرقہ پہناتے تو یہ آیت تلاوت فرماتے

وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ [۲]

یعنی تقویٰ کا لباس بہتر ہے اور عاقبت متقین کے لئے ہے۔

بابا فریدؒ یہ بھی فرماتے کہ ارادت کی چند قسمیں ہیں۔ بطحائے کعبہ ارادت ہے۔ حرم کعبہ ارادت ہے۔ کعبہ ارادت ہے۔ پہلی قسم یعنی بطحائے کعبہ ارادت یہ ہے کہ کسی کو کسی طرح کی تکلیف نہ دے نہ زبان سے نہ ہاتھ سے اور نہ کسی کو برا کہے نہ کسی کی برائی سنے۔ اپنے ظاہر پہ نگاہ رکھے۔

حرم کعبہ ارادت کے معنی ہیں کہ حقیقت کی آنکھ وزبان مصروف کر کے آنکھ وزبان اور ہاتھ کی کافی طور پر نگہداشت کرے۔

کعبہ ارادت کا مطلب ہے کہ دل حق کی طرف لگائے رکھے اور ہمیشہ ذکر اور تسبیح وتہلیل میں مشغول رہے۔ [۳] شیطانی وسوسے سے دور رہے۔ جو مرید ہوتا اُسے محلوق کرتے۔ [۴]

---

[۱] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۳۳۔

[۲] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۳۳۔

[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۳۳۔

[۴] محلوق ہونا۔ سر کا حلق کروانا یعنی سر منڈوانا، سلسلہ چشتیہ کی اہم رسم تھی۔ اور یہ مرید کا اپنا سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کرنے کی ظاہری علامت تصور کی جاتی تھی۔

بعض اوقات مولانا بدر الدین اسحٰقؒ یہ کام کرتے تھے۔ یعنی نئے مرید کا حلق کرتے۔

بابا فریدؒ کے مرید دو قسم کے تھے۔ پہلی قسم وہ جنہوں نے اپنی زندگی اور سب کچھ دین اسلام کے لئے وقف کر دیا۔

دوسری قسم ایسے لوگوں کی تھی جو روحانی برکات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کاروبار زندگی کو بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ بابا فریدؒ ایسے مریدوں کو اخلاقی تربیت دیتے جس میں کاروبار میں دیانتداری اور معاملات میں درستگی اور مذہبی فرائض کو باقاعدگی سے ادا کرنے کی تربیت شامل تھی۔

پہلی قسم کے مریدوں میں سے بابا فریدؒ اپنے خلفاء منتخب کرتے اور چاہتے تھے کہ وہ تمام دنیوی لوازمات قطع تعلق کر کے دین کی بے غرض و بے لوث خدمت کریں اور نفس کشی اور ریاضت و مجاہدہ اپنائیں وہ انہیں نصیحت کرتے کہ جو بادشاہوں سے میل ملاپ رکھے، معرفت اُس سے دور جاتی ہے۔

دشمنوں کو بھی راضی کرنا چاہیے۔ فرائض کو ذمہ داری سے ادا کرنا چاہیے۔ مدعیو اور صاحب حق کو راضی کرنا چاہیے۔ شیخ فریدؒ فرماتے تھے کہ

کسے کہ امانت قبول کند او از مریدان من نباشد [۱]

یعنی جو شخص کسی کی امانت قبول کرے وہ میرا مرید نہیں۔

وہ اپنے مریدوں کو اعلیٰ دینی فکر سے روشناس کرانے کے لئے تصوف کی مستند کتابوں کا درس دیتے اور اپنی تربیت سے مریدوں کی باطنی زندگی میں بھی نظم و ضبط پیدا کرتے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو کوئی بھی نیا مسئلہ پیش آتا تو آپ فوراً اپنے مرشد بابا فریدؒ کی زندگی اور طرز عمل کی طرف توجہ کرتے اور اُسی کے مطابق عمل کرتے۔ اُن کے دروازے بھی ہر ایک کے لئے کھلے ہوتے اور وہ کہتے ''شیخ الاسلام فرید الدینؒ ہر شخص کا خیر مقدم کرتے تھے''۔ [۲]

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۳۵۔

۲۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، نولکشور، لکھنو، ۱۳۰۲ھ، ص: ۵۔

بابا فریدؒ خواتین کو بھی بیعت کرتے تھے۔ اُن کی خواتین مریدوں میں بی بی فاطمہ سامؒ، بی بی شریفہؒ، بی بی مستورہ اور بی بی رانیؒ قابل ذکر ہیں۔ [۱]

آپ بی بی فاطمہ سامؒ کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس ایک عورت کی مشغولی حق دس کامل مردوں کے برابر ہے۔ [۲]

شیخ نجیب الدین متوکلؒ کو بھائی کہا کرتی تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اکثر میں اُن کی خدمت میں جاتا رہا ہوں اور بہت فائدہ پاتا رہا ہوں۔ [۳]

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ بابا فریدؒ بی بی فاطمہ سام کے بارے میں اکثر فرماتے کہ وہ عورت نہیں مرد ہے جسے عورت کی صورت میں پیدا کیا گیا۔ [۴]

بابا فریدؒ کی تعلیمات کا اثر ہے کہ نظامُ الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ

شیر جب اپنی کچھار سے نکلتا ہے تو کوئی نہیں پوچھتا کہ وہ نر ہے یا مادہ۔ آدمیوں کو اطاعت وتقویٰ اختیار کرنا چاہیئے۔ خواہ وہ مرد ہے یا عورت۔ [۵]

---

۱ بی بی فاطمہ سامؒ اندر پت کی رہنے والی تھیں اور بابا فریدؒ کے زیر تربیت رہیں۔ صاحب کشف وکرامات اور اپنے وقت کی رابعہ تھیں۔ نجیب الدین متوکلؒ فرماتے ہیں کہ اُس وقت کے تمام درویش اُن کے حق میں اعتقاد کامل رکھتے تھے۔

درویشان عہد را در حق او اعتقاد کامل بود، سیرُ العارفین، ص:۱۰۱

بی بی شریفہؒ اور بی بی مستورہؒ بابا فریدؒ کی صاحبزادیاں تھیں۔ بی بی رانیؒ سید محمود کرمانی کی اہلیہ اور میر خورد کرمانی صاحب سیرُ الاولیاء کی دادی تھیں۔

۲ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، مطبوعہ دہلی، ص:۱۰۱۔

۳ ایضاً، ص:۱۰۱۔

۴ امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد، مطبوعہ چرنجی لال دہلی، ص:۲۲۔

۵ ایضاً، ص:۲۲۔

پیر کے بارے میں مرید کے اعتقاد کے بارے میں بابا فریدؒ فرماتے کہ مرید کا اعتقاد پیر پر پختہ ہونا چاہیے۔ عقیدہ فعل سے بہتر ہے کیونکہ فعل اپنے لئے ہے اور عقیدہ اپنے لئے بھی ہے اور غیر کے لئے بھی۔ [۱]

یہی وجہ ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جو آپ کی تربیت کا نمونہ ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں سانپ نے کاٹا تو آپ نے فرمایا کہ میری ارادت اور عقیدت اپنے شیخ کے ساتھ درست ہے تو مجھے کسی علاج کی ضرورت نہیں اور اگر ارادت درست نہیں تو میرا مر جانا بہتر ہے۔ [۲]

اسی طرح ایک مرتبہ سلطان المشائخ کو بابا فریدؒ نے ایک دعا یاد کرنے کیلئے کہا تو پہلے اُسے بابا فریدؒ کے سامنے ایک دفعہ پڑھا۔ بابا فریدؒ نے اعراب کی تصحیح کی اور فرمایا: ایسے پڑھو۔ سلطانُ المشائخ فرماتے ہیں کہ اگرچہ جس طرح میں نے پڑھا، وہ بھی درست تھا لیکن پیر کا حکم تھا اس لئے میں نے ویسے ہی یاد کیا اور بابا فریدؒ کو سنائی۔ اور ساتھ ہی فرمایا: اگر سیبویہ جو اس علم کا موجد ہے اور اس کے علاوہ دوسرے لوگ جو اس علم کے قواعد کے بانی ہیں، مجھ سے کہیں کہ اس لفظ کے اعراب ایسے نہیں ہیں جیسے تو نے پڑھے تو میں اسی طرح پڑھوں جس طرح شیخ نے بتایا۔ [۳]

بابا فریدؒ مجاہدہ و ریاضت اور فقر و توکل پر زور دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اُن کے مرید فقر و تنگدستی اور مجاہدہ میں خوشی محسوس کریں اور اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں۔ آپ مریدوں کو وقت کی قدر کرنے اور اُس کی پوری نگہداشت کی تلقین کرتے۔ بابا فریدؒ بذات خود اس کی عملی مثال تھے کہ اپنی عمر کے آخری حصے میں اجودھن جیسے علاقے میں ضعیف العمری اور ریاضت کے باوجود کبھی وقت کو ضائع نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے عشق، دین اسلام کی اشاعت اور خدمت خلق میں وقت گزارا۔

---

[۱] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۳۴۶۔

[۲] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۳۴۶۔

[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۳۴۶-۳۴۷۔

بابا فریدؒ خلافت نامہ عطا کرنے کے معاملے میں بہت سنجیدہ اورمحتاط تھے۔ وہ صرف ایسے مریدوں کوخلافت عطا کرتے، جنہیں قدرت نے دل ودماغ کی غیر معمولی خوبیوں سے نوازا ہو۔ جب آپ نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کوخلافت عطا کی تو فرمایا:

''باری تعالیٰ ترا علم وعقل وعشق دادہ است وہر کہ بدیں سہ صفت موصوف باشد ازو خلافت مشائخ نیکو آید''[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم، عقل، عشق تینوں چیزیں عنایت فرمائی ہیں اور جو شخص ان تینوں چیزوں سے موصوف ہوا سے مشائخ کی خلافت سزاوار ہے۔

بابا فریدؒ بیعت سب کو کرتے تھے لیکن خلافت دینے میں احتیاط برتتے تھے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے بھی مرشد کے حکم کے مطابق بیعت عام کردی تھی۔[2] اس سے یہ ہوا کہ جو لوگ آپ سے بیعت ہوتے، وہ اخلاق رذائلہ سے بچتے اور حتی المقدور گناہوں سے اجتناب کرتے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مرشد کے ساتھ کئے ہوئے عہد میں پابند اور اُس کے زیر نگرانی تصور کرتے، اسی لئے سلطان المشائخ نے بیعت عام کردی۔ سیرُ الاولیاء میں تحریر ہے کہ

خلافت عطا کرنے کے تین طریقے ہیں ایک رحمانی جس میں خیر وبرکت پوشیدہ ہے اور سب سے بہتر اور محکم تر ہے وہ یہ ہے کہ پیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو اور وہ بغیر واسطہ شیخ کے دل میں یہ بات ڈال دے کہ فلاں شخص کو منصب خلافت عطا کرنا چاہیے، کیونکہ وہ اس قابل ہے۔

دوسرے یہ کہ شیخ مرید کے بارے میں بہت زیادہ غور کرے اور اجتہاد کرکے خلافت عطا کرے لیکن یہ طریقہ پہلے سے کم درجہ رکھتا ہے، کیونکہ قاعدہ کے مطابق اجتہاد میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۳۵۵۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۳۵۸۔

تیسرے یہ کہ کسی کو شفاعت اور عنایت کی وجہ سے خلافت دے دینا اور یہ طریقہ پہلے دونوں طریقوں سے ادنیٰ ہے۔[۱]

مولانا فخر الدین اصفہانیؒ بلگرام میں رہتے تھے۔ انہوں نے ایک دن داؤد نامی درویش کو بابا فریدؒ کی خدمت میں بھیجا اور التماس کی کہ بابا فریدؒ انہیں خلافت عطا کر دیں کیونکہ وہاں کے لوگ انہیں کلاء کے لئے پریشان کرتے ہیں، آپ یہ منصب عطا کر دیں تا کہ لوگوں کو بیعت کر سکوں۔ بابا فریدؒ نے انکار کر دیا۔

سلطانُ المشائخ فرماتے ہیں کہ میں نے اور بابا فریدؒ کے فرزند ارجمند شہابُ الدینؒ نے بھی اُن کے لئے عمدہ طریقے سے سفارش کی لیکن بابا فریدؒ نے سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا:

ایں کار حق است بآرزو نیست ہر کہ قابل باشد نا خواستہ بیاید۔[۲]

یہ عطیۂ حق تعالیٰ ہے آرزو سے حاصل نہیں ہوتا جو اس کے قابل ہوتا ہے وہ اس سے ہمیشہ پہلو تہی کرتا ہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ بعد میں، میں نے جب بابا فریدؒ شگفتہ مزاجی کے عالم میں تھے پھر مولانا کے لئے سفارش کی جو بابا فریدؒ نے قبول کر لی اور خلافت نامہ بھیج دیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ اتفاق سے بعد میں میری ملاقات دہلی میں مولانا صفاہانیؒ سے ہوئی اور میں نے دیکھا کہ اُنہیں اپنے کام میں کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے بابا فریدؒ سے سفارش کے ذریعے خلافت حاصل کی تھی۔[۳]

۱؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۵۵، سلطان المشائخ پہلی قسم کے لوگوں میں سے ہیں۔ حامد قلندر خیرُ المجالس، ص: ۲۲۴۔ مولانا صفاہانیؒ جن کا ذکر اس کے بعد آ رہا ہے۔ اُن کی خلافت کا شمار تیسری قسم میں ہوتا ہے۔

۲؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۵۶۔

۳؎ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۳۵۵-۳۵۶۔

بابا فریدؒ بدرالدین اسحٰقؒ سے خلافت نامے کی نقلیں تیار کرواتے تھے اور انہیں اُس پر بطور راقم اپنا نام تحریر کرنے کی ہدایت کرتے تا کہ کوئی جعلی خلافت نامہ نہ بنالے۔[۱]

بابا فریدؒ گنج شکرؒ جب کسی کو خلافت نامہ عطا کرتے تو اُسے ہدایت کرتے کہ اس کی تصدیق مولانا جمال الدین ہانسویؒ سے کروالیں۔[۲]

بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ قبر پر بیعت ہونا یا محلوق ہونا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ بابا فریدگنج شکرؒ کے ایک فرزند جن کے بارے میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا فرمان ہے کہ عمر میں سب سے بڑے فرزند اور علم وفضل میں بزرگ تھے۔ انہوں نے خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار پر بیعت کی اور محلوق ہوئے۔ جب بابا فریدؒ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

حضرت شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز خواجہ ومخدوم
ما است اماً ایں بیعت درست نیست بیعت آنست کہ دست شیخ بظاہر حَی
باشد گیرند۔[۳]

شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرۃ العزیز میرے خواجہ اور مخدوم ہیں
لیکن اس طرح کی بیعت جائز نہیں۔ بیعت وہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ
میں ہاتھ دے جو ظاہر میں زندہ ہو۔

---

[۱] خلافت نامہ میں یہ الفاظ درج ہوتے،

تَـحَـرَّرْتُ هٰـذِهِ الْاَ سُطْرَبِعَوْنِ اللّٰهِ عَلٰی يَدِ اَضْعَفِ الْفَقِيْرِ اِلَی اللّٰهِ الْغَنِیِّ اِسْحَاقَ بِنْ عَلِی بْنِ اِسْحَاقَ الدَّ هِلُوِیِّ بِمُشَا فِهَتِهٖ (سیرُ الاولیاء، ص:۱۲۸)

یہ چند سطریں اللہ تعالیٰ کی مدد سے (شیخ شیوخ العالم کے حضور میں) مجھ ناتواں کے ہاتھ سے لکھی گئیں جو خدائے بے نیاز (غنی) کا محتاج اسحاق بن علی بن اسحاق متوطن دہلی ہے۔

[۲] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، (فارسی)، ص:۱۸۹۔

[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، (فارسی)، ص:۳۳۶۔

بابا فریدؒ اپنے مریدوں کے معایب ومحاسن ایک ہی نگاہ میں معلوم کر لیتے اور اُن کے مطابق اُن کی تربیت کرتے ۔نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے کبھی شفقت ومحبت، فہم وتدبیر اور کبھی جہاں ضرورت پڑتی سختی سے کام لیتے۔

ایک مرتبہ بابا فریدؒ عوارفُ المعارف کا درس دے رہے تھے۔آپ کے پاس جو نسخہ تھا اُس میں کچھ کتابت کی غلطیاں تھیں، جنہیں آپ ساتھ ساتھ پڑھاتے اور درست کرتے جاتے۔خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس ایک عمدہ نسخہ عوارف المعارف کا دیکھا تھا۔مجھے یاد آ گیا تو میں نے عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس صحیح نسخہ ہے۔سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ بابا فریدؒ نے کچھ توقف کیا۔پھر فرمایا:

''کیا اس درویش میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ سقیم نسخے کو درست کر سکے؟'' دوبار یہ بات دوہرائی۔

مجھے جب یہ احساس ہوا کہ آپ تو میرے بارے میں فرما رہے ہیں تو میں نے معذرت کی اور قدموں میں گر پڑا اور کہا کہ میرا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا میں نے وہ نسخہ دیکھا تھا، اس لئے ذکر کر دیا۔ بہت معذرت کے باوجود آپ کے چہرہ سے ناخوشی کا تاثر نہ گیا۔مجھے بہت دکھ ہوا اور رونا آیا یہاں تک کہ ایک کنویں تک پہنچا دکھ کا یہ عالم تھا کہ چاہتا تھا کنویں میں کود جاؤں۔شیخ فریدؒ کی ناراضگی برداشت سے باہر تھی۔الغرض شیخ کے صاحبزادے شہابُ الدینؒ جن کے ساتھ میرا دلی تعلق تھا کو خبر ہوئی تو وہ شیخ کی خدمت میں گئے اور میرے بارے میں عمدگی سے عرض کیا۔مجھے بلوایا گیا میں نے سر قدموں میں رکھ دیا۔آپ خوش ہوئے اور دوسرے دن مجھے بُلا کر شفقت سے فرمایا کہ یہ سب تمہارے کمال حال کے لئے کرتا ہوں۔اُس روز میں نے شیخ سے یہ سُنا کہ پیر، مرید کا مشاطہ ہوتا ہے۔[1]

بابا فریدؒ نے اپنے مرید اور مستقبل کے جانشین میں سے ہر قسم کے پندار اور غرور کو مٹانے کے لئے ایسا کیا۔اسی طرح جب ایک مرتبہ خواجہ نظام الدینؒ کو اپنا ہم جماعت اور ساتھی ملا اُس نے

---

[1] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۲۶-۲۷۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (اُردو)، ص: ۱۶۱-۱۶۲۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو (جو دہلی کے علمی حلقوں میں اپنا سکہ منوا چکے تھے اور محفل شکن مشہور تھے)۔ایسی حالت میں کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو اُسے حیرت ہوئی اور اُس نے کہا۔

مولانا آپ پر کیا آفت آپڑی ہے۔اگر دہلی میں آپ تعلیم وتربیت کا پیشہ اختیار کرتے تو آپ اس وقت سر کردہ عالم اور مالی طور پر خوشحال ہوتے۔سلطان المشائخؒ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور سارا واقعہ بابا فریدؒ کو سنایا۔انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ اس کا کیا جواب دیتے؟۔آپ نے کہا جو مرشد کا حکم۔بابا فریدؒ نے فرمایا: اسے کہو:

نہ ہمری تو مراراہ خویش گیر برد
ترا سعادت باد مرانگوں ساری

تم میرے ہمراہی نہیں ہو۔اپنا راستہ لو۔جاؤ خدا کرے خوشحالی تمہارا اور بدنصیبی میرا مقدر ہو۔
یعنی وہ خوشحالی تمہیں مبارک۔جسے تم بدنصیبی سمجھ رہے ہو وہ میرا مقدر رہو۔

اس کے بعد بابا فریدؒ نے فرمایا: جاؤ باورچی خانے سے ہر قسم کا کھانا سر پر اُٹھا کر اُس دوست کے پاس لے جاؤ۔[1]

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابا فریدؒ نے اپنے مرید کے دل میں سرکاری ملازمت اور آسائشوں کی ہر قسم کی خواہش بھی مٹادی اور واضح کر دیا کہ جس زندگی کو انہوں نے اپنایا اُس کے تقاضے ظاہری نمود ونمائش کی زندگی سے یکسر مختلف ہیں۔

ایک مرتبہ بابا فریدؒ کے پاس چھ سات خوش شکل نوجوان درویش اپنا جھگڑا نمٹانے آئے تو بابا فریدؒ نے بدرالدین اسحاقؒ اور سلطان المشائخؒ کو بلوالیا۔دونوں کے سامنے اُن لوگوں کا جھگڑا سُنا دونوں نے دیکھا اور سُنا کہ ان درویشوں نے اپنا جھگڑا بڑی شائستگی سے بیان کیا اور کہا ''اس دن آپ نے ایسے فرمایا اور میں نے یہ عرض کیا۔پھر آپ نے یہ کہا اور میں آپ کا مطلب نہ سمجھ سکا اور میں نے غلط جواب دیا'' دوسرے نے بھی اسی عاجزی و انکساری سے جواب دیا۔ اُن کی یہ گفتگو سُن کر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور بدرالدین اسحٰقؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔وہ سمجھ گئے کہ انہیں کیوں

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (اُردو)، مترجم اعجاز الحق قدوسی، مرکزی اُردو بورڈ، لاہور، ص: ۳۸۵۔

بلایا گیا۔خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ

''وہ سچائی کے فرشتے تھے جو ہمیں سکھانے کے لئے بھیجے گئے کہ ہمیں اپنے جھگڑے کیسے نمٹانے چاہئیں۔ [۱]

غرض یہ کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ اپنے مریدوں اور خلفاء کی ہر پہلو سے روحانی تربیت کرتے تھے۔اُن کی تربیت اور روحانی نظام کا نتیجہ تھا کہ سلسلہ چشتیہ کو اُن کے لگائے ہوئے ستونوں نے استحکام بخشا۔

بابا فریدُالدین گنج شکرؒ کا وہ خلافت نامہ جو انہوں نے اپنے جانشین اور خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو دیا اُس سے بابا فریدؒ کے روحانی نظام اور اُن اغراض و مقاصد سے آگاہی ہوتی ہے۔

خلافت نامہ درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَدَّمَ اِحْسَانَہٗ عَلٰی مِنَّۃٍ وَاَخَّرَشُکْرَہٗ عَلٰی نِعْمَتِہٖ ھُوَ الْاَوَّلُ ھُوَ الْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَ الْبَاطِنُ لَا مُوْ ءَ خِّرَ لِمَاقَدَّ مَ وَلَا مُقَدِّ مَ لِمَا اَخَّرَوَلَا مُعْلِنَ لِمَا اَبْطَنَ وَلَا مَخْفِیَ لِمَااَظْھَرَ وَلَا یَکَا دُ نُطْقُ اَلا وَائِلِ وَالْاَوَاخِرَ عَلٰی دَیْمُوْمَتِہٖ اِعْتِبَار اً اَوْتَقَا بُلاً۔وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْمُصْطَفٰی مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَاَھْلِ الوَدَدِ وَالْاِرْتَضٰی. وَ بَعْدُ فَاِنَّ الشُّرُوْ عَ فِی الْاُصُوْلِ یُوَسِّعُ دُعَاءِ الشُّھُوْدِ وَ یُبْصِرُ لِمَنْ یَکْرِ عُ مِنْھَا مُحَارِقَ الْوَرْدِ عَلٰی اَنَّ الطَّرِیْقَ مُخَوَّفٌ وَالْعُقَبَۃَ کَوُ وْدُ نِعَمِ الْکِتَابِ فِیْ ھٰذَا الْضَنَّ تَمْھِیْدُ الْمُھْتَدِی اَبِیْ شُکُوْرَ بَرْدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ وَقَدْ قَرَاءَ عِنْدِیْ اَلْوَلَدُ الرَّشِیْدُ الْاِمَامُ النَّقِیُّ الْعَالِمُ الرَّضِیُّ نِظَامُ الْمِلَّۃِ وَالدِّیْنِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ . زَیْنُ الْاَئِمَۃِ وَالْعُلَمَاءُ مُفْخُر الْاَجِلَّۃِ وَالْاَ تُقِیَاءِ اَعَانَہُ اللّٰہُ عَلٰی اِبْتِغَاءِ مَرْضَاتِہٖ وَاَنَا لَہٗ مُنْتَھٰی رَحْمَتِہٖ وَاَعْلٰی دَرَجَاتِہٖ سَبَقًا بَعْدَ سَبَقٍ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ قِرَاءَۃٍ تَدَبُّرٍوَ اِیْقَانٍ وَ تَیَقُّظٍ وَ اَتْقَانٍ مُسْتَجْمِعٍ رِعَائِیَتِہٖ سَمْعٍ وَ دِرَائِیَتِہٖ جِنَانٍ وَکَمَا حَصَلَ

---

[۱] امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد، نولکشور لکھنو، ۱۳۰۲ھ، ص:۸۱۔

الْـوَقُـوْفُ عَـلٰـى حُـسْـنِ اسْـتِـعْـدَ دِهٖ كَـذَالِـكَ وَ فُـوْزِ اتهيَّـاءِ هٖ اَجَزْتُـهُ اَنْ يُدَ رِّسَ فِيْـهِ لِـلْـمُـتَـعَـلِّـمِيْـنَ بِشَرْطِ الْمُجَانِبَةِ عَنِ التَّصْحِيْفِ وَالْغَلَطِ وَ التَّحْرِيْفِ وَ بَذْلِ الْجِدِّ وَالْاِ جْتِهَـادِ فِـى الـتَّـصْـحِيْحِ وَ التَّنْقِيْحِ عَنِ الزَّلَلِ وَ عِلَّتِهِ الْمُعَوَّلِ وَاللّٰهُ الْعَالِمُ وَ كَانَ ذَالِكَ يَـوْمَ الْاَرْبَـعَاءَ مِنَ الشَّهْرِ الْمُبَارَكِ رَمَضَانَ عَظَّمَهُ اللّٰهُ بَرَكَتَهُ بِالْاِ شَارَةِ الْعَالِيَّةِ اَدَامَ اللّٰهُ عَلَاهَـا وَعَـنِ الْخُلَلِ حَمَاهَا تَحَرَّرَتُ هٰذِهِ الْاَ سْطَرَبِعَوْنِ اللّٰهِ عَلٰى يَدِ اَضْعَفِ الْفَقِيْرِ اِلَى اللّٰهِ الْغَنِيِّ اِسْحَاقَ بِنْ عَلِيِّ بْنِ اِسْحَاقَ الدَّ هِلْوِيِّ بِمُشَا فِهَتِهٖ حَامِدًا وَمُصَلِّيًا فَاَجَزْتُ لَهُ اَيْضًا بِاَن يُرْوِىَ عَنِّى جَمِيْعَ مَاسْتَفَادَهُ وَ حَوىٰ وَ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنِّى وَدَعٰى وَالسَّلَامُ عَلٰى مَـنِ تَبَـعَ الْهُدٰى وَ اَجَزْتُ لَهُ اَيْضًا اَنْ يُلَازِمَ الْخَلْوَةَ فِىْ مَسْجِدٍ اُقِيْمَتْ فِيْهِ الْجَمَاعَةُ وَلَا يُـخِـلُّ بِشَـرَ ائـطِهَـا الَّتِـىْ بِهَـا حُـصُـوْلُ الزِّيَادَةِ وَ بِرَفْضِهَا تَكُوْنُ الْاَقْدَامُ عَاتِلَةً نَامِيَةً وَ ذَالِكَ تَـجْـرِيْـدُ الْـمَـقَـاصِـدَ عَنْ مَفَاسِدِهَا وَتَفْرِيْدِ الْهِمَّتِ عَمَّا تَغْفَلُهَا وَ بَيَانُ ذَالِكَ مَـاقَـالَ رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ صَـلَّـے اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كُنْ فِىْ الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ كَعَابِرِىْ سَبِيْـلٍ وَ عُـدَّ نَـفْـسَـكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ الْحَدِيْثَ فَعِنْدَ ذَالِكَ صَحَّ قَصْدَهٗ وَاجْتَمَعَ هِـمَّـتَـهُ وَصَـارَتِ الْهِـمَـمُ الْـمُـخْتَلِفَةُ هِمَّةً وَاحِدَةً فَلْيَدْ خَلِ الْخَلْوَةَ مُفْتِرً انَفْسَهُ مُعْدِمًا لِـلْـخَـلْـقِ عَـالِمًا بِعِجْزِهِمْ تَارِكًا لِلدُّنْيَا وَ شَهْوَاتِهَاوَ اقِفًا عَلٰى مَضَارِّهَا وَ اُمْنِيَتِهَا وَلْتَكُنْ خَلْوَ تُهُ مَعْمُوْرَةً بِاَنْوَا عِ الْعِبَادَاتِ اِذَا سَمِئَتْ نَفْسُهُ عَنْ اِحْتِمَالِ الْاَ غْلٰى يُنَزِّ لُهَا اِلَى الْاَدْ نٰى وَاِنْ حَجَّتْ فَلْيُنَزِ لُهَا اَمَّا بِعَمَلٍ يَسِيْرٍ اَوْ بِالنَّوْمِ فَاِنَّ فِيْهِ اِحْتِرَ ازٌ عَنْ هَوَا جِسِ النَّفْسِ وَ لْيَـحْتَـرِ زِ الْبَـطَـالَةَ فَاِنَّهَا تَقْسَى الْقُلُوْبَ وَاللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى ذَالِكَ اَعَانَهُ وَ يَحْفِظَهُ عَمَّا شَانَهُ وَرَحْمَتَهُ وَهُوَاَرْحَمُ الرَّحِمِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَ اَيْضًا اِذَا اسْتَوْ فَرَ حَظَّهُ مِنِ الْخَلْوَةِ وَانْفَتَحَتْ بِهَا عَيْنُ الْحِكْمَةِ وَاجْتَمَعَتْ خَلْوَ اتَهُ بِمَنَا دِيَا تِهٖ وَصَلِّ اِلَيْهِ مِنْ لَمْ تَـقْـدِرِ الْـوُصُـوْلَ اِلَيْـنَـا يَسْـتَـوْ فِـى اِلَيْـهِ اِيَّاهُ فَيَدَهُ الْعَزِيْزَهُ نَائِبَةً عَنْ يَدِنَا وَ هُوَ مَنْ جُمْلَةِ خُـلَـفَـائِنَا وَالْتِزَ امُ حُكْمِهٖ فِىْ اَمْرِا لدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا مِنْ جُمْلَةِ تَعْظِيْمِنَا فَرَحِمَ اللّٰهُ مَنْ اَكْرَمَهُ

وَعَظَّمَ مَنْ اَكْرَمَنَاهُ وَاَهَانَ مَنْ لَمْ يَحْفَظْ حَقَّ مَنْ حَفِظْنَا صَحَّ ذَالِكَ كُلُّهُ مِنَ الْفَقِيْرِ الْمَسْعُوْدِ ثُمَّ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَحُسْنِ تَوْفِيْقِهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔ [1]

ترجمہ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔تمام حمد وثناء اس خدا کو سزا وار ہے جس نے اپنے احسان کو اپنی منت پر مقدم اور اپنی نعمت سے شکر کو مؤخر کیا۔وہی اول ہے،وہی آخر ہے،وہی ظاہر ہے،وہی باطن ہے جسے اللہ تعالیٰ بالا کرے اسے کوئی پست کرنے والا نہیں اور جسے وہ پست کردے اسے بالا کرنے والا نہیں ہے۔ اور جسے اس نے ظاہر کیا اسے کوئی پوشیدہ کرنے والا نہیں۔اولین وآخرین کی گویائی اللہ تعالیٰ کی ہمیشگی پر نزدیک نہیں ہوتی نہ اعتبار کی رو سے اور نہ تقابل کی حیثیت سے اور اللہ کے اس برگزیدہ اور منتخب رسول پر رحمت کاملہ نازل ہو جس کا نام پاک محمد ﷺ ہے اور اس کے آل و اصحاب اور اہل دوستی اور صاحب برگزیدگی پر بھی خدا کی رحمت نازل ہو۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد میں کہتا ہوں کہ اصول حدیث کے علوم میں ابتداء کرنا حاضرین کی دعا کو کشادہ کرتا اور اس شخص کو بینا کرتا ہے جو علم اصول کو پانی دیتا ہے۔اس بنا پر کہ رستہ خطرناک اور عاقبت کار نہایت دشوار ہے۔علم اصول میں سب کتابوں سے بہتر کتاب ابوشکور سالمی کی تمہید المتہدی ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی خواب گاہ کو خوش کرے اور تحقیق فرزند رشید امام پاک دین اور پاک رائے دانشمند برگزیدہ نظام الملتہ والدین محمد بن احمد نے مجھ سے پڑھا، جو اماموں کا زیب و زینت دینے والا اور بزرگوں اور متقیوں کا فخر ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی رضامندیوں کے طلب کرنے پر اس کی مدد کرے اور اپنی انتہائے رحمت پر پہنچائے اور اپنی عناتیوں کے اعلیٰ درجے پر جگہ دے۔اس نے کتاب تمہید اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھی اور فکر واندیشہ اور بغیر کسی شک وگمان اور نہایت ہوشیاری واستواری کے ساتھ پڑھی اور اس کے ساتھ ہی کان سے سننے اور دل سے جاننے کی رعایت بھی جمع کی،جس سے نظام الدین کی خوبی استعداد اور قابلیت پر بہت کچھ اطلاع حاصل ہوئی۔اس طرح کی اکثریت آراستگی وشائستگی پر بھی اطلاع

---

[1] میر خورد کرمانی،سیرُ الاولیاء(فارسی)،ص:۱۲۷-۱۲۹۔

میر خورد کرمانی،سیرُ الاولیاء(اُردو)،مترجم غلام احمد بریاں،ص:۱۹۷-۲۰۰۔

ہوئی لہذا میں نے اسے اجازت دی کہ متعلمین کو اس کتاب کا سبق پڑھائے بشرطیکہ تصحیف وتحریف اور غلط سے احتراز کرے اور تصحیح وتنقیح میں انتہا سے زیادہ کوشش صرف کرے اور اللہ تعالیٰ کلام میں لغزش کرنے اور دینی کاموں میں تباہی وبربادی ڈالنے والے امور سے نگہداشت کرنے والا ہے۔ جس دن اجازت نامہ قید کتابت میں لایا گیا ہے، وہ چارشنبہ کا دن تھا اور رمضان المبارک کا مہینہ تھا خدا اس کی برکت کو بزرگ کرے اور اس اجازت نامہ کی کتابت جناب شیخ شیوخ العالم کے اشارہ سے ہوئی اللہ تعالیٰ اس کی قدر ومنزلت کو بلند کرے اور خلل ولغزش سے نگاہ رکھے۔ یہ چند سطریں خدا تعالیٰ کی مدد سے شیخ شیوخ العالم کے حضور میں مجھ ناتواں کے ہاتھ سے لکھی گئی ہیں۔ جو خدائے بے نیاز کا محتاج اسحاق بن علی بن اسحاق متوطن دہلی ہے۔ درحالیکہ اللہ کی حمد کرنے والا اور رسول پر درود بھیجنے والا ہے۔ نیز میں نے نظام الملتہ والدین کو اس بات کی بھی اجازت دی کہ مجھ سے ان تمام چیزوں کی روایت کرے جنہیں مجھ سے حاصل کیا ہے اور جنہیں جمع کیا اور مجھ سے سنا اور یاد رکھا ہے۔ اس شخص پر سلام ہو جو راہ راست کی پیروی کرتا ہے نیز میں نے اس بات کی بھی اجازت دی کہ کسی ایسی مسجد میں خلوت لازم پکڑے، جہاں جماعت قائم ہوتی ہو اور خلوت کی شرطوں میں جن سے ترقی وزیادتی حاصل ہوتی ہے اور جن کے ترک کرنے میں اقدام بدی کی طرف دوڑاتے ہیں، رخنہ نہ ڈالے۔ خلوت کی شرطیں یہ ہیں۔

(۱) مقاصد کا مفاسد مجرد کرنا (۲) ہمت کو ان چیزوں سے یکسو کرنا جو مقاصد سے غافل کرنے والی ہیں اور اس خلوت کا بیان وہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تو دنیا میں مسافر یا رستہ کے گزرنے والے کی طرح رہ، اپنے نفس کو اصحاب قبور سے شمار کر۔ الحدیث۔ پس جس وقت خلوت کی شرطیں ادا کی جاتی ہیں تو خلوت نشین کا قصد خلوت درست ہو جاتا اور اس کی ہمت جمع ہو جاتی ہے اور مختلف ہمتیں ایک ہمت ہو جاتی ہیں۔

پس چاہیے کہ خلوت میں اس وقت داخل ہو جب کہ اپنے نفس کو سست کرنے والا ہو درحالیکہ خلق کو معدوم جاننے والا اور ان کی ناتوانی کا عالم ہو۔ دنیا اور اس کی خواہشوں کو ترک کرنے والا اور اس کی مضرتوں اور آرزوؤں پر واقف ہو، اور چاہیے کہ خلوت نشین کی خلوت اقسام عبادات سے آباد ہو۔ جب خلوت نشین کا

نفس اعلیٰ درجہ کے شغلوں کی برداشت کرنے سے عاجز ہو تو اسے ادنیٰ درجہ کی عبادات کی طرف اتارے اور اگر غلبہ کرے تو نفس کو تھوڑے سے عمل یا تھوڑی سی نیند کے ساتھ خوش کرے کیونکہ اس طرح نفس کے خوش کرنے میں نفس کی شورشوں سے احتراز ہے اور چاہیے کہ خلوت نشین بیکاری سے پرہیز کرے کیونکہ بطالت دلوں کو سخت غفلت میں ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نظام الحق والدین کی اس کام پر مدد کرے اور اس چیز سے نگاہ رکھے جو اس کے خلاف شان ہے اللہ اس پر رحم کرے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ محمدؐ اور آل محمدؐ پر اللہ کی رحمت کاملہ نازل ہو۔ نیز جس وقت نظام الدین خلوت سے بہرہ ور ہو گا اور خلوتوں کی وجہ سے حکمت و دانائی کے چشمے جاری ہوں گے اور اس کی خلوت عبادات نافلہ کو جمع کرنے والی ہوگی اور اس کے حضور میں وہ شخص پہنچے گا جو ہم تک پہنچنے کی قدرت نہ رکھے گا، اس شخص کی طرف کامل نعمت پہنچائے گا۔ پس نظام الحق کا بزرگ ہاتھ ہمارے ہاتھ کا نائب ہے اور وہ ہمارے تمام خلفاء میں ایک معزز خلیفہ ہے اور نظام الحق کا حکم دینی اور دنیاوی کام میں لازم پکڑنا منجملہ ہماری تعظیم کے ہے سو اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو نظام الحق کا اکرام کرے اور جسے ہم بزرگ رکھیں اللہ اسے بزرگی سے رکھے اور جو شخص اُس شخص کے حق کی حفاظت نہ کرے جس کی ہم حفاظت کرتے ہیں اللہ اسے ذلیل و خوار کرے۔ یہ اجازت نامہ فقیر مسعود کی طرف سے خدا کی مدد و توفیق سے اتمام کو پہنچا۔

بلونت سنگھ آنند بابا فریدؒ کے روحانی مرکز کے بارے میں ان الفاظ میں اپنا اظہار خیال کرتے ہیں۔

> آپ کے جماعت خانے کی کشش ہر معاشرت کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی ۔ ان کے مریدوں کے علاوہ روحانیت کا یہ مرکز عالموں، تاجروں، افسروں اور معاشرے کے دیگر لوگوں کا مرکز بن گیا۔ یہ لوگ اپنی عام معاشرت یا تو کچھ عرصے کے لئے یا ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر سادگی کی زندگی گزارنے لگے ۔ تا کہ اُن کی روحانی زندگی سنور سکے تاریخ میں ایسے کئی نمایاں افراد کے نام درج ہیں جو انکسار کے ساتھ خدمت گزاری کیلئے آئے اور انہوں نے وہ چین اور سکون پایا جس کی انہیں ہمیشہ سے تمنا تھی ۔ [1]

---

[1] بلونت سنگھ آنند، بابا فریدؒ، مترجم مہر افشاں فاروقی، بار اول، عالمین پبلیکشنز پریس، لاہور، ۱۹۹۴، ص: ۳۴۔

باب پنجم

بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ کا شخصیت و کردار و تعلیمات

فصل اول: شخصیت و کردار

فصل دوم: تعلیمات

فصل اول:

شخصیت و کردار

بابا فرید گنج شکرؒ سلسلہ چشتیہ میں اپنی شخصیت و کردار کے اعتبار سے بھی منفرد مقام کے حامل ہیں۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی شخصیت و کردار کا ہر پہلو ان کی تعلیمات کا مظہر ہے۔ اُن کی شخصیت و کردار کی شناسائی سے اُن کی تعلیمات تک آسانی سے رسائی ہوتی ہے۔

بابا فرید گنج شکرؒ کی شخصیت و کردار کا اہم پہلو عبادت و ریاضت اور مجاہدہ ہے۔ بابا فریدؒ اس بارے میں بھی منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اُن کی ساری زندگی نفس کشی اور زھد اور تقشف میں گزری آپ کا زُھد، زُھد انبیاء مشہور ہے۔

تزکیہ نفس کے لئے مجاہدہ کی بھٹی میں سے ایسے گزرے کہ زُھد میں یکتائے زمانہ کہلائے۔

محمد غوثی کا کہنا ہے کہ

> تمام مشائخ متفق اللفظ کہتے ہیں کہ ریاضت اور پرورش روح
> میں شکر گنج کی مانند کوئی درویش پیدا نہیں ہوا۔ [1]

عبادت و ریاضت و مجاہدہ اوائل عمر ہی میں آپ کا معمول تھا۔ سیر الاولیاء میں مذکور ہے۔

> منقول است کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین از عنفوان جوانی کہ
> قوت و کامرانی است بعبادت و محبت باری تعالیٰ مشغول گشت و ترکے
> بیکباری پیش گرفت واز خویش و پیوند جدا شد [2]

---

[1] محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، ۱۰۲۲ھ، ص: ۴۹۔

(نوٹ) محمد غوثی شطاری اپنے وقت کے نامور عالم سید وجیہہ الدین علوی کے شاگرد تھے۔ ۹۹۴ھ میں پیدا ہوئے آپ گلزار ابرار کے مصنف ہیں جو آپ نے ۱۰۱۴ھ-۱۰۲۲ھ کے دوران لکھی۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۷۰۔

منقول ہے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس سرہ آغاز شباب سے ہی جو قوت و کامرانی کا دور ہے۔ عبادت و محبت باری تعالیٰ میں مشغول ہو گئے اور یکسوئی اختیار کر کے رشتہ و پیوند سے بے نیاز ہو گئے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا آپ کی شخصیت اور کردار سازی میں بہت بڑا ہاتھ تھا۔

گلزار فریدی میں درج ہے۔

آنحضرت در اول عمر از والدہ شریفہ رخصت گرفتہ بسوئے
و بیاباں و کوہستاں روانہ شد، اقامت نمود [1]

ترجمہ: اوائل عمر میں حضرت بابا فریدؒ والدہ شریفہ سے اجازت لے
کر جنگلوں اور پہاڑوں کے طرف روانہ ہو گئے اور وہیں قیام کیا۔

آپ شروع ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ اور سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنے خالق حقیقی کی یاد میں وقت گزارنے کو ترجیح دیتے۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اپنے آپ کو مخلوق سے مخفی رکھیں۔ خلوت پسندی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ ویرانوں اور بیابان جگہوں کا رخ کیا اس لئے کہ آپ اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں اس طرح وقت گزارنا چاہتے تھے کہ کوئی خلل واقع نہ ہو۔ بچپن ہی سے اس خلوت پسندی میں مصروف رہنے کی وجہ سے ''قاضی بچہ دیوانہ'' کہلائے۔ [2]

خلوت میں مشغول عبادت ہونا اتباع سنت ہے۔ حضرت محمد ﷺ غار حرا میں کئی روز خلوت میں مشغول عبادت رہتے تھے اور بابا فریدؒ کی زندگی کا ہر پہلو اتباع سنت کا نمونہ ہے۔

مرشد کے پاس تحصیل علوم کی تکمیل کے بعد جب حاضر ہوئے تو وہاں بھی الگ حجرے میں اپنے آپ کو مجاہدہ کی بھٹی میں ڈالے رکھا۔ باقی لوگ روزانہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے لیکن بابا فریدؒ دو ہفتے بعد مرشد کے حضور حاضری دیتے۔ [3]

---

[1] مولانا گل محمد شیروی، گلزار فریدی (فارسی قلمی) ص: ۷۔

[2] اس کی تفصیل اور حوالہ مقالہ کے گزشتہ صفحات حصہ دوم میں آچکی ہے۔

[3] اس کی تفصیل مقالہ کے حصہ دوم، باب دوم، میں آچکی ہے۔

آپ شہرت سے دور بھاگتے اکثر فرماتے

ہر کہ در بند نام و آوازہ است
خانہ اوبرون دروازہ است [۱]

ترجمہ: جو شخص نام و شہرت کی فکر میں ہے اُس کا گھر دروازے سے باہر ہے۔

بابا فرید گنج شکرؒ کے مجاہدہ میں روزہ طے [۲] اور چلۂ معکوس مشہور ہے۔ چلۂ معکوس کا واقعہ یہ ہے کہ روزہ طے کے بعد بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے مزید مجاہدہ کے بارے میں اپنے مرشد بختیار کاکیؒ سے چلہ کشی کی اجازت چاہی تو بختیار کاکیؒ نے فرمایا کہ چلۂ کشی کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح کی چیزوں سے سوائے شہرت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ شیخ فریدؒ نے عرض کیا کہ حضور جانتے ہیں کہ بندہ کو شہرت مقصود نہیں بلکہ ہمیشہ گوشہ نشینی اور گمنامی مدنظر ہے۔ شیخ فریدؒ فرماتے ہیں کہ میں عمر بھر اس بات پر شرمندہ رہا کہ میں نے اپنے مرشد کو ایسی بات پر کیوں جواب دیا جو اُن کے مزاج کے موافق نہ تھی۔

الغرض بختیار کاکیؒ نے آپ کو چلۂ معکوس [۳] کی اجازت دی۔ آپ کو چلۂ معکوس کی تفصیل معلوم

---

۱ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی) ص: ۷۳۔

۲ روزہ طے کی تفصیل حصہ دوم کے باب اول، فصل اول میں وجہ تسمیہ گنج شکرؒ یا شکر بارؒ کے ضمن میں آچکی ہے۔

۳ چلۂ معکوس یا نماز معکوس کا حوالہ کسی ثقہ مجموعہ میں نہیں ملتا۔ تاہم فوائد الفواد، ص: ۷ اور سیر الاولیاء، ص: ۸۰ میں ابوسعید ابوالخیرؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اُنہوں نے نبی کریمؐ کی عبادت کے بارے میں جو کچھ سنا اُن سب پر عمل کیا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے علم ہوا کہ جناب نبی کریم ﷺ سرنگوں نماز ادا کر رہے ہیں تو میں بھی ایک جگہ پہنچ کہ پاؤں میں رسی باندھ کر کنویں میں الٹا لٹک گیا اور مصروف عبادت ہوا۔ ایک چشتی بزرگ خواجہ ابومحمد چشتیؒ کے بارے میں سیر الاولیاء میں بیان کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے صلوٰۃ معکوس ادا کی۔

شاہ ولی اللہؒ نے قول الجمیل، ص: ۵۳۔ پر لکھا ہے کہ چشتیوں میں ایک نماز، صلوٰۃ معکوس ہے لیکن حدیث میں اور نہ ہی فقہاء کے اقوال میں اس کی کوئی سند ملی۔ اس کا جواز یا عدم جواز اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

بہر حال اس سے قطع نظر کہ چلۂ معکوس یا صلوٰۃ معکوس کی شرعی حیثیت کیا ہے بابا فریدؒ سے چلہ معکوس ثابت ہے کیونکہ وہ مجاہدہ میں بھی بے مثل تھے۔

نہ تھی۔آپ نے شیخ بدرالدین غزنویؒ کے ذریعہ بختیار کاکیؒ سے اس کی تفصیل معلوم کی جس کے مطابق چلّہ معکوس ایسا چلّہ ہے جس میں چالیس دن اور رات پاؤں میں رسی باندھ کر کسی کنویں میں اُلٹا لٹک کر عبادت کی جائے۔

کیونکہ آپ کو شہرت مطلوب نہیں تھی، اس لئے آپ ایسے مقام کی تلاش میں نکلے جہاں کسی کو پتہ نہ چلے اور وہاں ایسی مسجد ہو جس میں کنواں بھی ہو اور جس کے پاس ایسا درخت ہو جس کی شاخ کنویں پر چھائی ہو اور مسجد کا مئوذن بھی راز دار بن سکے۔تلاش وجستجو کے بعد آپ کو اوچ میں ایسی مسجد مل گئی۔اسے مسجد حاج کے نام سے پکارا جاتا تھا۔مسجد کا مئوذن خواجہ رشید الدین مینائی ہانسی کا باشندہ تھا اور بابا فریدؒ کا معتقد تھا۔آپ نے مئوذن سے رازداری کا عہد لیا۔آپ نے خواجہ رشید مینائی (مئوذن) کو رسہ لانے کے لئے کہا۔رسے کے ایک سرے سے آپ کے پاؤں باندھ دیئے گئے اور دوسرا سرا کنویں پر آئی ہوئی درخت کی شاخ سے باندھ دیا گیا۔اس کے بعد مئوذن نے آپ کو کنویں میں لٹکا دیا۔آپ نے مئوذن سے کہا کہ صبح پو پھٹنے سے پہلے آپ کو کنویں سے نکال لے۔رات بھر آپ اسی طرح عبادت میں مصروف رہتے اور صبح مئوذن آپ کو نماز کے وقت کنویں سے نکال لیتا۔ اس طرح آپ نے چالیس راتوں کا چلّہ مکمل کیا۔ [1]

آپ نے چالیس دن تک یہ چلّہ کاٹا لیکن سوائے مئوذن کے کسی کو خبر نہ ہونے دی اور مرشد کا فرمان پورا کیا۔

---

[1] بعض تذکروں نے لکھا ہے کہ آپ نے دن کو بھی چلّہ جاری رکھا۔صرف فرض نمازوں کے لئے باہر آتے تھے لیکن ہم عصر مآخذوں میں اس کی تائید نہیں ملتی۔میر خورد سیرُ الاولیاء میں لکھتے ہیں۔

''بریں جملہ چہل شب چلہ معکوس داشت''

(اس طرح انہوں نے چالیس رات کا چلّہ پورا کیا)۔

میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۸۰۔

عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار (فارسی) مطبع مجتبائی پریس، دہلی، ۱۳۰۹ھ، ص:۵۳۔

صاحب سیرُ الاولیاء بیان کرتے ہیں کہ

آن مسجد ہنوز در اوچہ برقرار است

یہ مسجد اوچ میں ہنوز برقرار ہے۔ [۱]

بابا فرید گنج شکرؒ کے ریاضت و مجاہدہ کا مقصود، شہرت یا بہشت کا حصول نہیں تھا بلکہ عبادت و ریاضت و مجاہدہ کا اصل سر چشمہ اور مقصود عشق الٰہی تھا جو انہیں اپنے خالق سے تھا تا کہ وہ اُن حدود و قیود کو توڑ سکیں جو اُن کے اور اُن کے محبوب حقیقی کے درمیان حائل تھیں۔ اپنے خالق حقیقی کے عشق میں اکثر استغراق کی کیفیت رہتی۔

بابا فریدؒ صائم الدہر تھے۔ اس میں بھی ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔ صاحب سیرُ العارفین تحریر کرتے ہیں کہ

حضرت فرید الملۃ والدین صوم دوام بودے بحدیکہ اگر عارضہ داشتے

یا فصد نمودے ہرگز افطار نفرمودے [۲]

ترجمہ: حضرت فرید الملت والدین ہمیشہ روزہ رکھتے یہاں تک کہ اگر بیمار

ہوتے یا فصد کھلواتے تب بھی روزہ ترک نہ کرتے۔

اپنے جانشین حضرت خواجہ نظام الدین الاولیاءؒ سے فرمایا:

نظام روزہ آدھا سلوک ہے اور باقی تمام چیزیں نماز و اوراد وغیرہ آدھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

بغایت ریاضت و مجاہدہ فقر و تجرید داشت [۳]

۱۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۸۰۔

۲۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، مطبوعہ دہلی، ص:۴۸۔

۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارُ الاخیار، ص:۵۲۔

جب دہلی میں بدرالدین غزنویؒ کے اصرار پر دعوت پہ تشریف لے گئے تو یہ کہہ کر دستر خوان سے اٹھ گئے۔

اے مسعود! تو اپنا شکم لقمہ چرب وشریں سے پُر کرتا ہے۔قرب خدا کیسے حاصل ہوگا۔[۱]

اواخر عمر میں بھی آپ کے مجاہدہ وریاضت اور نفس کشی کا یہی عالم رہا۔جنگلی پھلوں کو اُبال کر جن میں کبھی نمک ہوتا کبھی نہیں ایک وقت کی افطاری میں نوش فرماتے۔

فتوح آتیں تو تقسیم کر دی جاتیں۔آپ کے اہل خانہ بھی آپ کے ساتھ فاقہ کشی میں شریک رہے۔جماعت خانہ کے باسی بھی جنگل سے پیلو اور ڈیلے لاکر اپنے اور اپنے مرشد کے لئے کھانا تیار کرتے۔[۲]

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کا اور ہی مقام تھا۔انہوں نے خلق اور آبادی کو ترک کر کے دشت وبیاں اختیار کیا۔اور لوگوں کے میل جول سے علیحدگی کر کے عزلت وگوشہ نشینی پسند کی تھی۔آپ اجودھن جیسے غیر آباد مقام میں سکونت پذیر تھے اور درویشانہ روٹی پر قناعت کر لی تھی۔ روٹی کے ساتھ صرف وہی چیزیں کھاتے جو اُن علاقوں میں پیدا ہوتی ہیں جیسے پیلو وغیرہ[۳]

مسلسل روزوں، شب بیداری اور مجاہدوں کی وجہ سے کمزور ہو گئے لیکن بڑھاپے میں بھی ریاضت شاقہ جاری رہی۔

طعام ولباس، بستر وچارپائی وغیرہ سب میں نفس کی خواہشات پر غلبہ حاصل کیا۔[۴]

آپ نے جو طرز زندگی اختیار کی اس میں تموّل اور تنگدستی کچھ اثر انداز نہ ہوتا تھا۔نفس کشی اور غلبہ خواہشات میں آپ کا انداز نرالا تھا۔تزکیہ نفس میں نفس مطمئنہ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور ایک ہی دھن تھی کہ اپنے خالق ومالک کے عشق میں سرشار رہتے۔

۱؎ حامد قلندر، خیر المجالس (اُردو)، ص: ۱۸۷۔

۲؎ اُن سب کی تفصیل حصہ دوم، باب سوم، عائلی زندگی۔خوراک، لباس، کے ضمن میں آچکی ہے۔

۳؎ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص: ۷۴۔

۴؎ اس کی تفصیلی مقالہ کے حصہ دوم، اور باب سوم ''عائلی زندگی'' کے ضمن میں آچکی ہے۔

آسام و بنگال سے لے کر کشمیر تک شیخ فریدؒ کی چلّہ گاہیں زیارت گاہ خلق ہیں، جو ان کی ریاضت ومجاہدہ کا ثبوت ہیں۔ [۱]

آپ ہمیشہ ایسے مقام کی تلاش میں رہے، جہاں آپ کی عبادت وریاضت ومجاہدہ میں کوئی مخل نہ ہو۔ آپ نے اہل دوّل اور ارباب اختیار سے ہمشیہ کنارہ کشی اختیار کی۔ فتوح آتیں تو وہ تقسیم کر دی جاتیں۔ شاہان وقت کی طرف سے جاگیریں پیش کی جاتیں مگر آپ واپس کر دیتے۔

ایک مرتبہ سلطان ناصر الدین اپنے لشکر سمیت اوچ اور ملتان کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے اپنے وزیر السلطنت الغ خان (جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے دہلی میں تخت نشین ہوا) کو نقدی اور چار گاؤں کے فرمان کے ساتھ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ نقدی تو ہم درویشوں میں تقسیم کر دیں گے، گاؤں کے فرمان واپس لے جاؤ اس کے طالب اور بہت ہیں۔ [۲]

آپ خود بھی اہل دوّل اور ارباب اختیار سے کنارہ کشی اختیار کرتے تھے اور اپنے خلفاء اور مریدوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔
آپ کا وہ خط جو آپ نے بدرالدین غزنویؒ کے خط کے جواب میں لکھا، اس کی بہترین مثال ہے۔ [۳]

قناعت پسندی اور توکل علی اللہ آپ کی شخصیت وکردار کا خاصہ ہیں۔ اگر چہ کثیر العیال تھے لیکن مال ومتاع دنیوی سے یکسر بے نیاز تھے۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔
پیر محمد اجمل چشتی فاروقی، چلّہ گاہیں بابا فرید الدین گنج شکرؒ، مرکز تعلیمات چشتیہ، چشتیاں شریف، طبع اول، ۲۰۰۳ء
۲۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۸۹-۹۰۔
امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد: ص، ۹۹ ، عبد الرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار، ص:۶۷۔
۳۔ اس کی تفصیل "باب امام سلسلہ چشتیہ" کے تحت آچکی ہے۔

قرض لینے کے سخت خلاف تھے۔ اُن کے نزدیک قرض وفقر وتوکل میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ درویش کے لئے قرض لینے کی بجائے فاقہ سے مرجانا بہتر ہے۔ ایک مرتبہ کھانے میں اُدھار نمک ڈالا گیا تو آپ نے باطنی قوت سے معلوم کرلیا اور یہ کہہ کر کھانا نہیں کھایا کہ اس سے اسراف کی بو آتی ہے۔ [1]

آپ کی زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں آپ دوسرے دن کے لئے کچھ بچا کر رکھتے یا مال جمع کرنے پر عمل کیا ہو۔ جو کچھ آتا آپ کا معمول تھا کہ سب اُسی وقت تقسیم کردیا جاتا۔ آپ فرماتے تھے ۔

قرض وتوکل بعد المشرقین [2]

ترجمہ: قرض اور توکل میں مشرق ومغرب کا تضاد (دوری) ہے۔

یہ دونوں ایک جگہ نہیں سما سکتے۔

ایک مرتبہ کچھ پیسے آپ کو نذرانہ پیش کئے گئے۔ آپ نے مولانا بدرُالدین اسحٰقؒ کے حوالے کئے کہ ابھی تقسیم کردیں۔ مولانا بدرُالدین اسحٰق نے وہ پیسے تقسیم کردیے۔ کچھ دیر بعد مولانا بدرُالدین اسحٰق کو ایک روپیہ فرش پر پڑا ملا۔ آپ نے یہ سوچ کر کہ صبح فقراء کے کھانے میں کام آجائے گا رکھ دیا۔ بابا فریدؒ نے نماز میں بے ذوقی محسوس کی۔ آپ نے نیت توڑ دی اور مولانا بدرالدین اسحٰقؒ سے دریافت کیا۔ کیا وجہ ہے نماز بے ذوق ہے۔ کیا تمہارے پاس شاہی پیسہ (روپیہ) ہے؟ مولانا نے عرض کیا کہ ایک روپیہ ہے اُسے صبح کے لئے رکھ دیا ہے۔ آپ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے لے کر پھینک دیا اور فرمایا: جمع کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں ایک دفعہ بابا فریدؒ سخت بیمار ہوگئے۔ چند دنوں میں نہایت ضعیف ہوگئے۔ عصا ہاتھ میں لے کر چلنے لگے۔ چند قدم ہی چلے تھے کہ عصا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور پیشانی پر

---

1. میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۷٦۔

2. حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص:٦٦۔

ندامت وپشیمانی کے آثار نمودار ہوئے۔ پوچھنے پر بتایا کہ مجھے عتاب کیا گیا۔ کہ تم نے غیر (عصا) پر بھروسہ کیوں کیا۔ [1]

وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز نہیں تصور کرتے تھے۔ اپنے مریدوں کو بھی یہی تعلیم دیتے کہ اصل کارساز موثر حقیقی صرف اُسی کی ذات ہے۔ وہ دے تو کوئی روک نہیں سکتا اور وہ نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔ وہ اسباب پیدا کرتا ہے۔

شیخ نصیر الدین محمودؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سفارشی رقعہ تحریر کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے یہ عبارت تحریر فرمائی

رَفَعْتُ قِصَّتَهُ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ اِلَیْکَ فَاِنْ اَعْطَیْتَهُ شَیْئًا فَالْمُعْطِیْ هُوَ اللّٰه وَاَنْتَ الْمَشْکُورُ وَ اِنْ لَمْ تُعْطَهُ شَیْئًا فَالْمَانِعُ هُو اللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ۔ [2]

ترجمہ: میں نے اس شخص کا احوال اول اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا۔ پھر تیری طرف اگر تو نے اُسے کچھ عنایت کیا تو حقیقت میں دینے والا اللہ ہے اور تُو مشکور۔ (یہ شخص تیرا مشکور ہوگا) اگر تو کچھ نہ دے گا تو حقیقت میں روکنے والا اللہ ہے اور تُو معذور۔

جب ایک مرتبہ ایک شخص نے جماعت خانہ کے قریب خادموں کے لئے اینٹوں والی کوٹھڑی بنانے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا:

مدت ہفت سال است کہ مسعود بندہ نیت کردہ است کہ خشت بر خشت نہ نہد [3]

ترجمہ: سات سال ہوئے مسعود نے عہد کیا ہے اینٹ پر اینٹ نہ رکھے گا۔

یہاں تک کہ جب انتقال فرمایا تو جنازہ پر ڈالنے کے لئے چادر اور لحد کے لئے اینٹیں تک نہ تھیں۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۹۱۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۸۱-۸۲۔

[3] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۱۰۰۔

میر خورد کرمانی کی دادی نے نئی چادر جنازہ پر ڈالنے کے لئے دی۔ [1] لحد کے لئے آپ کے گھر کا دروازہ اکھاڑ کر اینٹیں نکالی گئیں۔ [2]

بابا فرید گنج شکرؒ حسن خُلق کا پیکر تھے۔ آپ کی آواز میٹھی رسیلی تھی آپ صحیح معنوں میں گنج شکرؒ "شکر کا خزانہ" تھے۔ اس تلقیب کی ظاہری وجوہات کا ذکر آچکا ہے۔ جو مختلف تذکروں میں درج ہے۔ لیکن حقیقت میں خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنے مرید (جس کی بلند پروازی کی پیشن گوئی اُن کے مرشد نے کی) میں گفتار و کردار اور مزاج کی حلاوت کو دیکھ لیا تھا۔ جس کی بدولت لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بابا فریدؒ ہر چھوٹے، بڑے سے مسکراتے ہوئے اور محبت و شفقت سے ملتے تھے۔ آپ دلکش، پیکر محبت اور سراپا مہر و لطافت تھے۔ آپ کے حصے میں خُلق نبویؐ کی اتباع کا حظ وافر آیا تھا۔

بقول ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

> کچھ بھی ہو ہمارے نزدیک بابا فریدؒ کی تلقیب "شکر گنج"
> یا "گنج شکر" کا حقیقی سبب وہ حلم و بردباری، شفقت و رحمت،
> لطافتِ کلام اور شگفتگی گفتار ہے۔ جو انہیں عشق مصطفیؐ
> اور پیروی اسوۂ حسنہ کے طفیل عطا ہوئی تھی۔ [3]

اللہ کے بندے میں جو وصف نمایاں ہوتا ہے اُسے مخلوق کی زبان پر جاری کر دیتا ہے۔ "آوازۂ خلق نقارہ خدا است" گنج شکرؒ کی شخصیت میں اللہ کے عشق کی چاشنی اور مخلوق خدا کی محبت کی حلاوت نمایاں ہے۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۹۹۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۰۰-۱۰۱۔

[3] اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فرید یہ دیوان بابا فریدؒ، بین الاقوامی ایڈیشن مرکز معارف اولیاء، طبع اول، لاہور، جون ۲۰۰۵، ص:۱۶۔

آپ جن اخلاق اقدار کا پرچار کرتے تھے، بذات خود اُن سب کا مجسمہ تھے۔آپ کے گرد ہروقت عقیدتمندوں کا ہجوم رہتا۔آپ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا۔خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

آمدوشد خلق حدنبود درخانہ قیاس نمیشب کم وبیش سیتندے یعنی
پیوستہ درباز بودی وطعام ونعمت موجود از کرم خدائے تعالیٰ د آیندہ
دروندہ را ازاں نصیب شدے ہیچکس بخدمت ایشاں نیامدے کہ او را
چیزے نصیب نگردی عجب قوتے وعجب زندگانی کہ ہیچ کس را ازبنی آدم میسر نشود۔[1]

خلق کی آمدورفت کی کوئی حداوراندازہ نہ تھا آپ کے گھر کادروازہ نہ تھا آپ کے گھر
کادروازہ آدھی رات یااس سے کچھ کم یازیادہ وقت میں بند ہوتا تھایعنی ہروقت دروازہ
کھلا رہتا تھا۔اللہ کے فضل وکرم سے ہرقسم کا کھانااور ہرطرح کی نعمت موجود رہتی جس
سے آنے والے بہرہ مند ہوتے جوآپ کی خدمت میں حاضر ہوتا کھانے سے
سیراورنعمت سے مالامال ہوتا۔عجب قوت اورعجب زندگانی تھی جوبنی آدم میں کسی اورکومیسر نہیں ہوئی۔

ہرقسم کے لوگ امیر،غریب،چھوٹا،بڑا،عورت،مرد،ہندو،مسلم،بادشاہ،فقیر،مساکین آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔کسی پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی، نہ ہی کسی کوکسی پر فوقیت حاصل تھی۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے۔

بخدمت شیخ الاسلام فریدُ الدینؒ از ہرجنس درویش وغیرآں برسیدے [2]

ترجمہ: یعنی شیخ الاسلام فریدُ الدینؒ کی خدمت میں ہرقسم کے لوگ درویش اور
اُن کے علاوہ بھی حاضر ہوتے تھے۔

آپ سب سے شفقت ومحبت سے پیش آتے اور ہرایک سے اُس کی صلاحیت کے مطابق گفتگو فرماتے۔سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک عالم ضیاءُالدین نامی جومنارہ کے نیچے بیٹھ کر طلباء کودرس دیتا تھا۔اُس نے اپناواقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک مرتبہ بابا فریدؒ کی خدمت میں گیا۔اور

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُالاولیاء، ص:۷۴-۷۵۔

[2] امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، ص:۵۔

فقہ ونحواور دیگر رسمیہ علوم سے نابلد تھا۔ البتہ اخلاق علوم سیکھ لئے تھے۔ وہ دل میں ڈرا کہ اگر بابا فریدؒ نے ان علوم کے بارے میں کوئی سوال کر دیا تو کیا جواب دوں گا لیکن جب خدمت شیخ میں حاضر ہوا تو آپ نے کشف سے حال معلوم کر لیا اور اُس سے اُسی علم کے بارے میں پوچھا جس میں اُسے مہارت حاصل تھی اور اُس نے خوش ہو کر اُس کا مفصل جواب دیا۔ [1]

آپ ہر انسان سے برابری کا سلوک کرتے تھے۔ نئے آنے والے پر بھی اتنی ہی توجہ اور مہربانی اور شفقت سے پیش آتے جتنی پرانے آنے والوں سے آپ کسی میں امتیاز وتفریق نہ کرتے تھے۔ [2]

آپ کا کردار و شخصیت ریا کاری سے پاک تھا۔ آپ خلوت وجلوت میں ایک ہی طرز رکھتے تھے آپ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ آپ کی شخصیت میں کوئی تضاد نہ تھا۔

شیخ بدرالدین اسحٰقؒ جو آپ کے خادم اعلیٰ اور داماد بھی تھے۔ آپ کے ساتھ خلوت وجلوت میں رہتے تھے۔ آپ کی شخصیت کا کوئی پہلو بدرالدین اسحٰقؒ سے پوشیدہ نہ تھا وہ فرماتے ہیں۔

من خادم محرم بودم و ہر چہ بودے با من بگفتے و بہر کارے مرا براہ کردے ہیچ وقت مرا در خلا سخن نگفت یعنی ظاہر و باطن یک روش داشت و ایں از عجائب روزگار است۔ [3]

ترجمہ: میں اُن کا خادم خاص تھا جو کچھ کلام ہوتا وہ مجھ سے کرتے تھے خلوت و جلوت میں ایک ہی بات کہتے اور کرتے تھے۔ مجھ سے علیحدگی میں کبھی ایسی بات نہیں کی جو ظاہر میں نہ کر سکتے ہوں یعنی ظاہر و باطن میں اُن کی روش ایک تھی۔ اور یہ بات عجائب زمانہ ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ خود کو ایسا ظاہر کرو جیسے ہو ورنہ جیسے تم ہو ویسا دکھلا دیا جائے گا۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۸۰۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۷۵۔

[3] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۷۴، میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۷۵۔

آپ بہت رحم دل اور نرم طبیعت کے مالک تھے ۔ خدمت خلق کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ دوسروں کی تکلیف پر تڑپ اٹھتے ۔ آپ کا دل ہر ایک کے دکھ سے رنجور ہوتا تھا۔ ہر ایک کا مسئلہ پوری توجہ سے سنتے اور ہر ایک کے دکھ پر مرہم رکھتے تھے۔ اور فرماتے:

''میرے پاس ایک ایک کر کے آیا کرو تا کہ ہر ایک کو توجہ دے سکوں''

حاجتمندوں کی حاجتیں اُنہی کی زبانی سنتے اور پھر عبادت میں مشغول ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ

جب محتاج اور ضرورت مند لوگ دروازے پر موجود ہوں اور یہ شخص ورد میں مشغول ہو تو ایسی حالت میں صاحب ورد اپنے ورد میں کیا ذوق وشوق پا سکتا ہے۔

آپ کی ساری زندگی لوگوں کو خوشی وسکون مہیا کرنے میں صرف ہوئی۔

بقول برنی ''بابا صاحب نے خطّہ کے باسیوں کو اپنے دامن شفقت میں لے رکھا ہے۔ [1]

آپ عفوو درگزر کا پیکر تھے۔ آپ نے اپنے دشمنوں کو بھی ہمیشہ معاف کیا۔ کبھی کینہ یا بغض دل میں نہیں رکھا۔ شہاب جادوگر کا بیٹا جو آپ کی تکلیف اور طویل علالت کا باعث بنا جب پکڑا گیا تو خود بھی اُسے معاف کر دیا اور حاکم اجودھن سے بھی کہا کہ اُسے معاف کر دے۔ [2]

ایک مرتبہ پانچ درویش جو اکھڑ مزاج اور درشت کلام تھے۔ بابا فریدؒ کی خدمت میں پہنچے بابا فریدؒ اُن سے خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اُنہیں بیٹھنے کے لئے کہا، وہ تھوڑی دیر بیٹھے اور پھر غضبناک ہو کر چل پڑے۔ آپ نے اُنہیں کہا، اگر جانا ہی ہے تو بیاباں راستے سے نہ جانا خطرہ ہے لیکن اُنہوں نے آپ کے حکم کے خلاف کیا۔ آپ نے ایک بندے کو دوڑایا کہ دیکھے کس راستہ سے جا رہے ہیں اُس نے بتایا کہ بیاباں سے تو آپ رونے لگے اور پرنم آنکھوں سے فرمایا: انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ بعد ازاں پتہ چلا کہ وہ چار بیاباں میں بادسموم سے مر گئے اور پانچواں دریا پر پہنچا تو اتنا پانی پیا کہ اسی جگہ مر گیا۔ [3]

---

[1] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص:۱۱۲۔

[2] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۷۸۔ اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

[3] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۹۶ ، امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، نولکشور، لکھنو ۱۳۰۲ھ، ص:۱۵۱۔

اُن کی بدتمیزی کے باوجود آپ کا دل دکھا اور آپ روئے۔

بابا فریدؒ دشمن کی بدسلوکی کا جواب بھی صبر و سکون اور تحمل سے دیتے تھے اور اسی کی تلقین مریدوں کو بھی کرتے تھے۔

اجودھن کے قاضی عبداللہ جسے وہاں کے باشندے قاضی محمد ابوالفضل بھی کہتے تھے، نے جامع مسجد میں ایک دفعہ آپ اور آپ کے مریدوں کو بُرا بھلا کہا لیکن آپ خاموشی سے آگئے اور مریدوں سے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی پر بے جا بہادری کا اظہار کرے تو وہ تحمل و برداشت سے کام لیں۔ [۱]

ایک دفعہ آپ مصلّٰے پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور گستاخ لہجے میں آپ سے کہا کہ ''بت کی طرح نمائش کئے کیوں بیٹھے ہو؟'' آپ نے بڑے سکون سے جواب دیا ''مجھے اس بارے میں کوئی اختیار نہیں میں وہی ہوں جو اللہ نے مجھے بنایا'' وہ شخص چلایا ''نہیں تم نے خود اپنے آپ کو ایسا بنایا ہے'' ۔بابا فریدؒ نے جواب میں فرمایا: ''نہیں ہر چیز کو اللہ نے بنایا ہے۔ اس پر وہ شخص شرمندہ ہوا۔ [۲]

آپ ہمیشہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ رہتے۔ جب کبھی کسی روحانی تجربہ کا ذکر کرتے تو اسے اپنی طرف منسوب نہ کرتے بلکہ ایسے بیان کرتے جیسے کسی اور کا تجربہ بیان کر رہے ہیں۔ [۳]

اپنے لئے ہمیشہ فقیر، درویش اور عاجز کے القاب اختیار فرماتے۔ ایک مرتبہ بیماری کی وجہ سے چارپائی پر بیٹھنا پڑا تو آپ نے حاضرین سے معذرت کی اور اپنا عذر بیان کیا۔

آپ ہمیشہ دشمنوں کو راضی کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے بیعت کی تو حضرت باباؒ نے فرمایا:

خصمان را خوشنود باید کرد و استرضائی صاحب حقان غلوئے فرمود [۴]

دشمنوں کو راضی کرنا چاہیے اور حق داروں کی رضامندی میں غلو کا فرمایا:

۱۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۴۹، امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، نولکشور، لکھنو، ۱۳۰۲ھ، ص:۱۲۵-۲۶۔

۲۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۴۸ ، حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص:۳۵۔

۳۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۸۲ ، میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۳۴۶۔

۴۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، مطبوعہ چرنجی لال، دہلی، ص:۱۴۰۔

بابا فریدؒ کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ معاملات میں بھی کھرے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں، جب آپ کا یہ فرمان سُنا کہ حق داروں کی رضامندی میں غُلو کرو تو مجھے فوراً خیال آیا کہ میں نے ایک شخص کی کتاب دینی تھی جو مجھ سے گم ہوگئی تھی۔ اور ایک بزاز کے ۲۰ جیتل دینے تھے۔ میں نے عہد کیا کہ دہلی جا کر سب سے پہلا کام یہ کروں گا۔

جب میں دہلی گیا تو معاش تنگ ہونے کی وجہ سے ۲۰ جیتل اکھٹے میرے پاس نہ تھے۔ ایک دفعہ جب ۱۰ جیتل میرے پاس آئے تو میں نے بزاز کو ۱۰ جیتل دیے اور کہا کہ میں نے آپ کے ۲۰ جیتل دینے تھے۔ ۱۰ اور جب آئیں گے انشاء اللہ ادا کر دوں گا۔ اُس شخص نے کہا تُو مسلمانوں کے پاس سے آ رہا ہے پھر اُس نے دس جیتل لئے اور بقایا دس معاف کر دیے۔

اس کے بعد میں نے جس سے کتاب مستعار لی تھی اُس کے پاس گیا اور کہا کتاب گم ہوگئی ہے میں اُس کی کسی جگہ سے نقل کرا کر آپ کو دے دوں گا۔

اُس شخص نے کہا۔

آرے از آنجا کہ تو می آئی ثمرہ ہمیں باشد

ہاں جہاں سے تو آیا ہے اُس کا ثمر یہ ہی ہے۔

پھر اُس نے کہا میں نے وہ کتاب تمہیں بخش دی۔[1]

دوسروں کی اصلاح کا طریقہ بھی نرالا تھا۔ کسی کی عیب جوئی نہ کرتے بلکہ ایسے پیش آتے کہ دوسرا خود اپنی اصلاح کرتا۔

شیخ عارفؒ سیوستانی جب حاکم سیوستان نے اُنہیں سو اشرفیاں بابا فریدؒ کی خدمت میں پیش کیں تو انہوں نے پچاس اپنے پاس رکھ لیں اور پچاس بابا فریدؒ کی خدمت میں پیش کیں تو

---

[1] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۱۴۰۔

میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص: ۳۴۰-۳۴۱۔

آپ نے مسکرا کر فرمایا:

عارف قسمت برادروار کردی

عارف خوب برادرانہ تقسیم کی

شیخ عارفؒ شرمندہ ہوئے اور بیعت ہو کر خلافت پائی۔ [1]

اجودھن کا ایک منشی اپنے ماتحتوں سے بدسلوکی سے پیش آتا تھا اور عوام پر بھی ظلم وزیادتی کرتے نہ ڈرتا تھا۔ ایک دفعہ اُس کا افسر اُس سے سخت ناراض ہو گیا اور اُسے تکلیفیں پہنچانے لگا۔ منشی پریشان ہوا تو بابا فریدؒ کے پاس آیا اور اُس افسر سے سفارش کی درخواست کی۔ آپ نے اُس کی سفارش کی لیکن افسر پہلے سے بھی زیادہ اُسے آزار پہنچانے لگا۔ جب اُس نے بابا فریدؒ سے ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: میں نے سفارش کر دی لگتا ہے کوئی مظلوم تیرے پاس بھی آیا اور تم نے اُس کی فریاد نہیں سُنی ۔یہ سنتے ہی منشی نے توبہ کی اور عہد کیا کہ آئندہ وہ کسی کو نہ ستائے گا۔ کچھ ہی عرصہ میں وہ افسر خود بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا معافی مانگی اور منشی سے راضی ہو گیا بلکہ اُسے گھوڑا انعام میں دیا۔ منشی نے اپنی اصلاح کر لی۔ [2]

غرضیکہ اصلاح وتربیت میں بھی آپ کی روش الگ تھی۔ آپ کی مہمان نوازی، ایثار اور دوسروں کی تکلیف کو محسوس کرنے کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک درویش اجودھن کی جامع مسجد میں ٹھہرے۔ بابا فریدؒ نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ وہ بھوکے ہیں۔ بابا فریدؒ گھر آئے تو سوائے تھوڑی سی جوار کے کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے اُسے صاف کیا اور پھر چکی میں پیسا اور اس کے بعد روٹی بنا کر درویش کو پیش کی۔ [3]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۱۹۴ ، امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، نولکشور، لکھنو، ۱۳۰۲ھ، ص:۲۱۵۔
اس کی تفصیل مقالہ کے حصہ دوم، باب چہارم میں خلفاءِ عظام کے تحت آ چکی ہے۔

[2] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۴۸۔
حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، رضوی پریس، دہلی، ۱۳۱۱ھ، ص:۳۸۔

[3] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۸۳-۸۴ ، عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ اسرار (اُردو)، ص:۶۶۷۔

بابا فرید گنج شکرؒ صاحب شریعت وطریقت تھے۔آپ نے سلوک کے راستے پر قدم رکھنے سے پہلے تمام علوم پر عبور حاصل کیا۔جب اپنے مرشد بختیار کاکیؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی آپ کو پہلے تکمیل تحصیل علوم کی نصیحت کی۔

آپ نے تحصیل علوم کے لئے سفر بھی کئے اور مختلف بزرگوں سے فیضیاب ہوئے۔

تاریخ گواہ ہے کہ صاحب شریعت وطریقت صوفیہ ہی اشاعت اسلام میں کامیاب ہوئے بقول سید حسین نصر

> شریعت وطریقت کا یہ اندرونی رابطہ ہی تھا جس نے صوفی رہنماؤں اور اولیاء کی مدد سے دنیا کے کئی خطوں میں اسلام کا پھیلنا ممکن بنایا کیونکہ ان صوفیا اور اولیاء نے لوگوں کے سامنے اسلامی روحانیت کی زندہ مثالیں پیش کیں۔ شریعت کے باطنی پہلو کی حیثیت سے طریقت کے کردار کی مکاتب فقہ کے مختلف بانیوں نے بھی شہادت دی ہے اور مسلم ضابطہ اخلاق کے لئے اس کی اہمیت پر زور دیا ہے مثال کے طور پر امام مالک کا قول ہے۔جو صرف فقہ پڑھتا ہے اور تصوف سے اغماض برتا ہے، فاسق ہوجاتا ہے۔جو صرف تصوف پر توجہ دیتا ہے۔فقہ سے غافل رہتا ہے، زندیق ہوجاتا ہے۔جو دونوں کی معرفت حاصل کرتا ہے۔حقیقت کا سراغ پالیتا ہے۔
>
> مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ۔[1]

برعظیم پاک وہند میں صوفیہ کرام کی یہ امتیازی خصوصیت بھی رہی ہے کہ وہ اصحاب علم وفضل تھے۔ بابا فریدؒ کی پوری زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔آپ نے عائلی زندگی بھی اختیار کی شادیاں بھی کیں۔شریعت کے تمام احکام کی پابندی کی۔ بیماری اور بڑھاپے میں بھی نماز اور روزہ کے پابند رہے۔آپ نے ہمیشہ باجماعت نماز ادا کی۔

---

[1] سید حسین نصر، اسلام کے تصورات وحقائق، مطبوعہ لندن، ۱۹۶۶ء، ص:۱۲۵۔

شدید بیماری کی حالت میں وصال کے وقت بھی نماز کی فکر تھی اور بار بار پوچھتے تھے کہ کیا میں نے نماز ادا کر لی؟[۱]

آپ روحانی ترقی کے لئے احکام شرع کو ضروری خیال کرتے تھے۔ شرعی احکام کی سختی سے پابندی فرماتے تھے۔ وصال سے کچھ عرصہ پہلے جب شدید بیمار ہوئے تو ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکے۔ آپ جیسا صائم الدھر انسان اُس حالت میں بھی روزہ رکھتا لیکن آپ نے شریعت کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے، شرعی عذر کے تحت رخصت کے اصول پر عمل کیا۔ اس رمضان میں جب کوئی شخص خربوزے لایا اور آپ نے ایک قاش آزمانے کے لئے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف بڑھائی انہوں نے نعمت سمجھ کر اور یہ سوچ کر کہ کفارہ ادا کروں گا، ہاتھ بڑھایا تو آپ نے فرمایا:

ایسا نہ کرنا مجھے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے تمہیں نہیں۔[۲]

ایک بار ایک بزرگ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی تین چیزوں سے بچتا ہے تو اللہ اس سے تین چیزیں اُٹھا لیتا ہے۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتا، اللہ اُس سے مال کی برکت اُٹھا لیتا ہے۔ جو قربانی نہیں کرتا اُس سے عافیت چھین لی جاتی ہے اور جو نماز نہیں پڑھتا اللہ مرتے وقت اُس سے ایمان جدا کر دیتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت سے بہتر اور افضل عبادت کوئی نہیں۔

غرضیکہ آپ کی پوری زندگی اتباع شریعت اور اتباع سنت نبویؐ کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ کا اُٹھنا، بیٹھنا عبادت، ریاضت، دشمنوں سے بھی حسن سلوک، اخلاق حسنہ تمام شخصیت اور کردار کا ہر پہلو اتباع سنت نبویؐ کا آئینہ دار ہے۔

۱؎ اس کی تفصیل مقالہ کے حصہ دوم، ''وصال'' کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۲؎ اس کی تفصیل بھی مقالہ کے گزشتہ صفحات میں ''سن ولادت اور سن وصال کا تعین'' کے تحت آ چکی ہے۔

کسی مجلس میں حضورﷺ کا ذکر آتا تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور بے اختیار ہو جاتے تھے ۔حضورؐ کے اتباع کا یہ عالم تھا کہ کبھی غیر مئوکدہ سنن اور نوافل بھی ترک نہ کرتے تھے ۔آپ مستجاب الدعاء بھی تھے ۔جو بات آپ کے منہ سے نکلتی پوری ہوتی ۔ایک دفعہ ایک سوداگر شکر لادے لے جا رہا تھا آپ نے پوچھا کیا ہے؟ تو اُس نے ازراہِ مزاق کہا نمک ہے۔

آپ نے فرمایا: ''نمک ہی ہوگا''۔

جب وہ منزل پر پہنچا تو دیکھا شکر نمک میں تبدیل ہو چکی تھی ۔اُس نے آپ سے معذرت کی اور دُعا کی درخواست کی کہ نمک پھر شکر میں بدل جائے ۔آپ نے دعا کی اور نمک شکر میں بدل گیا ۔[1]

ایک مرتبہ شیخ فریدُالدین گنج شکرؒ شدید بیمار ہو گئے تو بابا فریدؒ نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور مولانا بدرالدین اسحٰقؒ اور درویش علی بہاریؒ کو کہا کہ وہ اُس قبرستان میں جا کر دعا کریں جہاں وہ (بابا فریدؒ) عبادت کیا کرتے تھے چنانچہ وہ سب گئے اور بابا فریدؒ کی صحت کے لئے دُعا کرتے رہے ۔جب واپس لوٹے تو بابا فریدؒ نے فرمایا:

''تمہاری دعا نے کچھ اثر نہ دکھایا''

یہ سن کر سب خاموش ہو گئے لیکن درویش علی نے کہا'' آپ کامل ہیں ناقصوں کی دعا کاملین کے حق میں کیسے اثر کر سکتی ہے''۔

بابا فریدؒ نہ سن سکے تو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے درویش علی کی بات بابا فریدؒ تک پہنچائی تو بابا فریدؒ نے خواجہ نظام الدینؒ کو عصا عطا کیا اور اُن کے حق میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اُن کی دعائیں قبول فرمائے پھر جب دوبارہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور بدرالدین اسحٰقؒ نے قبرستان جا کر دعا کی تو بابا فریدؒ کی تکلیف دور ہو گئی۔

---

[1] اس کی تفصیل ''وجہ تسمیہ'' گنج شکر میں گزر چکی ہے ۔اور قدیم اور جدید تقریباً سب تذکروں میں یہ واقعہ موجود ہے جن کا حوالہ گزشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے۔

خواجہ نظام الدینؒ جب واپس آئے تو بابا فریدؒ نے فرمایا:

اے نظام الدین جب میری دعا تیرے حق میں قبول ہوئی تو تیری دعا بھی میرے حق میں مستجاب ہوئی۔ [۱]

بابا فرید گنج شکرؒ کی زندگی میں بے شمار ایسے واقعات ہیں جن میں آپ کی دعا کی قبولیت کا ثبوت ہے۔ مثلاً بلبن جو الغ خان وزیر سلطنت تھا۔ آپ کی دعا سے بادشاہ بنا۔ [۲]

میر شکار کا باز آپ کی دعا سے ملا [۳]

خواجہ احمد سیوستانیؒ آپ کے غسل اور وضو کا پانی لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی کمر میں شدید درد تھا جو بابا فریدؒ کی دعا سے ایسا ٹھیک ہوا کہ فرماتے ہیں کہ میری عمر سو برس کی ہوگئی مگر کبھی پیٹھ میں درد نہیں ہوا۔ [۴]

اسی طرح آپ کے ایک مخلص مرید محمد شاہ غوری کے بستر مرگ پر پڑے بیمار بھائی کا آپ کی دعا سے ٹھیک ہو جانا [۵] وغیرہ

---

۱ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، لکھنو، ۱۳۰۲ھ، ص: ۵۲۔

محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند)، (اُردو)، احسن برادرز، لاہور، جون ۱۹۶۵ء، ص: ۶۰-۶۱۔

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص: ۴۸۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۸۹-۹۰۔

۳ خیرُ المجالس (اُردو)، ص: ۱۳۷۔

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، ص: ۴۳-۴۴۔

۴ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۹۶۔

۵ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۹۵-۹۶۔

آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ

جو فرید کہے، سو ہوئے

بابا فریدؒ نے ایک موقع پر فرمایا:

چالیس برس تک جو کچھ خدائے تعالیٰ نے فرمایا بندہ مسعود نے وہی کیا۔ اب چند سال سے جو کچھ مسعود کے دل میں خطرہ ہوتا ہے یا اسے مانگتا ہے پاتا ہے۔[۱]

مسجد حاج جس میں آپ نے چلۂ معکوس کاٹا کا مؤذن خواجہ رشید مینائی آپ کی دعا سے بہترین خطیب اور وعظ کرنے والا بن گیا۔[۲]

بابا فریدؒ اُن اخلاقی اصولوں اور اقدار کا عملی نمونہ تھے جن کی ترغیب وہ مریدوں کو دیتے تھے۔ آپ کی خانقاہ میں ہندو، مسلمان سب آتے۔ آپ کی شخصیت سب کے لئے مسحور کن اور پرکشش تھی۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے اوصاف حمیدہ اس طرح یاد فرماتے

مرا اوصاف پسندیدہ از اوصاف شیخ و کمال بزرگی و غایت، فضل، لطافت ایشاں یاد آمد[۳]

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ایچ۔اے۔آر۔گب H.A.R. GIBB خلیق نظامی کی کتاب دی لائف اینڈ ٹائمز آف بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے (FOREWORD) ''پیش لفظ'' میں

---

۱ حامد قلندر، خیر المجالس (قلمی فارسی)، ص:۱۲۷۔

حامد قلندر، خیرُ المجالس (اُردو)، ص:۱۸۰۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۸۰۔

۳ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۹۶۔

بابا فرید گنج شکرؒ کی شخصیت کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

Baba Farid is a seminal personality

in the development of the Islamic

mystical movement in India.[1]

یعنی! بابا فریدؒ کی شخصیت برصغیر پاک وہند میں تحریک تصوف کے نشو نما کا

نقطہ آغاز ہے۔

بابا فریدؒ کا دل سوز و گداز سے بھرا رہتا۔ انہوں نے اس سوز و گداز سے اپنے اُس محبوب حقیقی کو پالیا جس کے سوز میں بابا فریدؒ کا دل اور روح تڑپتی رہتی جو اُن کے اندر باہر ایک حقیقت بن کر چھایا رہتا۔ جس کے عشق میں گھنٹوں سر سجدے میں رکھے روتے اور جس سے ملنے کی تڑپ ہر وقت لگی رہتی۔

سماع کے شوقین اسی لئے تھے کہ اس کیفیت کی تڑپ میں اضافہ ہوتا۔ آپ فرماتے

''سماع تحریک قلب است''[2]

اُس کے عشق میں اُس کی مخلوق سے بھی محبت کرتے اور اُس کی مخلوق کی خدمت میں عمر گزاردی۔ آپ ملنے والے کو دعا دیتے۔

''خدا تمہیں سوز و درد عطا کرے''

خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں ''درد'' سے مراد ''چشم پرنم اور دل پُرسوز تھا''۔[3]

بظاہر پرسکون اور مطمئن بابا فرید گنج شکرؒ کے سوز دل کا حال اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے جب اُن کا سچا اور مخلص مرید محمد شاہ غوری مضطرب اور پریشانی کی حالت میں آپ کے پاس آتا ہے۔ آپ اُس سے وجہ دریافت کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ حضور میرا بھائی سخت بیمار ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ میرے یہاں آنے کے بعد وہ تمام ہو گیا ہو۔

۱؎ خلیق نظامی، دی لائف اینڈ ٹائمز بابا فرید گنج شکرؒ، ادارۂ ادبیات دہلی، ۱۹۵۵ء، ص: ۸(viii)۔

۲؎ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۲۳۶۔

۳؎ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۱۳۲۔

بابا فریدؒ نے فرمایا: محمد شاہ! جیسے تم اس وقت مضطرب اور حیران ہو میں تو ساری عمر اسی حالت میں رہا لیکن کسی سے تذکرہ نہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا: جا تیرا بھائی صحت یاب ہو گیا ہے۔ محمد شاہ نے گھر جا کر دیکھا تو بھائی کو تندرست پایا۔ [1]

بابا فریدؒ زاہد مرتاض تھے لیکن طبیعت میں کسی دور میں بھی خشکی یا درشتگی نہیں پائی جاتی، ہندو، سکھ، مسلمان یکساں طور پر اُن سے عقیدت رکھتے تھے اور آج بھی رکھتے ہیں۔ بابا فریدؒ سب کے مسائل توجہ سے سنتے اور اپنی میٹھی، مدھ بھری اور گونج دار آواز میں شکستہ دلوں پر مرہم رکھتے۔ دل سکون پاتے۔

بابا فریدؒ اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ سچ مچ صبغۃ اللہ کے مصداق تھے۔ فیاضی وسخاوت کا پتلا تھے۔ دینی اور دنیوی دونوں طرح کے خزانے مخلوق پر لٹاتے رہتے تھے۔

بابا فریدؒ حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے بھی متصف تھے۔ مسکراتا چہرہ، سرو قد، متناسب الاعضاء، بڑی بڑی روشن آنکھیں جن میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ مریدان باصفا کے قلب ونظر میں پیوست ہو جاتیں۔ چہرے پر سرسری نظر ڈالتے ہی دل کی تہہ تک پہنچ جاتے۔ بعض اوقات نظر ڈالے بغیر بھی حقیقت کو پہنچ جاتے مثلاً اُس قلندر کا واقعہ جو غلط ارادے سے آیا اور آپ نے سجدے میں سر رکھے اُس کا حلیہ بیان کر دیا۔ [2]

اسی طرح کے اور واقعات بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔

کشادہ پیشانی، فراخ سینہ، ریش مبارک اطراف میں ہلکی اور ٹھوڑی پر گنجان (گھنی)، رات بھر کے رت جگے کے باوجود کِھلا کِھلا شاداب چہرہ، جس سے نور برستا تھا۔ جمال اور جلال کا حسین امتزاج تھے۔ ایسی طلسماتی شخصیت تھی کہ جو ایک بار ملتا تو بار بار ملنے کی خواہش رکھتا اور دور دراز کا سفر اختیار کر کے ملاقات کا شرف حاصل کرتا۔

---

[1] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۳۲۔
میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۹۵-۹۶۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۹۰ ، امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۵۳۔

ڈاکٹرظہور احمد اظہر بابا فریدؒ کی شخصیت و کردار کی اس طرح تصویر پیش کرتے ہیں

بابا فریدؒ کی شخصیت و کردار کی جو تصویر ذہن میں اُبھرتی ہے وہ ایک ایسے مردِ حق کی تصویر ہے۔ جو سراپا محبت، مجسم شفقت اور مکمل اسوۂ حسنہ کا پیروکار ہے۔ایک پیکر محبت جو اپنے صبر و ہمت، حوصلے اور خندہ پیشانی کے ساتھ مخالف قوتوں کے سامنے ایک چٹان کی طرح ڈٹا ہوا ہے۔اس کا ایک ہی مقصد ہے کہ یہاں پر دین حق کا بول بالا ہونا کہ آدمیت کا بھی بول بالا ہو سکے!! [1]

۱۹۷۳ء میں بھارت میں بابا فرید گنج شکرؒ کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کا اہتمام بڑے پیمانے پر کیا گیا۔اس موقع پر گر بچن سنگھ طالب ایک سکھ دانشور نے آپ کی سوانح حیات پر ایک کتاب ''بابا شیخ فرید'' لکھی جس کا ترجمہ عتیق صدیقی نے کیا

گر بچن سنگھ اپنے دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں

ہمارے ملک نے جو عظیم شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ان ہی میں سے ایک شیخ فرید بھی تھے۔ وہ ایک ایسے دور میں خیر سگالی، انسانیت دوستی اور امن و آشتی کا پیام لائے تھے جو جنگ وجدال اور تشدد کا دور تھا۔ [2]

میر خورد کرمانی سیرُ الاولیاء میں آپ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

در علم و تقوے و ورع و ترک و تجرید و عشق و بکا و ذوق کلام محبت و اشارات و رموزات بے نظیر زمانہ و در عہد دولت خود یگانہ بود گوے سبقت از میدان کرامت و از سروران عالم دیں بردہ۔ [3]

(شیخ فریدؒ) اتقاء پرہیز گاری، ورع وزہد، ترک دنیا تجرید عشق و بکا، شوق و ذوق اور کلام محبت کے اشارات و رموز میں بے نظیر زمانہ اور اپنے عہد میں یگانہ تھے۔میدان کرامت اور عالم دین کے سرداروں سے سبقت لے گئے تھے۔اور اپنی بے مثل شہرت میں مستثنیٰ اور ممتاز تھے۔

۱۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۲۲۔

۲۔ گر بچن سنگھ طالب، بابا شیخ فرید، ص:۵-۶۔

۳۔ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۶۷۔

فصل دوم:

تعلیمات

بابافریدؒ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ان کی شخصیت اور کردار اُن کی تعلیمات کا مظہر ہیں۔اُن کی تعلیمات اوراقوال کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

ویسے تو بابا فرید گنج شکرؒ کے ملفوظات کے حوالے سے مختلف کتب میں آپ کی تعلیمات اوراقوال بیان کئے گئے ہیں لیکن یہاں سیرُ الاولیاءاورفوائد الفواد جو کہ مستند حوالے مانے جاتے ہیں، کی روشنی میں آپ کے اقوال اور تعلیمات درج ذیل ہیں۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیخ فریدؒ نے فرمایا:

چارچیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں سات سو پیروں سے سوال کیا گیا اور سب نے ایک ہی جواب دیا۔

۱۔ مَنْ اَعْقَلُ النَّاسِ ؟

لوگوں میں سب سے عقل مند کون ہے؟

جواب: تَارِکُ الدُّنیَا .

جو دنیا ترک کردے۔

۲۔ وَمَنْ اَکْیَسُ النَّاسِ؟

تمام لوگوں میں بزرگ کون ہے؟

جواب: الَّذِی لَایُغَیِّرُ بِشَیْءٍ

یعنی جو کسی چیز سے متغیر نہ ہو

۳۔ وَمَنْ اَغْنَی النَّاسِ؟

لوگوں میں سب سے مالدار کون ہے؟

جواب: اَلْقَانِعُ

قناعت کرنے والا۔

۴۔ وَمَنْ اَفْقَرُ النَّاسِ ؟

لوگوں میں سب سے زیادہ محتاج کون ہے؟

جواب: تَارِکُ الْقَنَاعَة

قناعت ترک کرنے والا۔

☆ اَللّٰہُ یَسْتَحْیٖ ءِ مِنَ الْعَبْدِ اَنْ یَرْفَعَ اِلَیْہِ یَدَیْہِ وَ یَرُدُّھُمَا خَائِبِیْنَ

یعنی اللہ تعالیٰ بندے کے اُس کے ہاتھ اُٹھانے اور پھر انہیں نامرادلوٹا دینے سے شرمندہ ہوتا ہے۔

☆ اگر ہے تو غم نہیں، نہیں ہے تو غم نہیں

یعنی بندے کو دونوں حالتوں میں ایک جیسا رہنا چاہیے۔

☆ نامرادی اور ناکامی انسان کے لئے شب معراج ہے۔

☆ اَلصُّوفِی یَصْفُوْابِہٖ کُلُّ شَیءٍ وَلَا یُکَدِّرُہٗ شَیءٍ

یعنی حقیقت میں صوفی وہ جس کی برکت سے تمام چیزیں صفائی قبول کریں اور اُسے کوئی چیز مکدر نہ کرے۔

☆ آپ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام جلال الدین نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو دل کو غافل اور بدمست کردیتی ہیں اگر بات کا اول وآخر اللہ کے لئے ہے تو منہ سے نکالو ورنہ خاموشی اختیار کرو

☆ آپ نے فرمایا کہ جب فقیر نیا اور جدید کپڑا پہنے تو اُسے یہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ کفن پہنتا ہے۔

لَوْکَانَ ھٰذَاالْعِلْمُ یُدْرِکُ بِالْمُنٰی

مَاکَانَ یَبْقِی فِی الْبَرِیَّةِ جَاھِلُ

فَاجْھَلْ وَلَا تَکْسَلُ وَلَاتَکُ غَافِلاً

فَنَدَامَةُ الْعُقْبٰی لِمَنْ یَتَکَاسِلُ

یعنی اگر علم کی تحصیل خواہش پر موقوف ہوتی تو دنیا جہان میں کوئی جاہل باقی نہ رہتا تو تمہیں کوشش کرنا اور سستی غفلت سے دور رہنا چاہیے کیونکہ عقبیٰ کی ندامت غافل اور کاہل ہی کے لئے ہے۔

☆ تمہیں اپنی اصلی حالت ظاہر کرنا چاہیے ورنہ تمہیں ظاہر کر دیا جائے گا جیسا کہ تو اصل میں تھا۔

☆ آپ کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص مبارک ہے جس کا عیب لوگوں کے عیب دیکھنے اور ظاہر کرنے سے اُسے باز رکھتا ہے۔

☆ اگر تم بزرگوں کے رتبہ پر پہنچنا چاہو تو بادشاہوں کی طرف سے بے التفاتی اختیار کرو۔

☆ اپنی ذات سے بچ نکلنا اللہ کی معرفت ہے۔

☆ جاہل کو زندہ مت سمجھو۔

☆ اُس جاہل سے بچو جو عالم کا روپ دھارے پھرتا ہے۔

☆ اُس سچ سے بچو جو جھوٹ سے مشابہ (ملتا) ہے۔

☆ تدبیر میں آفت ہے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دینے میں سلامتی ہے۔

☆ اَلْعُلَمَاءُ اَشْرَفُ النَّاسِ وَالْفُقَرَاءُ اَشْرَفُ الْاَشْرَافِ۔

یعنی علماء لوگوں میں سب سے اشرف ہیں اور فقراء علماء میں اشرف ہیں۔

☆ فقیر علماء کے جمگھٹے میں ایسے ہے جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چودھویں رات کا چاند۔

☆ ہر شخص کو وہی دیتا ہے۔ جب وہ دیتا ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا۔

☆ جو شخص نادان ہو کر اپنے آپ کو دانا ظاہر کرے، اُس سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

☆ دنیاوی جاہ و مال کے پیچھے مت دوڑو۔

☆ جو چیز لوگ خریدنا چاہیں مت بیچو۔

☆ ہر شخص کی دعوت مت کھاؤ۔ مگر خود سب کو کھانا کھلاؤ۔

☆ موت کو کبھی اور کسی جگہ نہ بھولو۔

☆ اندازے سے کوئی بات مت کہو۔

☆ جب کبھی کوئی مصیبت تم پر نازل ہو تو اُسے شامتِ اعمال سمجھو۔

☆ گناہ پر مت اِتراؤ۔

☆ اپنے دل کو شیطان کا کھلونا نہ بناؤ۔

☆ باطن کو ظاہر سے زیادہ سنوارو۔

☆ آرائش و نمائش میں کوشش نہ کرو۔

☆ کسی اعلیٰ مرتبہ کے حصول کے لئے اپنے آپ کو ذلیل و بے قدر نہ کرو۔

☆ ہر روز جدید اور نئی دولت (نئی روحانی ترقیات) کی طلب میں رہنا چاہیے۔

☆ عاجز اور نو دولتئے سے قرض نہ لو۔

☆ بزرگوں کا احترام کرو۔

☆ جب تک ہو سکے عورتوں کو گالیاں مت دو۔

☆ صحت کو غنیمت جانو۔

☆ کسی پر احسان نہ جتاؤ۔

☆ جس نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے۔ اُس سے نیکی کرنے کو اپنی طرح خیال کرو۔

☆ جو غلام بِکنا چاہے اُسے مت پاس رکھو۔

☆ جس چیز کو دل ناپسند کرے اُسے فوراً چھوڑ دو۔

یعنی جس چیز کی برائی پر دل گواہی دے۔ اُس کا خیال جلد چھوڑ دو۔

☆ نیکی کرنے کے بہانے تلاش کرو۔

☆ غصہ اور ہلکا پن کمزوری کی نشانی سمجھو۔

☆ دشمن سے بے خوف نہ رہو۔ چاہے وہ تم سے خوش ہی کیوں نہ ہو۔

☆ اپنی طاقت و توانائی پر بھروسہ نہ کرو۔

☆ جو تم سے ڈرتا ہو تم اُس سے ڈرو۔

☆ جب اہل دولت کے ساتھ بیٹھو تو دین کو فراموش مت کرو۔

☆ انصاف میں عزت وعظمت ہے۔

☆ دولت مندی کے وقت سخی بنو۔

☆ دین کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

☆ وقت کے برابر کوئی چیز نہیں۔

☆ پرہیز گار سے فیاضانہ سلوک کرو۔

☆ مغرور لوگوں سے تکبر سے پیش آنا ضروری ہے۔

☆ مہمان کے ساتھ تکلف کا برتاؤ مت کرو۔

☆ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت نازل ہو تو اس سے منہ نہ موڑو۔

☆ جس درویش کو تونگری کی اُمید ہو، اُسے حریص جانو۔

☆ ملک ایسے وزیر کے حوالے کرو جسے اللہ کا خوف ہو۔

☆ دشمن سے مشورہ مت لو۔

☆ دوست کو متواضعانہ اخلاق سے اپنا گرویدہ بنالو۔

☆ دُنیا داروں کو بلائے ناگہانی سمجھو۔

☆ اپنے عیب پر ہمیشہ نظر رکھو۔

☆ دولت استحقاق کی بنا پر حاصل کرو تا کہ ہمیشہ قائم رہے۔

☆ انکساری سے علم حاصل کرو۔

☆ دشمن کی بدکلامی پر برہم نہ ہوں۔اور غصہ سے مغلوب ہو کر اپنی ڈھال مت گنواؤ۔

☆ اگر ذلت سے بچنا چاہتے ہو تو کوئی چیز مت مانگو۔

☆ اگر ساری دُنیا کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو مغرور بن جاؤ۔

☆ اپنی اچھائی، برائی کو پوشیدہ رکھو۔

☆ دین کی حفاظت علم سے کرو۔

☆ اگر عزت و بلندی چاہتے ہو تو مفلسوں اور شکستہ دلوں کا ساتھ دو۔

☆ اگر آرام اور خوشی چاہتے ہو تو حسد مت کرو۔

☆ مصیبت کو غنیمت جانو۔

☆ اس طرح کام کرو کہ تمہیں ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو۔[۱]

بابا فرید گنج شکرؒ کے اقوال اور ملفوظات ایسے ہیں جن پر انہوں نے خود عمل کیا۔ اپنے خلفاء اور مریدین کی عملی تربیت کی۔

ایک دن کسی نے آپ کو قینچی دی تو آپ نے فرمایا:

''مجھے سوئی چاہیے کیونکہ میں سیتا اور جوڑتا ہوں اور میں کاٹ کر الگ نہیں کرتا''۔[۲]

بابا فریدالدین گنج شکرؒ وقت کی قدر و قیمت جانتے تھے اور تمام عمر وقت کا صحیح استعمال کیا حتی کہ اپنی عمر کے آخری سال جن میں بڑھاپا طاری تھا۔ آپ نے اجودھن میں ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اصلاح اور تربیت میں ہر لحہ گزارا یہاں تک کہ لاکھوں لوگوں نے آپ سے فیض پایا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: امام شافعیؒ کا مقولہ ہے کہ میں نے پورے دس سال صوفیوں کی شاگردی کی تب کہیں جا کر مجھے وقت کی قدر معلوم ہوئی۔

یہ بھی آپ کا قول ہے کہ اپنا کام کرنا چاہیے اور لوگوں کی باتوں میں بہلنا نہیں چاہیے۔

آپ کا قول ہے زکوٰۃ تین قسم کی ہوتی ہے۔

۱۔ زکوٰۃ شریعت، ۲۔ زکوٰۃ طریقت، ۳۔ زکوٰۃ حقیقت

زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ انسان سو درہم میں سے پانچ درہم دے اور زکوٰۃ طریقت یہ کہ آدمی پانچ

۱۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص: ۸۴-۸۷

۲۔ امیر حسن سجزیؒ، فوائد الفواد، نولکشور، لکھنو ۱۳۰۲ھ، ص: ۲۲۶

درہم رکھ لے اور باقی درہم دے دے اور زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ آدمی سب کچھ دے دے اور اُس کے پاس کچھ نہ رہے [1]

☆ سیرُالاولیاء میں درج ہے کہ ایک روز آپ نے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے بارے میں یہ قصہ بیان کیا ایک دفعہ شیخ ابوسعید گھوڑے پر جا رہے تھے۔ آپ کے ایک مرید نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کے قدم چھونے کے لئے دوڑا شیخ ابوسعید نے فرمایا: 'اور نیچے' اس پر مرید نے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا: 'اس سے بھی نیچے' چنانچہ مرید نے زمین کو بوسہ دیا اس پر شیخ نے فرمایا: 'میں تمہیں اپنی عزت افزائی کے لئے اور نیچے بوسہ دینے کو نہ کہتا تھا بلکہ تم جتنا نیچے جھکتے تھے، تمہارے روحانی مراتب اُتنے ہی اُونچے جاتے تھے۔ [2]

سید افضل حیدر نے بابا فرید گنج شکرؒ کی زندگی اور تعلیمات میں نمایاں رُجحانات کی نشاندہی اس طرح کی ہے۔

☆ اطاعت الٰہی اور اس کی رضا حاصل کرنے کی تڑپ۔

☆ اطاعت اور اتباع رسول ﷺ

☆ قرآن وسنت کا گہرا، سنجیدہ اور بامقصد مطالعہ۔

☆ نہایت خاموشی لیکن تسلسل سے مخلوق خدا کی بے لوث خدمت۔

☆ مجاہدہ

☆ تدبر، تفکر، تعقل، تفقہ، تذکر

☆ مقاصد شریعت کے حصول کے لئے تگ ودو

☆ تکریم آدم کے لئے تحریک

☆ انسان سازی کے لئے عملی اقدام

---

[1] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۱۰۳۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۳۵۰ ، امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص:۲۸۵۔

☆ درس وتدریس کے ذریعہ لوگوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا۔
☆ اعلیٰ اقدار کا پرچار۔
☆ اپنی زندگی کو بطور نمونہ پیش کرنا۔
☆ دولت کو جمع کرنے سے شعوری طور پر اجتناب کرنا اور اپنے عمل سے ثابت کرنا کہ اس میں حاجت مندوں کا حق ہے۔
☆ مسالک واقوام کے درمیان رواداری کے رابطے۔
☆ عوامی رابطے تاکہ لوگوں کا انسانیت پر اعتماد بحال ہو۔
☆ باطل نظام اور منافقانہ رویوں کے خلاف احتجاج۔
☆ مظلوم کو احتجاج کا حق۔
☆ عورت کی خدمت کا اعتراف۔
☆ لوگوں کو آزادی، حریت فکری کی دعوت دینا۔
☆ محروموں سے اظہار یکجہتی۔
☆ مساوات کو برقرار رکھنا۔
☆ رزق کے دروازے کھلے رکھنے کی تلقین۔
☆ مادری زبان کو تبدیلی کا ذریعہ بنانا۔
☆ انسانوں کی وحدت انسانیت کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلانا۔
☆ عفو اور درگزر کے ذریعہ معاشرے کی تلخیوں کو کم کرنا۔
☆ وقت کی اہمیت کا احساس دلانا۔
☆ اعلیٰ وارفع اخلاق کا نمونہ پیش کرنا۔
☆ حقوق کے مطالبے کے ساتھ ساتھ فرائض کی پاسداری۔
☆ زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنا۔
☆ جماعت سازی کے ذریعہ انسان دوست تحریک کا آغاز کرنا۔
☆ محنت کی عظمت کا اصول یاد کرنا۔ [۱]

---

[۱] سید، افضل حیدر، زندگی نامہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۱۵-۲۱۶

باب ششم:

بابا فریدؒ بحیثیت عالم

بابا فرید گنج شکرؒ کو علمیت وفضیلت کی بنا پر شیخ الاسلام اور شیخ کبیر بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بابا فریدؒ صاحب شریعت وطریقت تھے۔ آپ نے تمام ظاہری علوم پر عبور حاصل کیا اور ساتھ ساتھ روحانی منزلیں بھی طے کرتے رہے اور دونوں پہلوؤں میں عملی نمونہ پیش کیا۔

آپ علم کا بحر بیکراں تھے اور علم وفضل میں وحید عصر مانے گے۔ بدرالدین اسحٰقؒ جن کا شمار دہلی کے ممتاز عالموں میں ہوتا تھا اور اُنہیں دہلی کے علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ انہیں جب چند علمی اشکالات پیش آئے تو باوجود کوشش کے دہلی کے علماء بھی اُن کے حل میں کوئی مدد نہ کر سکے تو انہوں نے کتابوں کے انبار کے ساتھ بخارا کا رخ کیا لیکن راستے میں جب اجودھن میں بابا فریدؒ نے چند سادہ الفاظ میں ان کے سارے اشکالات حل کر دیئے تو اُن کے علم وفضل اور شخصیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ سب کچھ چھوڑ کر اُن سے وابستہ ہو گئے۔ [۱]

اسی طرح خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جنہوں نے اپنے استاد سے بحاث ومحفل شکن [۲] جیسے مقتدر خطابات حاصل کئے تھے۔ انہوں نے جب بابا فریدؒ کے علم وفضل اور شخصیت کے بارے میں سنا تو نادیدہ عاشق بن گئے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایسے وابستہ ہو گئے کہ آپ کے جانشین اور سلطان المشائخ کہلائے اور سلسلہ چشتیہ کے ناقابل شکست ستون ثابت ہوئے۔ [۳]

۱۔ اس کی تفصیل مقالہ کے حصہ دوم، باب چہارم، فصل دوم، خلفاءِ عظام کے ضمن میں آ چکی ہے۔

۲۔ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۱۱۱۔

۳۔ اس کی تفصیل بھی مقالہ کے مندرجہ بالا حصہ، باب اور فصل میں آ چکی ہے۔

یہ ابدال اور نابغہ روزگار علماء وفضلا آپ کی خانقاہ میں طالبعلم کی حیثیت سے مقیم تھے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے بابا فرید گنج شکرؒ سے علم اصول پر مبنی ابو شکور سالمی کی کتاب ''تمہید المتہدی'' سبقاً سبقاً پڑھی۔ جس کی سند بابا فریدؒ سے ملنے والے خلافت نامہ میں آپ کو حاصل ہوئی۔ [۱]

سلطان المشائخؒ نے اس کے علاوہ قرآن پاک کے چھ سپارے آپ سے تجوید کے ساتھ پڑھے۔ آپ حروف کی ادائیگی بہت عمدگی اور صحت کے ساتھ کرتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا تو بابا فریدؒ نے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو کہا۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا اور وَلَا الضَّالِیْنَ تک پہنچا تو آپ نے فرمایا ''ضاد'' اس طرح پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں میں نے ہر چند اُس مخرج کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کی لیکن میں اُس طرح ادا نہ کر سکا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔

آں چہ فصاحت وبلاغت بود

واہ کیا فصاحت وبلاغت تھی

شیخ شیوخ العالم ضاد کو اس طرح پڑھتے کہ کسی کو میسر نہ ہوتا تھا۔ [۲]

بابا فریدؒ شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب ''عوارفُ المعارف'' [۳] پر بہت زور دیتے تھے اور

---

[۱] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، (فارسی)، ص: ۱۲۷۔

[۲] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۸۱۔

[۳] اصل کتاب عربی میں ہے۔ بابا فریدؒ نے اسے تصوف کے نصاب میں شامل کیا۔ اعز الدین محمود بن علی کشانی نے ''مصباح الہدایہ ومفتاح الکفایہ'' فارسی میں ترجمہ کیا۔ جو ۱۹۰۴ء مین نولکشور لکھنو سے شائع ہوا۔ سب سے پہلے یہ امام غزالیؒ کی ''احیاء العلوم'' کے حاشیہ پر قاہرہ میں طبع ہوئی۔ سیرُ الاولیاء کے مطابق بابا فریدؒ نے شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو دی اور انہوں نے خواجہ نظام الدین اولیاء کو دی اور خواجہ نظام الدینؒ نے شیخ قطب الدین منور کو دے دی۔

اس کی بہترین شرح شیخ علی بن احمد المہامی کی ''ظوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف'' ہے۔ اور اس کے مسودات بانکی پور اور رام پور کی لائبریری میں ہیں۔ بابا فریدؒ کو اس سے بہت دلچسپی تھی اور انہوں نے ہی سب سے پہلے برصغیر پاک وہند میں اس کے مطالعہ کو رواج دیا۔

اس کا مطالعہ اُس درویش کے لئے ضروری سمجھتے تھے جسے اُس کا مرشد خلیفہ بنانا چاہے۔ گلزار ابرار کے مصنف کا بیان ہے کہ آپ نے عوارف المعارف کی بہت عمدہ شرح بھی لکھی۔ بابا فریدؒ عوارف المعارف اس عمدگی سے پڑھاتے کہ معانی پوری طرح ذہن نشین ہو جاتے اور اعتراضات بھی ساتھ ساتھ دور ہو جاتے۔

صاحب سیرُ العارفین سلطان المشائخ کی زبانی لکھتے ہیں

چوں نسخہ عوارف سبق فرمودے چنان ادا نمودے کہ شنوندہ را طاقتِ ہوش بر بودے لذت بیاں ایشاں مرا حالتے پیدا شدے اگر دران حالت کسے بمیرد دولتے حاصل نمودہ باشد [1]

ترجمہ: یعنی جب عوارف پڑھاتے تو اس طرح ادا کرتے کہ سننے والوں کی طاقت و ہوش جاتے رہتے۔ ان کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ اگر اُس وقت کسی کو موت آجائے تو جیسے اُسے دولت بے بہا حاصل ہو جائے۔

فوائد الفواد میں امیر حسن سجزیؒ سلطان المشائخؒ کی زبانی تحریر کرتے ہیں کہ

ایں چہ بیان بود کہ ایشاں میکردند آنچناں خود از کسی دیگر ہرگز شنیدہ نہ شود۔ بار ہا در زوق بیانِ ایشان مردم چنان فرومیشند کہ تمنا بردہ شدے کہ اگر ہمیں زمان مردم بمیر دنیکو باشد [2]

بابا فریدؒ کا بیان ایسا تھا کہ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اس بیان جیسا کوئی دوسرا سننے میں نہیں آیا۔ اُن کے بیان کی لذت سے لوگوں پر اکثر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ اس حال میں لوگ مر جانا اچھا سمجھتے تھے۔

اجودھن کے قاضی نے جب آپ کے خلاف ملتان کے علماء سے فتویٰ لینا چاہا تو انہوں نے نام پوچھا۔ جب انہیں آپ کے نام کا علم ہوا تو یہ کہہ کہ معذوری ظاہر کی کہ تم نے ایسے درویش کا نام

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی، سیرُ العارفین، مطبوعہ دہلی، ص: ۵۲۔

[2] امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد، مطبوعہ چرنجی لال، دہلی، ص: ۷۵۔

لیا ہے کہ مجتہدانِ وقت کو بھی یہ طاقت نہیں کہ اُس کے قول و فعل پر اعتراض کر سکیں۔ [1]

جب بابا فرید گنج شکرؒ ایک دفعہ ہانسی کی جامع مسجد میں اپنے آپ کو مخفی رکھ کر داخل ہوئے تو مولانا نور ترکؒ جو بے مثال خطیب اور واعظ تھے اور اپنے عہد کے علماء پر کھل کر تنقید کرتے تھے۔ وعظ کے دوران جب بابا فریدؒ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو اُن کے کمال علمیت کو پہچان لیا اور بے اختیار بول اُٹھے۔

اے مسلمانان! صراف سخن رسید [2]

اے مسلمانوں: صراف سخن آ گیا۔

یعنی جس کے پاس علم و عمل کی کسوٹی ہے اور وہ بات کو پرکھ سکتا ہے۔

بابا فریدؒ فصاحت و بلاغت میں بے نظیر تھے۔ بلبن کے نام سفارشی خط اس کی عمدہ مثال ہے۔ [3]

ایک مرتبہ مولانا بدرالدین اسحٰقؒ اور خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ علمی مذاکرے کے دوران ایک لفظ میں شبہ پڑ گیا۔ دونوں مرشد کے پاس حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ شرعہ (جس کا معنی جوتی کا تسمہ ہے) کے ساتھ زِرَک کا لفظ ہے یا سِرک ۔آپ نے فرمایا: زِرَک اور پھر فی البدیہہ مثال بیان کی

"استُرک سِرکَ مِنْ زِرَکَ"

اپنے بھید کی گریبان کی گھنڈی سے بھی حفاظت کر [4]

ایک مرتبہ خواجہ بہاء الدین زکریاؒ نے شیخ فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں ایک ایسی بات پہنچادی جو شیخ فریدؒ کی مجلس کے شایان شان نہ تھی۔ جب خواجہ بہاء الدین زکریاؒ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے شیخ فریدؒ کی

---

[1] حامد بن فضل اللہ اجمالی، سیر العارفین، ص:۳۴، تفصیلی ذکر گزشتہ حصہ میں آچکا ہے۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۷۲، تفصیلی ذکر گزشتہ حصہ میں آچکا ہے۔

[3] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۸۲۔ تفصیلی ذکر گزشتہ حصہ میں آچکا ہے۔

[4] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۸۱۔

خدمت میں ایک معذرت نامہ لکھ کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

میاں ما و شما عشقبازی است
ہم میں اور تم میں عشق بازی ہے

بابا فریدؒ نے فوراً جواب دیا

میاں ما و شما عشق ہست و بازی نیست
ہم میں تم میں عشق ہے بازی نہیں [۱]

جملہ علوم ظاہری و باطنی پر عبور حاصل ہونے کے باوجود بابا فریدؒ نے کبھی اپنی علمیت کا رعب دوسروں پر نہیں جھاڑا بلکہ ٹھہر ٹھہر کر، اور بعض اوقات دہرا دہرا کر میٹھی اور رسیلی آواز اور لہجے میں قرآن، حدیث، تصوف اور اسلامی قوانین وغیرہ کے انتہائی پیچیدہ مسائل اس طرح بیان کرتے تھے کہ نہ صرف سننے والوں کے علم میں اضافہ ہوتا بلکہ اصلاح نفس بھی ہوتی تھی۔

دوسروں سے اُن کے علم کے مطابق اور حسب حال گفتگو فرماتے۔ مولانا ضیاءالدین کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔[۲]

بابا فریدؒ انکسار علمیت کی صفت سے متصوف تھے۔ آپ علم باعمل کے قائل تھے۔ آپ محض بحث و مباحثہ اور دوسروں پر فضیلت جتانے کے لئے علم حاصل کرنے کے حق میں نہ تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر تحصیل علوم، جدل و بحث کے لئے ہے تو اس تحصیل کو سلام ہے۔ اس نیت سے علم پڑھنا اور خلق کو ایذا پہنچانا ہرگز جائز نہیں اور اگر عمل کے لئے ہے تو اسی قدر کافی ہے کہ پڑھتے اور عمل کرتے ہیں۔ [۳]

---

[۱] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص: ۸۷۔

[۲] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی) ص: ۵۰۷۔ اس کی تفصیل بھی باب ہذا کے گزشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔

[۳] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۹۵۔

آپ فرماتے تھے۔

مقصود از خواندن علم شریعت برائے عملست نہ از برائے ایذائے خلق [1]

علم شریعت کے پڑھنے سے مقصود صرف عمل کرنا ہے نہ کہ خلق خدا کو ایذ دینا

سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں ایک زبردست عالم مولانا افصح الدین تھے۔ بعض مسائل میں انہوں نے دہلی کے علماء کو بحث و مناظرہ میں لاجواب کر دیا تھا۔ جس سے انہیں علمی زعم پیدا ہو گیا کہ اس میدان میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کسی نے انہیں بابا فریدؒ کی علمی فضیلت کا ذکر کیا۔ وہ بابا فریدؒ سے مناظرہ کے لئے اجودھن گئے اور اُن سے مناظرانہ رنگ میں چند دقیق مسائل دریافت کئے۔ بابا فریدؒ کسی کی دلآزاری نہیں چاہتے تھے اس لئے خاموش رہے لیکن بابا فریدؒ کے مرید اور خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ خاموش نہ رہ سکے۔ انہوں نے ایسے مدلل انداز میں اُن کے سوالوں کے جواب دیے کہ مولانا افصح الدین لاجواب ہو گئے اور مایوس سے ہو کر اجودھن سے واپس چلے گئے۔ بابا فریدؒ سلطان المشائخؒ سے ناراض ہوئے کہ انہوں نے مولانا کی دلآزاری کیوں کی۔ اُن کے خیال میں کیونکہ مولانا افصح الدین طالبعلم کی حیثیت سے نہیں بلکہ پندار علمی میں مبتلا ہو کر آئے تھے۔ اس طرح اُن کے سوالوں کے جواب دینے سے اُن کا پندار ٹوٹا اور انہیں دکھ ہوا۔ اس لئے بابا فریدؒ نے انہیں (سلطان المشائخؒ کو) معذرت کرنے کے لئے بھیجا۔ سلطان المشائخؒ نے مرشد کے حکم کے مطابق مولانا سے جا کر معذرت کی تو انہوں نے کہا آپ معذرت کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے تو درست جوابات دیے۔ سلطان المشائخؒ نے سارا واقعہ سنایا اور انہیں بتایا کہ بابا فریدؒ آپ کی دلآزاری نہیں چاہتے تھے اس لئے اُن کے جواب دینے پر ناراض ہوئے ہیں یہ سُن کر مولانا بہت متاثر ہوئے اور بابا فریدؒ کے دربار میں حاضر ہو کر مرید ہونے کی خواہش کی۔ بابا فریدؒ اس شرط پر بیعت کرنے کو راضی ہوئے کہ وہ پندار علمی اور بحث مباحثہ کو ترک کریں۔ مولانا افصح الدین نے توبہ کی اور بیعت سے مشرف ہوئے۔

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص: ۹۵۔

باب ہفتم

بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ بحیثیت شاعر

فصل اول: بابا فرید گنج شکرؒ بحیثیت عربی، فارسی، اُردو/ ہندوی، پنجابی شاعر

فصل دوم: کلام بابا فریدؒ اور گرو نانک کی گرنتھ صاحب

فصل سوم: موضوعات کلامِ بابا فریدؒ

فصل چہارم: کلام بابا فریدؒ (جو گرو گرنتھ صاحب میں پایا جاتا ہے)

فصل پنجم: کلام بابا فریدؒ (جو گرو گرنتھ صاحب سے باہر ہے)

فصل اول:

بابا فرید گنج شکرؒ بحیثیت عربی، فارسی، اُردو/ ہندوی، پنجابی شاعر

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اس میدان میں بھی فرد فرید ہیں۔ آپ پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے شاعری کو بھی اپنی تعلیمات کا ذریعہ بنایا۔ بے شمار نا خواندہ لوگ ایسے گزرے ہیں اور اب بھی ہیں۔ جنہیں نا خواندہ ہونے کے باوجود بابا فریدؒ کے دوہے زبانی یاد ہیں۔ جن میں اُن کی تعلیمات پوشیدہ ہیں۔

آپ پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کے امام اول ہونے کے ساتھ ساتھ برعظیم پاک وہند کی صوفیانہ اور عارفانہ شاعری کے بھی امام اوّل ہیں۔

بقول ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

> وہ برعظیم پاک وہند میں صوفیانہ و عارفانہ شاعری کے بھی امام اوّلیں ہیں۔ ان سے پہلے برعظیم پاک وہند کی کسی اسلامی زبان میں ایسی عارفانہ شاعری کا ذکر تک نہیں ملتا۔ اسی طرح وہ ہماری صوفیانہ و عارفانہ شاعری کے بھی علی الاطلاق امام اوّل ہیں۔ [1]

بابا فریدؒ کو یہ انفرادیت بھی حاصل ہے کہ وہ پنجابی زبان کے سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔

پنجابی کے علاوہ بابا فریدؒ نے عربی، فارسی، اردو/ ہندوی میں بھی شاعری کی۔

بابا فریدؒ کا عربی کلام دستیاب نہیں لیکن بابا فریدؒ عربی ادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور بابا فریدؒ کو عربی زبان پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ جس کی سب سے بڑی مثال وہ خلافت نامہ [2] ہے جو آپ نے

---

[1] اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۲۱۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص:۱۲۷-۱۲۹۔ (خلافت نامہ بمع ترجمہ باب روحانی نظام میں تحریر ہے)

اپنے محبوب خلیفہ اور جانشین خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو دیا۔

فوائدُ الفواد میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی ذکر ہے کہ ایک مرتبہ جب ابو بکر قوال نے بابا فرید گنج شکرؒ کے سامنے عربی کے دو اشعار پڑھے جو اس نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو سنائے تھے۔ باقی مصرعے اُسے یاد نہ آئے تو بابا فریدؒ نے باقی مصرعے اُسے سنا کر کلام مکمل کر دیا۔ [۱]

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر جو ماہر لسانیات اور عربی زبان و ادب میں وسیع مطالعہ اور گہری نظر رکھتے ہیں معارف فریدیہ میں اس بات کی تائید اس طرح کرتے ہیں۔

> (بابا فریدؒ) عربی شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت اور صدر اسلام کی شاعری پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ وہ اپنی مجالس ذکر اور محافل فکر میں عربی اشعار سے استشہاد کرتے اور مدد لیتے تھے۔ [۲]

ایک دوسری جگہ آپ یوں رقمطراز ہیں

> مجھے بھی اس بارے میں کوئی شک یا تسلیم کرنے میں تردّد نہیں بلکہ یقین ہے کہ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے عربی میں بھی ضرور شعر کہے ہوں گے۔ وہ خاندانی طور پر عالم بن عالم بن عالم تھے۔ عربی زبان پر عبور رکھتے تھے۔ (بلکہ اُن کے اصلاً عرب ہونے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔۔۔۔) ایک فیاض طبع کے مالک ذہین شاعر بھی تھے اس لئے ان کا عربی میں شعر کہنا بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ وہ جن جن مراکز علم و ثقافت سے فیض یاب ہوئے تھے وہاں غزنوی دور کے شعراء کی طرح شعراء ذوی لسانین یعنی ایک سے زیادہ یا دونوں زبانوں والے شاعروں کی کمی نہیں تھی۔ ان کا عربی کا بہترین نثر نگار ہونا ثابت ہے اس لئے عربی شعر کوئی بھی قدرتی بات ہے۔ [۳]

۱۔ امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص: ۱۴۹۔

۲۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۲۲-۲۳۔

۳۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۲۴۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ انہیں عربی زبان پر عبور تھا اور اُن کا عربی نثر کا بہترین نمونہ خلافت نامہ ہے۔اس کے علاوہ میر خورد کرمانی نے اپنی کتاب ’’سیرُ الاولیاء‘‘ میں عربی زبان میں آپ کے اقوال [1] درج کئے ہیں۔

سیرُالاولیاء میں مندرجہ ذیل عربی رباعی آپ کی طرف منسوب ہے۔

لَوْ کَانَ ھٰذَا الْعِلْمُ یُدْرِکُ بِالْمُنٰی
مَا کَانَ یَبْقِی فِی الْبَرِیَّۃِ جَاھِلُ
فَاجْھَلْ وَلَا تَکْسَلْ وَلَاتَکُ غَافِلاً
فَنَدَامَۃُ الْعُقْبٰی لِمَنْ یَتَکَاسِلُ [2]

یعنی اگر علم کی تحصیل خواہش پر موقوف ہوتی تو دنیا جہان میں کوئی جاہل باقی نہ رہتا تو تمہیں کوشش کرنا اور سستی غفلت سے دور رہنا چاہیے کیونکہ عقبیٰ کی ندامت غافل اور کاہل ہی کے لئے ہے۔

بابا فریدؒ کو فارسی زبان سے بھی لگاؤ تھا۔ انہیں فارسی پر مکمل عبور تھا۔ برعظیم پاک وہند کے مسلمانوں کی ادبی اور ثقافتی زبان فارسی رہی ہے۔مسلمانوں کا اصل علمی خزانہ فارسی اور عربی میں رہا ہے جسے بعد میں دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔

بقول صاحب ’’انوارالفرید‘‘ سید مسلم نظامی بابا فریدؒ کی مادری زبان فارسی تھی [3]

تذکرہ نگاروں نے بابا فریدؒ سے منسوب فارسی کے اشعار بھی نقل کیے ہیں جن میں ’’سیرالاولیاء‘‘ جیسی مستند کتاب میں بھی فارسی اشعار درج ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

ہر کہ در بند نام و آوازہ است
خانہ او بروں دروازہ است [4]

جو شخص نام وشہرت کی فکر میں ہے اُس کا گھر دروازہ سے باہر ہے۔

---

۱ ان کے اقوال کا ذکر مقالہ میں ’’تعلیمات‘‘ کے ضمن میں آچکا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۲ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء (فارسی)، ص:۸۵۔

۳ سید مسلم نظامی دہلوی، انوارالفرید، طبع ہفتم، لاہور، ص:۳۹۵۔

۴ میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۷۴۔

بقدر رنج یابی سروری را

بشب بیدار بودن مہتری را[1]

یعنی: رنج کی مقدار خوشحالی اور سرداری پائے گا اور شب بیداری سے بزرگی حاصل ہوگی

دوشینہ شبنم دل حزینم بگرفت

واندیشہ یار نازنیم بگرفت

گفتم بسر و دیدہ روم بر در تو

اشکم بدوید و آستینم بگرفت[2]

یعنی: کل کی رات شبنم نے میرے محزون و مغموم دل پر اثر کیا اور یار نازنین

کے اندیشہ نے برانگیختہ کیا۔ میں نے کہا کہ آنکھ و سر کے بل تیرے دروازے

پر چلنے کو تیار ہوں۔ اس وقت میرے آنسو بہے اور آستین پکڑی

اے مدعی بدعوی چندیں مکن دلیری

یک حرف راز معنی سہ صد جواب باشد[3]

یعنی: اے مدعی راز معنی ان حقیر دعووں پر جرأت نہ کر کیونکہ راز کے ایک حرف میں تین سو جواب ہو سکتے ہیں

خورش دہ بگنجشک و کبک و ہمام

کہ ناگہ ہمائی در افتد بدام[4]

رو دل بکسے دہ کہ نمیرو تا تو

از درد فراق اونگری بارے[5]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۸۴۔

[2] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۸۵۔

[3] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۸۵۔

[4] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۸۷۔

[5] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص:۴۷۴۔

قبائش راشدم بندہ کہ چوں بکشاذشنید
ولے خصم کمر بندم کہ چوں بر پشت برخیزد [1]

از نور جلال مرد مطلق خیزد
واز شوق فدا نگرچہ رونق خیزد !
ایں خاطر مرداں چہ عجائب بحری است
چوں موج زند، ہمہ اناالحق خیزد [2]

مولانا نظام یمنیؒ حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ (متوفی ۸۰۸ھ) کے حوالے سے لطائف اشرفی میں تحریر کرتے ہیں کہ

حضرت گنج شکرؒ اکثر اوقات زبان خود را باین ابیات تر میکروند

خون بہائے عاشقاں درروزوصل
جلوہَ معشوق باشد وقت ناز
کشتگان دوست تاروز جزا
تانہ پنداری بخود آیند باز [3]

جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے معارف فریدیہ میں بابا فریدؒ کے فارسی کلام کے حوالے سے جو شعر درج کیے، اُن میں کچھ کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور چند درج ذیل ہیں۔

شبے نیست کہ خون دل غمناک نریخت
روزے نہ کہ آب روئے من پاک نریخت
یک شربت آب خوش نخوروم ہرگز
کاں باز وراہِ دیدہ برخاک نریخت [4]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۴۸۳۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص:۴۸۶۔

[3] مولانا نظام یمنیؒ، لطائف اشرفی (ملفوظات اشرف جہانگیر سمنانیؒ)، ج دوم، ص:۱۴۷۔

[4] اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۲۶۔

ہر سحر بر آستاں، سرمی زنم
بر طریق دوستاں، درمی زنم
ہمچو مرغ نیم بسمل پیش تو
درمیاں خاک وخوں پرمی زنم ۱؎

عشق تو مرا اسیر وحیران کردہ است
درکوئے خرابات پریشان کردہ است
باایں ہمہ رنج ومحنت اے دوست ببیں
اسرارتو دردلم کہ پنہاں کردہ است؟

گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی
درروز دوائے شخص بیمار کنی
تا دل نہ کنی زغصہ وکین خالی
صد خرمن گل بر سر یک خار کنی ۲؎

اورینٹیل کالج لاہور کے پروفیسر بلدیو سنگھ نے ۱۹۴۱ء بابت ماہ فروری کے ضمیمہ میں ایک مضمون ''نسب نامہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ'' میں درج ذیل فارسی اشعار اور رباعیات تحریر کی ہیں اور ساتھ ہی زیریں حاشیہ (فٹ نوٹ) میں لکھا ہے کہ یہ اشعار اور رباعیات پیر شاہ محمد غوث صابری چشتی فریدی سجادہ نشین چلہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ ریاست فریدکوٹ نے نومبر ۱۹۳۲ء میں اپنے دستخط

۱؎ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۲۷۔
۲؎ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۲۷۔
یہ اشعار جناب خلیق نظامی مرحوم نے بھی اپنی کتاب ''لائف اینڈ ٹائمز بابا فرید'' میں درج کئے ہیں لیکن انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قطعیت سے نہیں کہا جا سکتا کہ شعر اُن کے اپنے ہیں۔

کے ساتھ مجھے روانہ کئے جو یہاں بعینہ درج ہیں۔

لکھتے ہیں کہ

حضرت بابا فریدؒ الدین گنج شکرؒ کی فارسی کی کچھ ایسی نظمیں جو ابھی تک نہیں چھپیں [1] مجھے جناب پیر محمد غوث صابری چشتی فریدی سجادہ نشین چلہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ریاست فرید کوٹ کے قلمی نسخوں سے ملی ہیں۔اس کے علاوہ حضرت بابا فریدؒ صاحب کا شجرہ (بنساولی) بھی انہی حضرت نے تیار کر کے مجھے ارسال فرمایا ہے۔پہلے اُن کے اشعار درج کریں گے۔

حضرت بابا صاحبؒ کے اشعار

(بہ سند قاضی حمید الدین ناگوری)

عشق تو مرا اسیر وحیران کردہ است
درکوئے خرابات پریشان کردہ است
بایں ہمہ رنج ومحنت اے دوست بیں
اسرار تو دردلم کہ پنہاں کردہ است؟

(درجوش اسرار دوست)

آنانکہ در ہوای توشیدا نشستہ اند
از جملہ کس بریدہ وتنہا نشستہ اند
خودرافدای نام تو اے دوست کردہ اند
آن عاشقان کہ برتو (کذا) شیدانشستہ اند
درعالم تفکر بردل نہادہ اند
گاہے فتادہ و گہے برپانشستہ اند [2]

---

[1] یہ دعویٰ کہ ابھی تک نہیں چھپی اس کی تفصیل اگلے صفحہ پر آئے گی ملاحظہ فرمائیں۔

[2] پروفیسر بلدیو سنگھ، مضمون ''نسب نامہ بابا فرید گنج شکرؒ''، ضمیمہ اورینٹیل کالج، لاہور، بابت ماہ فروری، ۱۹۴۱ء، ص:۱۲۱۔

(بسند قاضی حمید الدین ناگوریؒ)

گر مے نہ دہد ہجر تو وصلت یارم!
با خاک سر کوئے تو کارے دارم [1]

(عام مجلس میں)

چو درویش را کار بالا کشید
بیک لحظہ سر در ثریا کشید
چناں غرق گردو بدریای عشق
کہ یکدم سر از عشق بالا کشید

گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی
در روز دوائے شخص بیمار کنی
تا دل نہ کنی ز غصہ و کین خالی
صد خرمن گل بر سر یک خار کنی [2]

---

[1] پروفیسر بلدیو سنگھ، مضمون ''نسب نامہ بابا فرید گنج شکرؒ''، ضمیمہ اورینٹیل کالج، لاہور، بابت ماہ فروری، ۱۹۴۱ء، ص:۱۲۲۔
[2] پروفیسر بلدیو سنگھ، نسب نامہ فرید گنج شکرؒ، ص:۱۲۲۔

نوٹ: اشعار نمبر ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۵ خلیق نظامی مرحوم نے بھی اپنی کتاب ''دی لائف اینڈ ٹائمز بابا فریدؒ'' میں درج کیے ہیں اور ان کے بارے میں تحریر کیا کہ یہ اکثر بابا فرید گنج شکرؒ کی زبان پر رہتے تھے لیکن قطعیت سے نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کے اپنے ہیں۔ پروفیسر بلدیو سنگھ کا دعویٰ ہے کہ ابھی تک نہیں چھپیں درست ہو سکتا ہے کیونکہ وہ ۱۹۳۲ء میں بھیجی جانے والے اشعار کو ۱۹۴۱ء میں شائع کر رہے تھے اور خلیق نظامی (مرحوم) نے غالباً یہ اشعار اُنہی کے مضمون سے لے کر درج کیے ہیں کیونکہ ''دی لائف اینڈ ٹائمز آف بابا فریدؒ'' ۱۹۴۱ء کے بہت بعد ۱۹۵۵ء میں لکھی گئی۔

صاحب سبع سنابل جناب میر عبدالواحد بلگرامی نے بابا فریدؒ سے منسوب پنجابی اشعار کا فارسی ترجمہ کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

زدان تراست مرد گلہ گیر بے خرد
مرد کلاہ دہ بے یقین سخت بے حیا
موشی کہ خود برخنہ نگنجد زتنگیش
بندو بخویش بارگراں در مضیق جا
اے سرتراش دل تراش از ہوائے نفس
کہ بسر تراشیت بنودراہ دین حصول
چندیں ہزار میش تراشیدہ ہر طرف
زینہا یکے بدر گر مولے نشد قبول [1]

بقول جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر:

یہ اشعار قابل اعتماد اہل علم نے نقل کیے ہیں اس لئے بلاشبہ انہی کا کلام ہے اور انہیں فارسی کا منجھا ہوا شاعر ثابت کرتے ہیں۔ اس فارسی کلام سے جہاں بابا فرید سائیںؒ ایک پختہ فکر اور قادر الکلام ثابت ہوتے ہیں وہاں فارسی میں شاعری سے ان کی وابستگی بھی ثابت ہوتی ہے اور وہ ایک پرمغز شعر کہنے والے ''پرگو'' فارسی شاعر بھی ظاہر ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنا قرین قیاس ہوگا کہ ان کا فارسی کلام ان دستیاب اشعار اور رباعیات سے کہیں زیادہ ہو سکتا ہے جو دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا ہوگا۔ [2]

اہل تحقیق کے نزدیک بابا فریدؒ الدین گنج شکرؒ اُردو زبان کے بانیوں میں سے ہیں۔ بابا فریدؒ کی خانقاہ میں ہر زبان و نسل سے متعلق لوگ آتے تھے۔ ہندو، سکھ سب ہی مسلمانوں کے ساتھ مل بیٹھ کر

۱۔ عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل (سن تالیف ۹۹۹ھ)، نظامی پریس، کانپور، ۱۲۹۹ھ، ص: ۵۸۔

۲۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۲۸۔

مختلف معاملات پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ بابا فریدؒ بذاتِ خود اپنی بات سمجھانے کے لئے عوام الناس سے انہی کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔

اجودھن کے باشندے اجڈ اور ان پڑھ تھے۔ اُن کی تربیت کے لئے عام فہم اور آسان زبان میں تعلیم و تربیت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ بات سمجھ جائیں۔ اس مقصد کے لئے بابا فریدؒ ہندوی جو کہ اُردو زبان کی قدیم ترین شکل ہے۔ میں باتیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مقامی زبان میں بھی بات کرتے۔ سیرُ الاولیاء میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً

ایک مرتبہ آپ کے پوتے شیخ علاؤالدینؒ بچپن میں آپ کے پاس کھیل رہے تھے۔ آپ نماز کی تیاری کے لئے اُٹھے خادم عیسیٰ نے آپ کے لئے مصلا (مصلّٰی) بچھایا تو علاؤالدینؒ اُس پر بیٹھ گئے خادم نے ہٹانا چاہا تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے خادم عیسیٰ سے علاقائی زبان میں فرمایا: (سیرُ الاولیاء کے الفاظ ملاحظہ ہوں)

منج تہ بھی، بزبان آں دیار[1]

یعنی اُس علاقے کی زبان میں فرمایا: بچہ کو بیٹھا رہنے دے۔

بقول پیر اجمل چشتی یہ لفظ "منج" نہیں بلکہ "منج" ہے جس کے معنی پنجابی میں "منجی" یعنی چارپائی ہے اس طرح یہ جملہ ایسے بنتا ہے "منجے تہ بھی (یعنی بیٹھ) اور یہ لفظ آج کل بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح جب مولانا جمال الدین ہانسویؒ کے انتقال کے بعد آپ کی بوڑھی خادمہ مولانا جمال الدین ہانسویؒ کے چھوٹے صاحبزادے برہان الدین صوفیؒ کو آپ کی خدمت میں لائیں تو بابا فریدؒ نے اُن سے شفقت فرماتے ہوئے باوجود صغیر سنی کے انہیں خلافت عطاء کی اور سلطان المشائخؒ کی خدمت میں رہنے کی ہدایت کی تو خادمہ نے بزبانِ ہندی کہا

خُوجا بُرہان الدین بالا ہے۔

یعنی کم عمر ہے۔ تو آپ نے بزبانِ ہندی فرمایا:

مادر مومناں! پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے۔[2]

---

[1] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۲۰۴۔

[2] میر خورد کرمانی، سیرُ الاولیاء، ص: ۱۹۳۔

الغرض بابا فریدؒ کے جماعت خانے کا کردار اُردو زبان کے ارتقاء میں نمایاں ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کی خانقاہ اردو زبان کا قدیم ترین گہوارہ تھی۔

بقول سید مسلم نظامی دہلوی:

اُردو کا سب سے پہلا شعر اس وقت کی تحقیقات کے مطابق حضرت امیر خسرو دہلوی کا ثابت ہوا ہے جو بابا فریدؒ صاحب کے روحانی پوتے ہوتے ہیں اور اُردو نثر کی سب سے پہلی کتاب معراج العاشقین ہے جو حضرت بابا صاحبؒ کے روحانی پڑپوتے حضرت بندہ نواز سید محمد گیسودراز حسینیؒ گلبرگہ نے لکھی تھی [۱]

ماہر لسانیات ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں

ہمارے بزرگ صوفی مقامی لوگوں سے ان کی مقامی بولی میں ہی خطاب کرتے تھے اور یہ خطاب ایسے مخلوط اسلوب بیان میں ہوتا تھا۔ جو بیک وقت عربی، فارسی ذخیرہ الفاظ اور مقامی بولیوں کے ذخیرہ الفاظ پر مشتمل ہوتا تھا مگر جملے کی ساخت مقامی بولی میں ہوتی تھی تاکہ لوگ آسانی کے ساتھ اور پوری دلچسپی سے ان کی باتیں سُن کر انہیں ذہن نشین کر سکیں یہی مخلوط زبان جو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ مسلمان ادباء، علماء اور شعراء کے ہاں ہندی یا ہندوی کہلاتی تھی اور آگے چل کر "زبان اُردوئے معلی، یعنی عالی مرتبہ لشکر کی زبان کی بنیاد جو کثرت استعمال اور مرور ایام سے صرف اُردو (لشکر) رہ گئی"۔ [۲]

۱۔ سید مسلم نظامی دہلوی، انوار الفرید، ص:۴۰۲۔

۲۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۲۸۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ درج ذیل شعر جو بابا فریدؒ سے منسوب ہے۔

وقت سحر وقت مناجات ہے۔

خیز دراں وقت کہ برکات ہے

''خیز دراں'' اگر چہ خالص فارسی ترکیب ہے لیکن شعر میں یوں

چست ہے کہ قدیم عربی وفارسی کے جید علمائے اردو کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔[1]

بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''اردو زبان کی ابتدائی نشوونماء میں صوفیاء کا حصہ'' میں بابا فرید گنج شکرؒ کے اُردو شاعری کے درج ذیل نمونے دیے ہیں۔

اسا کیری یہی سوریت — جاؤں نہ نائے کہ جاؤں میت
تن دھونے سے دل ہوتا جو پوک — پیش رو اصفیاء کے ہوتے غوک
ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے — بوکڑواں سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لانے سے گر خدا پائیں — گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
کوش گری میں گر خدا ملتا — کوش چویاں کوئی نہ واصل تھا
عشق کا رموز نیارا ہے — جز مد دپیر کےنا چارا ہے[2]

وقت سحر وقت مناجات ہے — خیز درآں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کر بگوید ترا — خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
با تن تنہا چہ روی زیر زمیں — نیک عمل کُن کہ رہی سات ہے
پند شکر گنج کہ بدل جان شنو — ضائع مکن کہ عمر ہیہات ہے

---

[1] اظہر،ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۲۸۔

[2] ڈاکٹر مولوی عبدالحق، اُردو زبان میں ابتدائی نشونما میں صوفیاء کا حصہ، انجمن ترقی اُردو دہلی، ۱۹۳۹ء، ص:۷-۹۔

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں !
اُٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں
پاک رکھ تو دل کو غیر سنی اَ ج سائیں فرید کا آوُنا ہے
قدیم قدیمی کے آونے سین لازوال دولت کوں پاوُنا ہے۔ [۱]

خلیق نظامی مرحوم لکھتے ہیں کہ فاضل مصنف (مولوی عبدالحق) نے مآخذوں کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا اُن کے خیال میں ان اشعار کی نسبت بابا فریدؒ کی طرف اس لئے مشکوک ہے کہ بابا فریدؒ نے یہ تخلص کبھی استعمال نہیں کیا۔ [۲]

وحید احمد مسعود مرحوم اپنی کتاب ''سوانح بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ'' میں بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کے شاعر ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس ضمن میں مختلف دلائل بھی دیے ہیں۔ بقول اُن کے مناسب یہی تھا کہ بابا فریدؒ کو شاعر بنانے کی کوشش نہ کیا جاتی [۳]
اسی طرح سید مسلم نظامی دہلوی صاحب ''انوار الفرید'' ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے تحریر کردہ اُردو اشعار کو بابا فریدؒ کے اشعار تسلیم نہیں کرتے۔ [۴]

بہر حال اختلافات اپنی جگہ لیکن بابا فریدؒ جیسی عالم فاضل، اور حساس شخصیت جن سے یہ ثابت ہے کہ وہ اکثر و بیشتر اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اور سیرُ الاولیاء جیسی مستند کتاب اس کی مثالیں پیش کرتی ہے۔ سجدے میں بھی اُن کا وجد میں شعر پڑھنا، جن کا ذکر مقالہ کے گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے اور سماع کے شوقین بھی تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بابا فریدؒ نہ صرف شاعر تھے بلکہ صوفی شاعر تھے۔ وہ ہر انسان سے اُس کی قابلیت اور فہم کے مطابق بات کرتے اور انہوں نے تبلیغ دین کے لئے بھی اُن لوگوں کے ماحول کے مطابق زبان

۱۔ مولوی عبدالحق (ڈاکٹر)، اُردو زبان کی ابتدائی نشو نما میں صوفیاء کا حصہ، ۷-۹۔
۲۔ خلیق نظامی (ڈاکٹر)، دی لائف اینڈ ٹائمز گنج شکرؒ، ص: ۸۶۔
۳۔ وحید احمد مسعود، سوانح بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، ص: ۲۰۴-۲۲۱۔
۴۔ سید مسلم نظامی، انوارُ الفرید، ص: ۲۰۳۔

استعمال کی۔صوفیہ نے اپنا پیغام شاعری کی صورت میں بھی لوگوں تک پہنچایا ہے۔بابا فریدؒ کے ہم عصر لال شہباز قلندرؒ اور عراقیؒ عظیم شاعر بھی تھے۔جلال الدین رومیؒ بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

شاعری کے ذریعے وسیع مفہوم چند الفاظ میں سما جاتا ہے۔اور یاد کرنے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔اتنی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ایک نا خواندہ اور ان پڑھ انسان بھی دوہے، ماہیئے وغیرہ زبانی یاد رکھتا ہے اور سمجھتا بھی ہے۔

اگر صوفیہ نے بھی اصلاح ونصیحت کے لئے شاعری کا سہارا لیا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں انسانی فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تبلیغ دین اور اصلاح کے لئے ایسا کرنا یعنی انسانی فطرت کو پیش نظر رکھنا قانون قدرت بھی ہے۔

بابا فریدؒ نے شاعری کی اور فارسی، عربی، اُردو، پنجابی میں شاعری کی یعنی وہ کثیر الالسنہ شاعر تھے۔یہ الگ بات ہے کہ اُن کا کلام محفوظ نہیں ہو سکا اور اُن کی پنجابی کلام گرو نانک کی گرنتھ میں محفوظ ہو گیا۔ [۱]

ایسا انسان جو خلق خدا کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہو۔اُن کی تکلیف میں اپنی تکلیف محسوس کرتا ہو اور پھر ایک زبان میں شعر کہنے والا اگر اُسے دیگر زبانوں پر عبور حاصل ہو تو کیسے ممکن ہے کہ لطیف احساسات رکھنے والا ایک انسان صرف ایک ہی زبان میں شاعری تک خود کو محدود رکھے۔یہ محسوسات، تجربات اور مشاہدات اُس سے کسی بھی وقت، کسی بھی زبان میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ آپ کا مقصد چونکہ شاعری نہیں تھا۔اور آپ کا کلام محفوظ نہیں ہو سکا۔آج اگر بابا گرو نانک کی کوشش سے آپ کا پنجابی کلام بھی محفوظ نہ ہوتا تو لوگ آج اس سے بھی محروم ہوتے۔گو کہ صدیوں بعد اس میں بھی اختلاف آ گیا ہے۔جس کی تفصیل ''فصل دوم'' میں آئے گی۔

---

۱ پنجابی شاعری کے حوالے سے تفصیل ذکر باب ہذا کی فصل ''کلام بابا فریدؒ اور بابا گرو نانک کی گرنتھ'' میں آئے گی۔

بقول ڈاکٹرظہور احمد اظہر:

کاش کہ اس ''سدرۃ المنتہیٰ بکمند آور'' شاہین تصوف کا فارسی کلام شیریں بھی ضبط تحریر میں آکر محفوظ ہو جاتا یا کم سے کم غلط سلط ہی سہی کوئی ''گرونانک'' کسی نہ کسی گرنتھ میں ہی اسے درج کر لیتا تو آج ہمیں ''گنج شکرؒ'' کی زبان کی حلاوت وملاحت سے فارسی کلام شیریں پڑھنے کا موقع بھی نصیب ہو جاتا۔ [1]

الغرض بابا فریدؒ کے شاعر ہونے سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس امکان کو سرے سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

کلام بابا فریدؒ (شلوک، ابیات، شعر یا دیوان):

اب جبکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ بابا فریدؒ کا کلام کسی نہ کسی شکل میں یا زبان میں شاعری کی صورت میں موجود ہے۔ اُس کلام کو کیا نام دینا چاہیے۔ شلوک، ابیات، شعر یا دیوان؟ بابا فریدؒ کے پنجابی کلام کا وہ حصہ جو سکھوں نے اپنی کتاب ''گروگرنتھ صاحب'' میں شامل کیا۔ اُسے ''شلوک'' کا نام دیا۔

بابا فریدؒ کا پنجابی کلام جسے بابا گرونانک نے محفوظ کر لیا تھا۔ کچھ حصہ اُس کے علاوہ بھی ہے۔ جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اس بارے میں بڑی مدلل بحث کی ہے۔ اور اس بارے میں لکھتے ہیں کہ غزنوی، سلاطینی اور غلامانی دور کے شعراء نے بھی اپنے شعری مجموعات کو ''دیوان'' کا نام دیا بلکہ مغل دور کے شعراء بھی اپنے شعری مجموعہ کو ''دیوان'' کا نام دیتے رہے۔ گو کہ بعض نے مختلف نام بھی دیئے مثلاً امیر خسرو دہلوی اور غلام علی آزاد بلگرامی وغیرہ اور کثیر الکلام شعراء کے مجامیع کے مختلف نام رکھے گئے مثلاً شاہ حسین لاہوری کے مجموعہ کلام کا نام ''کافیاں شاہ حسین'' اور سلطان باہوؒ کے پنجابی دیوان کو ''ابیات سلطان'' کہا گیا۔

مزید لکھتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ ہندو ناقدین شعر و سوانح نگار مسلم شعراء کے کلام کو غیر مسلم شعراء

---

[1] اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۲۵۔

کے کلام سے الگ رکھنا چاہتے تھے اس لئے حسین کے مجموعہ کو ''کافیاں'' جو بقول ڈاکٹر ظہور احمد اظہر غالباً ''قافیاں'' جس کا واحد قافیہ ہے، رکھا گیا۔ اور سلطان باہوؒ کے پنجابی مجموعہ کو ''ابیات'' اور جبکہ فارسی مجموعہ کلام کو ''دیوان'' کا نام دیا گیا[۱]

بقول ڈاکٹر ظہور احمد اظہر:

اس ساری صورتحال سے ایسا لگتا ہے کہ ہمارے پنجابی شعراء اپنے شعری مجموعہ کے لئے ''دیوان'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے یا تو شرماتے ہیں یا پھر کیونکہ پنجاب، لاہور، ملتان اور اوچ شریف سمیت دارالحکومت دہلی کی ادبی و علمی روایت سے کٹ سا گیا تھا۔ اس لئے یہاں لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ''دیوان'' صرف عربی یا فارسی اشعار کے لئے روا ہے۔ پنجابی وغیرہ کے لئے یہ لفظ زیب نہیں دیتا۔

اب صورتحال یہ ہوئی کہ بابا فریدؒ کا وہ کلام جو گرنتھ میں شامل کیا گیا گرمکھی سے فارسی خط میں نقل کیا گیا تو کسی نے ''شلوک'' ہی رہنے دیا اور کسی نے ''ڈوہے بابا فریدؒ'' ''کہے فریدؒ'' یا ''آکھیا بابا فریدؒ'' وغیرہ جیسے مختلف نام دیے مگر کسی نے بھی بقول ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ''دیوان'' کا لفظ استعمال کرنے کی جرأت نہیں کی۔

بابا فریدؒ عربی، فارسی اور ہندوی ادبیات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ جب تک آپ دلّی اور دلّی کے مضافات میں رہے عربی، فارسی اور ہندوی (جو آج کی بھارت کی سرکاری زبان ہندی سے قطعی مختلف تھی بلکہ پاکستان میں بولی جانے والی مقامی بولی تھی۔ جس میں عربی، فارسی اور مقامی بولیوں کے ملے جلے ذخیرہ الفاظ تھے۔ اور پرانی ہندوی آج کی اُردو کی قدیم ترین شکل تھی) میں بات کرتے تھے لیکن جب آپ مستقل طور پر پنجاب میں اقامت پذیر ہوئے تو آپ نے اپنی مادری زبان پنجابی کو اظہار کا ذریعہ بنایا جو آس پاس کی مختلف بولیوں، سندھی، ہندکو وغیرہ اور مقامی ہندوی بولیوں کا ذخیرہ الفاظ تھی۔ [۲]

۱۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۳۱۔

۲۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۳۱-۳۲۔

اس ساری بحث کے بعد ڈاکٹر ظہور احمد اظہر یوں رقمطراز ہیں۔

''بابا فریدؒ سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے اشعار کو بیت یا شعر کی بجائے شلوک کا نام دیں گے۔ انہوں نے نے یا تو اپنی بیاض کو کوئی عنوان دیا ہی نہیں ہوگا مگر گرنتھ صاحب کا ایک ضمنی باب سمجھ کر اصل نام کی بجائے اسے شلوک بابا فریدؒ کا نام دے دیا گیا اس لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ بابا جیؒ کی علمی فضیلت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ کے کلام کو ''دیوان فرید'' کا نام دے دیا جائے۔ [1]

---

[1] اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۳۲۔

فصل دوم:

کلام بابا فریدؒ اور بابا گرونانک کی گرنتھ صاحب

گزشتہ صفحات میں بابا فریدؒ کے اُردو/ہندوی، فارسی اور عربی کلام کے بارے میں بحث کی گئی۔ اس فصل میں بابا فریدؒ کے پنجابی کلام کے بارے میں بحث ہوگی۔

بابا فریدؒ کا صرف پنجابی کلام ہی محفوظ شکل میں ہم تک پہنچا۔ وہ بھی صرف وہی پنجابی کلام جسے بابا گرونانک نے جمع کیا اور جو سکھوں کی کتاب توحید [۱] جسے بعد میں ''گروگرنتھ صاحب'' کا نام دیا گیا میں ''شلوک بابا فرید'' کے عنوان سے شامل ہے۔

پنجابی زبان، اُردو/ہندوی کی نسبت قدیم ترین زبان ہے۔ بابا فرید کو پنجابی زبان کا سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر بابا فریدؒ کے بارے میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ''سدرۃ المنتہیٰ'' پر کمند ڈالنے والا نوجوان کے تبصرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> وہ تو ادب کی دُنیا کا بھی عقاب بلند پرواز نکلا عموماً کسی فن کا موجد، آغاز کنندہ کوئی کرشمہ نہیں دکھایا کرتا مگر فرید الدین مسعودؒ اس قاعدے سے مستثنیٰ نظر آتے ہیں۔ وہ پنجابی شاعری کے باوا آدم اور اولیں موجد و علمبردار بھی ہیں مگر اس کے ساتھ ہی پنجابی شاعری کے کرشمہ ساز بھی ہیں۔ انہوں نے کام کا آغاز بھی کیا اور اُسے بام عروج تک بھی پہنچایا۔ [۲]

۱۔ بابا گرونانک نے صوفی شعراء کا عارفانہ کلام جمع کرتے وقت اپنے مطلوبہ مجموعہ اشعار کے لئے یہی لفظ استعمال کیا کیونکہ وہ توحید ربانی کے سچے پیروکار تھے۔
اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۳۰۔

۲۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۲۹۔

بابا فریدؒ کا کلام ملتانی پنجابی میں ہے جو اُن کے بچپن کی زبان ہے۔ بابا فریدؒ پنجاب کے دوسرے علاقوں میں بھی گھومتے پھرتے رہے۔ اُن کی خانقاہ میں بھی ہر زبان اور مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ آتے تھے۔ اُن کے ہاں دوسرے علاقوں میں بولی جانے والی پنجابی کے الفاظ محاورے اور معاصر برج بھاشا اور ہندوی زبان کا رنگ بھی نمایاں ہے۔

بابا فریدؒ کا پنجابی کلام جو ''گرو گرنتھ صاحب[۱]'' میں شامل ہے اُسے ''بانی[۲]'' کہا جاتا ہے۔

---

۱ ''گرو گرنتھ صاحب'' سکھوں کی مقدس کتاب ہے جسے بابا گرونانک کے سلسلے کے پانچویں گرو، گرو ارجن دیو نے ۱۶۰۴ء میں مرتب کیا جو ایسے منظوم عارفانہ کلام پر مشتمل ہے، جنہیں بابا گرونانک سمیت اُن کے سلسلے کے پانچ گرووں، مختلف مسالک اور فرقوں سے تعلق رکھنے والے بھگتوں یا درویشوں نے تخلیق کیا۔ جن کا کلام منتخب کیا گیا، اُن کا معیار یہ تھا کہ وہ توحید پرست ہوں، ذات پات کی تفریق سے بالاتر اور انسان دوستی کے اصولوں پر کار بند ہوں۔ خواہ کسی بھی مذہب یا مسلک سے تعلق رکھتے ہوں لیکن انہوں نے مذہب کے اُن پہلوؤں کو اپنے کلام میں نمایاں کیا ہو جو رواداری، ہم آہنگی اور انسان دوستی کی اخلاقی اقدار کے حامل ہوں اور روحانی بصیرت کے مالک ہوں۔

بقول سید افضل حیدر، لفظ ''گرنتھ'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی کوئی بندھی ہوئی یا جڑی ہوئی شے۔ گرو کے معنی ہیں وہ چیز جو تاریکی دور کرے یا بالفاظ دیگر بصیرت مہیا کرے۔

''گرو گرنتھ صاحب'' شروع میں صرف بابا گرونانک کے کلام اور فرمودات پر مشتمل تھی۔ اسے پوتھی یعنی مقدس کتاب کہا گیا۔ بھائی گرداس کی آخری ساکھی میں بتایا گیا کہ گرو انگد یو کی جانشینی کے موقع پر گرونانک نے اپنے شبدوں اور شلوکوں پر مبنی پوتھی (مقدس کتاب) خود گرو انگد یو کے حوالے کی۔

سید، افضل حیدر، بابا نانک، دوست پبلیکیشرز، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۹۵ – ۱۹۶۔

۲ گرو گرنتھ صاحب میں موجود کلام کو سکھ روایات میں ''بانی'' کہا جاتا ہے۔ لفظ ''بانی'' سنسکرت سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی ''بولی'' کے ہیں۔

''گروگرنتھ صاحب''میں ایک باب ''شلوک[۱] شیخ فرید کے'' کے عنوان کے تحت درج ہے۔ان شلوکوں کی تعداد ۱۳۰ ہے ان میں سے ۱۸ شلوک گرو صاحبان کے ہیں اور ۱۱۲ بابا فریدؒ کے ہیں۔ [۲]

ان شلوکوں کے علاوہ بابا فریدؒ کے دو شبد ''راگ آسا'' اور دو شبد ''راگ سوہی'' میں پائے جاتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر ظہور احمد اظہر گرنتھ میں پائے جانے والے اشعار کی تعداد ۱۱۲ اور گرنتھ سے باہر دیگر مصادر میں دستیاب اشعار کی تعدار ۸۳ (تراسی) ہے۔ اس طرح بابا فریدؒ کے کل اشعار کی تعداد اڑھائی سو کے قریب ہے۔[۳]

۱۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی نے اپنی کتاب ''کلام بابا فریدؒ'' کے حاشیہ میں کا بن نابھ سنگھ کی کتاب ''مہان کوش'' کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ حمد وثناء والے اشعار کو ''شلوک'' کہا جاتا ہے۔

ہاشمی، حمید اللہ (پروفیسر)، کلام بابا فرید، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۴ اگست ۱۹۹۴ء، ص:۱۳۔

محمد آصف خان نے اپنی پنجابی کتاب ''آکھیا بابا فرید نے'' میں ''شلوک کیہ ہے'' کہ عنوان کے تحت سیر حاصل تجزیہ (جو ص:۱۱۱ تا ۱۲۳ میں ہے) کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا۔

ایس سارے تجزیہ توں اسیں ایس سٹے تے پہنچدے ہاں کہ چودھری محمد افضل خاں، بھائی کا بن سنگھ نابھہ، سنکھپت شبد ساگر، گورو گرنتھ کوش تے دوجیاں وِلّوں شلوک دیاں جو تعریفاں اج تائیں کیتیاں گئیاں ہن، اوہ ہر پکھوں اُونیاں ہن۔ساڈی جاچے شلوک دو[۲] جاں دو[۲] توں ودھ مصرعیاں والی اک اجیہی نظم ہے، جس نُوں کسے اللہ لوک نے لکھیا ہے لیس وچ موضوع دی کوئی قید نہیں۔رب دی حمد توں لے کے سرکاری مشینری دے ظلم تے جبر نُوں موضوع بنایا جاسکدا ہے۔

محمد آصف خان، آکھیا بابا فرید نے، طبع اول، الکتاب پرنٹرز لاہور، دسمبر ۱۹۷۸ء، ص:۱۲۳۔

۲۔ آٹھ صد سالہ جشن ولادت کی تقریب عالمی کانفرنس، مقالہ نگار، انعام الحق جاوید، ناشر آغا میر حسین، نفیس پرنٹرز لاہور، ۱۹۹۲ء، ص:۱۵۹۔

اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۳۴-۳۵۔

۳۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص:۳۴-۳۵۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی "ماہنامہ منادی نئی دہلی" میں بابا فریدؒ کے "گرنتھ صاحب" میں شامل اشعار کی تعداد ایک سو تیس شلوک اور چار شبد بتاتے ہیں۔[۱]

بابا گرو نانک کی وجہ سے بابا فریدؒ کا پنجابی کلام آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ بابا گرو نانک نے بابا فریدؒ کی وفات کے تقریباً ڈیڑھ پونے دو سو سال بعد ان کے پڑپوتے شیخ ابراہیمؒ سے حاصل کی تھی۔ شیخ ابراہیمؒ (فرید ثانی) [۲] نے استخارہ [۳] کے بعد یہ بیاض بابا گرو نانک[۴] کے حوالے کی۔

جو بیاض شیخ ابراہیمؒ نے بابا گرو نانک کے حوالے کی، وہ اصل بیاض آج معدوم ہے لیکن اُس بیاض کا کلام "گرنتھ صاحب" میں "شلوک بابا فریدؒ کے" عنوان کے تحت محفوظ ہے۔

۱۔ نثار احمد فاروقی (پروفیسر)، "حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ"، ماہنامہ منادی، ج ۶۳، شمارہ ۸، نئی دہلی، تاریخ اشاعت نامعلوم، ص: ۶۔

"گرونتھ صاحب" میں مذکورہ باب "شلوک بابا فرید کے" میں درج شلوکوں کی کل تعداد ۱۳۰ ہے۔ جن میں سے ۱۱۲ بابا فریدؒ کے اور ۱۸ گرو صاحبان کے ہیں۔ اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

۲۔ شیخ ابراہیمؒ کو بعض تذکرہ نگاروں نے فرید ثانی لکھا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

۳۔ اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ، ص: ۳۰۔

۴۔ بابا گرو نانک، ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء میں شیخوپورہ کے گاؤں تلونڈی میں پیدا ہوئے۔ تلونڈی کو آج کل ننکانہ صاحب کہا جاتا ہے۔ والد کا نام کلیان چند عرف کالو اور والدہ کا نام ترپتا تھا۔ آپ سکھ پنتھ کے بانی تھے۔ آپ توحید پرست اور اسلامی تعلیمات سے بہت متاثر تھے۔ قرآن حکیم کے طالب علم بھی تھے۔ عربی اور فارسی سے اچھی طرح آگاہ تھے اور اسلام کے بنیادی اصولوں کا مکمل ادراک رکھتے تھے۔ اُن کے کلام میں اسلامی تعلیمات کا رنگ واضح طور پر ملتا ہے۔ انہوں نے ملک، ملک سفر کر کے درویشوں اور صوفیاء کے کلام کو اکٹھا کیا۔

بقول بلونت سنگھ آنند "گرو نانک جو کہ خود کو نہ ہندو کہتے تھے نہ مسلمان سمجھتے تھے۔ انہیں ان اشعار میں ایک روحانی ہم آہنگی، ایک غیر معمولی بے تعصبی اور انسان دوستی کے جو احساسات ملے وہ انہیں اس قدر پسند آئے کہ انہوں نے وہ اشعار لکھ کر آنے والی نسلوں کی بھلائی کی خاطر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیے۔

بلونت سنگھ آنند، بابا فرید، مترجم مہر افشاں فاروقی، ص: ۴۰۔

باباگرونانک نے جومسوّدہ شیخ ابراہیمؒ سے حاصل کیاوہ بطورمسوّدہ تھایااملاءکروایاگیا؟اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ [۱]

پروفیسرحمیداللہ ہاشمی لکھتے ہیں کہ

> اگر یہ مسودہ تھاتو خط فارسی ہی میں ہوگا اور اگر املا کرایا گیا ہوگا تب بھی غالباً فارسی رسم الخط میں ہوگا کیونکہ بابانانک ایک مدت سرکاری ملازمت میں رہ چکے تھے جہاں فارسی میں حساب کتاب رکھاجاتاتھا۔ [۲]

ڈاکٹرظہوراحمداظہر بھی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ اصل بیاض فارسی میں ہوگی۔ [۳]

بابافریدؒ کے عہد میں نہ سکھ مذہب تھا نہ ہی اُن کی گرمکھی زبان۔بابانانک نے یہ مجموعہ اپنے جانشین گروانگدیو کے حوالے کیا۔گروانگدیو نے اُس میں اپنے ۹۳شلوک شامل کرکے اپنے جانشین گروامرداس جوکہ تیسرےگروتھے کے حوالے کیا۔گروامرداس (۱۴۷۹ء-۱۵۷۴ء) کاپوتا ساہنسارر ام کاتب تھا۔گروامرداس نے اپنے پوتے سے اس کی ازسرنوتالیف کروائی۔

بقول سیدافضل حیدراس کی دوجلدیں پٹیالہ پوتھی اوراہیاپورپوتھی کی شکل میں آج بھی محفوظ ہیں۔ [۴]

بقول پروفیسرحمیداللہ ہاشمی غالباًیہ پہلاموقع تھا کہ بابافریدؒاور دوسرےصوفیاءکرام کاکلام گورمکھی میں منتقل کیاگیا۔ [۵]

---

۱ غالباًیہ کلام کسی نہ کسی تحریری شکل میں موجودہ تھا کیونکہ بابافریدؒ سے نسل درنسل تقریباً گیارہویں پشت میں شیخ ابراہیمؒ تک منتقل ہوا۔انہوں نے استخارہ کے بعد باباگرونانک کے حوالے کیا۔اگر شیخ ابراہیمؒ کا اپنا کلام ہوتاتو استخارہ کی ضرورت نہ ہوتی۔

۲ ہاشمی،حمیداللہ(پروفیسر)،کلام بابافریدؒ،ص:۲۱۔

۳ اظہر،ظہوراحمد،(ڈاکٹر)،معارف فریدیہ،ص:۳۰۔

۴ سیدافضل حیدر،بابانانک،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،۲۰۰۵ء،ص:۱۹۶۔

۵ ہاشمی،حمیداللہ(پروفیسر)،کلام بابافریدؒ،ص:۲۱

"گروگرنتھ صاحب" گورمکھی رسم الخط میں ہے، اس لئے اس میں تحریر بعض الفاظ کا تلفظ ہمارے لئے آسان نہیں گرمکھی رسم الخط میں منتقل شدہ بابا فریدؒ کے کلام میں بعض نقائص سامنے آتے ہیں۔ اوزان کی غلطیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔

بابا فریدؒ نے اپنی موروثی زبان پنجابی میں یہ کلام فرمایا۔ بابا فریدؒ کے آباء واجداد ملتان کے مضافات میں رہائش پذیر ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی اسی علاقے سے تھا۔ پنجابی گویا آپ کی مادری زبان بھی تھی اس لئے آپ کا پنجابی کلام ملتانی پنجابی میں ہے۔ بقول گربچن سنگھ طالب:

> شیخ فرید کی زبان بنیادی طور پر ملتانی پنجابی تھی جو کہ اُن کی مادری زبان تھی۔ اس میں عہدِ وسطیٰ کی ہندی یا ہندوی کی بھی خاصی آمیزش ہے جو دہلی کے قرب وجوار میں بولی جاتی تھی اور جہاں اُنہوں نے اپنی مریدی یا خلافت کا ابتدائی زمانہ بسر کیا تھا۔ اس زمانے کا بیشتر حصہ انہوں نے ہانسی میں گزارا تھا جہاں ہندی سے ملتی جلتی بولی، بولی جاتی تھی۔ [۱]

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بابا فریدؒ کو عربی، فارسی، ہندوی اور کئی دوسری علاقائی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی اور فارسی اُن کی علمی اور ادبی زبان تھی لیکن وہ عام لوگوں سے اُن ہی کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے اور ہر انسان سے اُس کی استعداد کے مطابق گفتگو فرماتے۔

پروفیسر گربچن سنگھ طالب اپنے ایک مضمون "بابا شیخ فرید گنج شکرؒ کا کلام معرفت الٰہی" میں لکھتے ہیں۔

> اجودھن (پاکپتن) کے علاقہ میں جو لوگ بود و باش رکھتے تھے۔ وہ اس زمانہ میں جانگلی (جنگلی) کہلاتے تھے، سوائے اپنی روزمرہ زبان کے اور کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو روحانی ارتقاء اور اخلاقی زندگی کے نکات کسی اور زبان میں نہیں سمجھائے جا سکتے تھے تاوقتیکہ اُس زبان کا استعمال نہ کیا جائے جس کے محاورہ اور الفاظ سے وہ اپنی عام زندگی میں آشنا تھے۔ [۲]

---

۱ گربچن سنگھ طالب، بابا شیخ فرید، ص:۴۳۔

۲ گربچن سنگھ طالب (پروفیسر)، "حضرت بابا شیخ فرید گنج شکرؒ کا کلام معرف الٰہی" ماہنامہ منادی، حضرت بابا فرید نمبر، ج:۳۹، شمارہ:۴، ۵ اور ۶، نئی دہلی، ۴ ۱۹۷۴ء، ص:۱۰۱۔

چنانچہ بابا فریدؒ نے بھی ایسا ہی کیا اور اُن لوگوں کو انہی کی زبان میں شاعری کے ذریعے بھی تعلیمات دیں۔

یہ الگ بات ہے کہ بابا فریدؒ کا کلام قدیم ملتانی پنجابی میں ہے۔ مرورِ زمانہ کے سبب اُس کے بہت سے الفاظ آج کی پنجابی بولنے والوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔

سلیم یزدانی اپنی کتاب ''فکر فرید'' میں لکھتے ہیں کہ

> بابا فریدؒ کو مقامی زبان پر عبور حاصل تھا اور اس کے ذریعے انہوں نے اسلام کا پیغام عام لوگوں تک پہنچایا۔ وہ برِعظیم پاک و ہند میں پنجابی اور اُردو کے پہلے صوفی شاعر تھے اور اگر وہ مقامی زبان میں شاعری کی راہ نہ دکھاتے تو پنجابی زبان مادھولال حسینؒ، سلطان باہوؒ اور بلھے شاہ جیسے عظیم شعراء سے محروم ہو جاتی۔[1]

بابا فریدؒ کی اصل بیاض یا مجموعہ کلام بابا نانک کے جانشین محفوظ نہ رکھ سکے۔ اگر وہ اُس کی حفاظت کرتے اور معدوم نہ ہونے دیتے تو آج بہت سے سوالات کے جوابات مل جاتے۔

ان سوالات میں سب سے اہم سوال وہ ہے جو صدیاں گزرنے کے بعد ایم۔اے میکالف نے اپنی کتاب "The Sikh Religion" میں اٹھایا کہ یہ کلام بابا فریدؒ کا نہیں بلکہ شیخ ابراہیم (فرید ثانی) کا ہے۔

ایم۔اے میکالف کا بیان ہے کہ ''گرونانک ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ اس لئے اُن کی ملاقات بابا فریدؒ سے ذاتی طور پر نہیں ہوئی۔ میکالف نے گرونانک کی سب سے پرانی جنم ساکھیوں کا حوالہ بھی دیا جس میں ان کی ملاقات شیخ ابراہیمؒ سے ثابت ہے جو بقول میکالف فرید ثانی مشہور تھے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ ''غالباً (شیخ ابراہیمؒ) نے اپنے سلسلے کے بانی کا نام بطور تخلص استعمال کیا۔[2]

---

[1] سلیم یزدانی، فکر فرید، ایجوکیشنل پریس، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۸۵۔

[2] ایم۔اے میکالف، "The Sikh Religion"، والیم: ۶، کلیرنڈن پریس، آکسفورڈ، ۱۹۰۹ء، ص: ۳۵۶۔

ایم۔اے میکالف کے اس بیان نے کئی لوگوں کو مغالطے میں ڈال دیا اور یہ تنازعہ کھڑا ہو گیا کہ ''گروگرنتھ صاحب'' میں موجود بابا فریدؒ کا کلام، بابا فریدؒ کا ہے یا شیخ ابراہیمؒ (فرید ثانی) کا؟

اس سلسلے میں کچھ افراد ایم۔اے میکالف سے متفق ہیں اور کچھ اُس کی تردید کرتے ہیں اور بعض کے مطابق آدھا کلام بابا فریدؒ اور آدھا شیخ ابراہیمؒ (فرید ثانی) کا ہے۔

وہ لوگ جو ایم۔اے میکالف سے متفق ہیں۔ان میں ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن، وحید احمد مسعود، خلیق نظامی، میاں اخلاق احمد، قریشی احمد حسین وغیرہ ہیں۔

وہ لوگ جو بابا فریدؒ اور شیخ ابراہیمؒ (فرید ثانی) دونوں کا کلام مانتے ہیں اُن میں ڈاکٹر سریندر سنگھ کوہلی، عبدالغفور قریشی وغیرہ ہیں۔

سب سے پہلے میکالف کے بیان کا جائزہ لیتے ہیں جس نے یہ سوال اُٹھایا۔

میکالف نے دلیل دی کہ بابا نانک اور بابا فریدؒ کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی بلکہ بابا گرونانک کی ملاقات شیخ ابراہیمؒ (فرید ثانی) سے ہوئی۔اس کے ثبوت میں وہ اُس ''جنم ساکھی''[1] کا حوالہ دیتے ہیں جس میں گرونانک کی ملاقات شیخ ابراہیمؒ سے مذکور ہے۔

بقول پروفیسر محمد آصف خان (مرحوم) جس ''جنم ساکھی'' کا ذکر میکالف نے کیا ہے۔اُس کے دو الگ الگ ایڈیشن اُن کے پاس ہیں۔

ایک پراچیں جنم ساکھی، گوروسنگھ سبھا، انڈین پریس، لاہور، ۱۸۸۴ء

دوسری جنم ساکھی، فوٹو زنکوگرافی راہیں، سروے آف انڈیا، ۱۸۸۵ء، ہے

اُس جنم ساکھی کے ص:۹۳ تا ص:۱۰۴ پر ''آسا دیس'' میں شیخ فریدؒ اور گرونانک کی ملاقات کا حال بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] ''جنم ساکھی'' بمعنی ''جنم کہانی'' ہے۔مختلف لوگوں نے بابا گرونانک کی سوانح حیات لکھیں جنہیں ''جنم ساکھیاں'' کہا جاتا ہے۔اور یہ صرف بابا نانک کی سوانح حیات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اسی طرح ،ص:۱۳۶تا۱۴۳پر ''پٹن دیس'' میں شیخ ابراہیمؒ اور بابا نانک کی ملاقات کا حال لکھا گیا ہے۔[1] اب ایم ۔اے میکالف ایک طرف تو بابا نانک اور شیخ ابراہیمؒ کی ملاقات کو تو مانتے ہیں لیکن اُسی جنم ساکھی میں مذکور بابا فریدؒ اور بابا نانک کی دوسری ملاقات کو رد کرتے ہیں۔

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کے مطابق جنم ساکھیاں لکھنے والوں نے اپنے گرو اور مذہب کی سچائی اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے یہ ساری ملاقاتیں بیان کیں۔ [2]

میکالف کی یہ دلیل کوئی منطقی دلیل نہیں ہے کہ بابا گرونانک کی ملاقات بابا فریدؒ سے نہیں ہوئی اگر یہ مان بھی لیا جائے تو شیخ ابراہیمؒ کے پاس بابا فریدؒ کا کلام اور دوسری چیزیں سجادہ نشیں ہونے کی حیثیت سے نسل در نسل منتقل ہونے کی وجہ سے پائی جا سکتیں ہیں۔اگر اُن کا اپنا کلام ہوتا تو شیخ ابراہیم کو استخارہ کر کے بابا فریدؒ سے اجازت کی ضرورت نہ ہوتی۔

ایم ۔اے میکالف کا یہ قیاس کہ شیخ ابراہیمؒ نے اپنے سلسلہ کے بانی کا نام بطور تخلص استعمال کیا۔ میکالف کا محض قیاس ہی ہے کیونکہ شیخ ابراہیمؒ نے کہیں بھی ''فرید''لقب یا تخلص استعمال نہیں کیا۔(اس پر تفصیلی بحث اگلے صفحات میں آئے گی)۔

بقول بلونت سنگھ آنند سکھ گروؤں کے برخلاف صوفی حضرات اپنے پیر کا نام بطور تخلص استعمال نہیں کرتے۔[3]

میکالف یہ بھی مانتا ہے کہ بابا فریدؒ نے ۱۲ سال ریاضت میں گزارے اور چلّہ معکوس کا ذکر بھی کرتا۔

---

[1] محمد آصف خان(پروفیسر)، آکھیا بابا فرید نے،ص:۶۲۔

[2] موہن سنگھ(ڈاکٹر)، اورینٹیل کالج میگزین ،لاہور،نومبر ۱۹۳۸ء،ص:۷۵۔

[3] بلونت سنگھ آنند، بابا فریدؒ، مترجم مہر افشاں فاروقی،ص:۴۲۔

ہے۔اس ریاضت کے دوران بابا فریدؒ کے سر پر پرندوں نے گھونسلے بنا دیے اور اس شعر کا ذکر کرتے ہیں۔

فریدا تن سُکا، پنجر تھِیا ، تلیاں کھونڈیں کاگ
اجے سُ رَب نہ بَوہڑیو ، دیکھ بندے کے بھاگ

اسی طرح ریاضت کے دوران پیٹ پر باندھنے والی لکڑی کی روٹی کا ذکر کرتے ہیں اور اس شعر کا بھی۔

فریدا روٹی میری کاٹھ کی، لاون میری بھکھ
جیہناں کھادی چوپڑی ، گھنے سہن گے دُکھ

دونوں شعروں کو وہ شیخ ابراہیمؒ کے شلوک قرار دیتے ہیں لیکن پہلے شعر میں بھی واقعہ کا بابا فریدؒ کے ساتھ گزرنا اور دوسرے شعر میں کاٹھ کی روٹی سے مراد وہ روٹی قرار دیتے ہے جو بابا فریدؒ کے مزار پر موجود ہے۔

گویا میکالف کے اپنے بیانات میں تضاد پایا جاتا ہے تو پھر اُس کی بات کو بنیاد بنا کر بابا فریدؒ کے پنجابی کلام کو شیخ ابراہیمؒ کا کلام ماننے والوں کی کوئی دلیل معتبر نہیں رہتی۔

بلونت سنگھ آنند لکھتے ہیں کہ

> میکالف کے مطابق ''شیخ برہم (ابراہیم) عظیم اولیاءاللہ کی فہرست میں ایک نمایاں مقام کے مالک ہیں۔انہیں بہت سے لقب دیے گئے ہیں۔جیسے فرید ثانی یا فرید دوئم، ثالث فرید یا فرید فیصلہ کن، شیخ برہم کلاں، بالا راجا، شیخ برہم صاحب اور شاہ برہم۔یہ حیرت کی بات ہے کہ ایسے اُونچے اُونچے خطابوں والے شخص کا صوفیت کی ادبی تاریخ یا پنجابی زبان کے مسلمان شعراء کے قلمی آثار میں کوئی ذکر نہیں ہے جبکہ فرید گنج شکرؒ کو بحیثیت شاعر اور ولی اللہ کے بے انتہا خراج عقیدت پیش کئے گئے ہیں۔[1]

---

[1] بلونت سنگھ آنند، بابا فریدؒ،مترجم مہر افشاں فاروقی،ص:۴۲۔

ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن سالوں بعد ۱۹۳۸ء میں اور میاں اخلاق احمد [1] ۲۰۰۰ء میں میکالف کی تائید کرتے ہیں اور میکالف ہی کے دلائل دیتے ہیں۔

میاں اخلاق احمد تو میکالف اور جے۔ایس۔مدن کی پنجابی صوفی شعراء کا حوالہ دیتے ہیں۔ لاجونتی رام کرشن اپنی کتاب "Punjabi Sufi Poets" میں میکالف کی دلیل کو کمزور بھی مانتی ہیں اور ساتھ ہی میکالف سے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ شلوک شیخ ابراہیمؒ کے ہیں۔ [2]

لاجونتی رام کرشن مندرجہ ذیل شعر ثبوت کے طور پر پیش کرتی ہیں

شیخ حیاتی جگ نہ کوئی تھر رہیا!!!

جس آسن ہم بیٹھے کیتی بیں گیا

لاجونتی صاحبہ کے خیال میں اس میں شیخ ابراہیمؒ نے اپنے بزرگوں یعنی بابا فریدؒ کی طرف اشارہ کیا ہے۔شعر کا ترجمہ یہ ہے

''اے شیخ! اس دنیا میں کوئی بھی زندگی پائیدار نہیں آج جو جگہ میری ہے مجھ سے پہلے بہت لوگوں کی تھی''

اگر ایسا ہے تو خود بابا فریدؒ بھی تو اپنے بزرگوں، خاص طور پر اپنے مرشد اور مرشد کے مرشد کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں۔

ایک اور قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اتنے شلوکوں میں سے لاجونتی کرشن کو ایک ہی شعر ملا۔ اس کے اگلے پچھلے اشعار اور اُن کا پس منظر بھول گئیں۔

وحید احمد مسعود تو شلوک ہی نہیں بلکہ بابا فریدؒ کو سرے سے شاعر ہی نہیں مانتے۔(اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آچکی ہے)۔

خلیق نظامی مرحوم نے بھی اپنی کتاب، ''دی لائف اینڈ ٹائمز آف بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ'' میں تحریر کیا ہے کہ ان شلوکوں کا لسانی تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان میں جو امثال اور محاورات استعمال کئے

1۔ میاں اخلاق احمد، تذکرہ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، اخلاق احمد اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۰ء ص:۱۳۱۔

2۔ لاجونتی رام کرشن (ڈاکٹر)، پنجابی صوفی پوئٹس، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، آکسفورڈ، ۱۹۳۸ء ص:۷۔

گئے ہیں وہ بابا فریدؒ کے زمانے کے بہت بعد کے ہیں جو تخلص ان شلوکوں میں استعمال کیا گیا، وہ فرید ہے اور بابا صاحبؒ کبھی اپنا حوالہ دیتے تو مسعود کہتے، فرید نہیں۔ اس کے ساتھ ہی خلیق نظامی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان شلوکوں میں بابا فریدؒ کے روائتی ارشادات اور آپ کی ریاضت ومجاہدہ کے واقعات کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ پھر لکھتے ہیں کہ شیخ ابراہیمؒ جو بابا گرو نانک کے ہمعصر تھے غالباً ان شلوکوں کے اصل مصنف ہیں اور انہوں نے اپنے بزرگوں کے اقوال کو اپنے شلوکوں میں بیان کیا۔ [۱]

خلیق احمد نظامی مرحوم نے اپنی کتاب ''دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فریدؒ'' میں بابا فریدؒ کے سجادہ نشینوں کی فہرست دی ہے۔ جس میں ۲۵ نام تحریر کئے ہیں۔ ان میں ۱۲ نمبر اور ۱۵ نمبر پر شیخ ابراہیمؒ کے نام تحریر ہیں لیکن کہیں بھی فرید ثانی تحریر نہیں۔ [۲]

بعد میں خلیق نظامی مرحوم نے بھی تسلیم کر لیا تھا کہ یہ کلام شیخ ابراہیمؒ کا نہیں بلکہ بابا فریدؒ کا ہے۔ اس کا ذکر لاہور میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس (جو بابا فریدؒ کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں منعقد کی گئی)۔ [۳] میں اُس وقت کے ''بابا فرید میموریل سوسائٹی پٹیالہ'' کے جنرل سیکرٹری پروفیسر وگرو چرن سنگھ نے اپنے مقالہ میں اس طرح کیا کہ

جب ۱۹۷۳ء میں بابا فریدؒ کے حوالے سے انٹرنیشنل سیمینار ہوا۔ تو اُس میں ساری دُنیا سے سکالر اکٹھے ہوئے سکھوں میں سے جودھ سنگھ، پریتم سنگھ (پروفیسر)، ڈاکٹر عطر سنگھ، پروفیسر طالب خشونت سنگھ اور دوسرے لوگوں نے مضامین پڑھے۔ ان سکالرز نے ایک ہی بات دلائل کے ساتھ ثابت کی کہ یہ کلام

۱۔ خلیق نظامی، احوال وآثار شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ، المعارف، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۳۹۔

۲۔ خلیق نظامی، دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید گنج شکرؒ، اپنڈکس ڈی (Appendix-D)، ص: ۱۲۳۔

۳۔ اس کانفرنس کی مہمان خصوصی اُس وقت کی وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو تھیں اور اس تقریب کے موقع پر حکومت پاکستان نے یادگاری ٹکٹ بھی جاری کئے۔

بابا فریدؒ کا ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ چار ماہ پہلے مجھے خلیق احمد نظامی کا ایک خط ملا جس میں انہوں نے اعتراف کیا کہ مجھے اس انٹرنیشنل سیمنار میں اور آپ سے نئی گواہی ملی ہے جس کی بنیاد پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کلام واقعی بابا فرید گنج شکرؒ کا ہے۔[۱]

(خط انگریزی میں تھا لیکن کیونکہ مقالہ پنجابی میں تھا اور پروفیسر گورچرن نے خط بھی پنجابی میں سنایا جو درج ذیل ہے)۔

چٹھی

ایہہ چیز میں تہاڈے سامنے پیش کرنا چاہندا ہی میرا پر چہ وی ایہوی کہ ہن ایہدے اتے مہر لگائی ہے کہ جو کلام اج اتھے لکھیا ہویا ہے گاندے ہاں، پڑھدے ہاں، پیار کردے ہاں اوہ واقعی بابا فرید جی گنج شکر دا ہے ایہدے وچ کوئی شک نئیں پر اک نال لگدی گل ہور میں کہنا چاہناں ہاں کہ ایہہ کلام صرف گروگرنتھ صاحب وچ ملدا اے۔ حالانکہ بابا فرید جی دے نام لیوا ساری دنیا وچ پھیلے ہوئے نیں پر کسے کول نیا پرنیا ریکارڈ بابا جی دے کلام دا نئیں ہے۔ سوائے گروگرنتھ صاحب دے کلام دا نئیں ہے۔ سوائے گروگرنتھ صاحب دے سوا ایہہ وجہ ہے جس کر کے اسی بابا فرید جی نال جڑے ہوئے ہاں۔[۲]

پروفیسر گورچرن سنگھ نے اپنے مقالہ میں ڈاکٹر کالا سنگھ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ڈاکٹر کالا سنگھ نے اپنی کتاب میں لکھا کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کلام بابا فریدؒ کا ہے وہ اس لئے کہ اگر یہ شیخ ابراہیمؒ کا ہوتا تو جس طرح گرونانک کے بعد دوسرے، تیسرے، چوتھے گرو ہوئے ان

---

۱ آٹھ صد سالہ جشن ولادت عالمی کانفرنس، (کتابی شکل)، مقالہ نگار پروفیسر گورچرن سنگھ، موضوع ''کلام بابا فرید تے سری گروگرنتھ صاحب دا کیہہ تعلق اے'' ناشر آغا امیر حسن نفیس پرنٹرز، لاہور، جنوری ۱۹۹۲ء، ص: ۲۲۷-۲۲۸۔

۲ آٹھ صد سالہ جشن ولادت عالمی کانفرنس، (کتابی شکل)، مقالہ نگار پروفیسر گورچرن سنگھ، موضوع ''کلام بابا فرید تے سری گروگرنتھ صاحب دا کیہہ تعلق اے'' ناشر آغا امیر حسن نفیس پرنٹرز، لاہور، جنوری ۱۹۹۲ء، ص: ۲۲۸۔

کے سامنے گرو ارجن دیو نے لکھا ہے کہ یہ بانی کس کی ہے۔ صاف طور پر لکھا ہے کہ پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں۔ جس کی بانی ہے اُس کے آگے لکھ دیا کہ فلاں کی ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ لکھ دیتے کہ بابا فرید ثانی کی ہے۔[۱]

بابا فریدؒ کی شاعری کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی پر عبور رکھتے تھے پھر پنجابی میں شاعری کیسے کر سکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بابا فریدؒ کی علمی وادبی زبان فارسی وعربی تھی لیکن عوام الناس سے وہ اُن ہی کی زبان میں بات کرتے تھے تا کہ وہ اُن کا مدعا آسانی سے سمجھ جائیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ پنجابی اُن کی مادری زبان تھی۔ ایسی کتابوں میں جو شیخ ابراہیمؒ سے پہلے لکھی گئی ہیں۔ بابا فریدؒ کے پنجابی اشعار پائے جاتے ہیں۔

سیرُ الاولیاء میں جو شیخ ابراہیمؒ سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے لکھی گئی۔ بابا فریدؒ کا درج ذیل شعر رقم ہے۔

کت نہوتیں کارُری ناکاں ہت مناں
بس کندے مدہن گرہوریں لہہ کہا!

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اپنے مضمون ''حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ'' میں شمائل الاتقیاء (جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ بُرہان الدین غریبؒ کی فرمائش پر ۷۳۷ھ (۱۳۳۹ء) میں لکھی گئی) کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ شمائل الاتقیاء میں بابا فریدؒ کے دوہے کی ایک پنکتی ملتی ہے۔

جس سائیں جاگنا سو کیوں سووے سکھ

بعض نسخوں میں یوں ہے

جس کا سائیں جاگتا سو کیوں سووے داس[۲]

۱۔ گروچرن سنگھ (پروفیسر)، آٹھ صد سالہ جشن ولادت عالمی کانفرنس، ص:۲۲۷۔

۲۔ نثار احمد فاروقی (پروفیسر)، ''حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ'' ماہنامہ منادی، ج۹۳، ش۸، نئی دہلی، ص:۶۔

اسی مضمون میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ بابا صاحبؒ نے روحانی واخلاقی تعلیم کے لئے شاعری اور اپنی علاقائی بولی کا استعمال کیا بلکہ عوام کو عربی الفاظ کے بجائے پنجابی زبان میں ذکر جہر کی تلقین بھی کی۔ بہت سے قدیم مصادر سے ''ذکر ہندوی خاصہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ انہوں نے پنجابی میں یک ضربی، دوضربی، سہ ضربی، پنج ضربی ذکر کی تعلیم دی مثلاً

اتھے توں☆اتھے توں☆ توں ہی توں

ایہہ وَل توں☆اوہ وَل تو ☆توں ہی توں[۱]

پنجابی میں بابا فریدؒ کے ذکر کا تذکرہ شیخ محمد غوث (المتوفی ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء) نے اپنی کتاب ''جواہر خمسہ'' میں کیا۔

بندگی حضرت قطب الاقطاب حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ قدس اللہ سرہ ذکر

بزبان ہندی[۲] وضع فرمودہ اند در یاد بدیں سند:

اہونہ تُون، اُہونہ تُوں، اہونہ تُوں، اِتھیں نہ تُوں[۳]

علی اصغر چشتی نے ''جواہر فریدی'' میں بابا فریدؒ کا ایک دوہا تحریر کیا۔ ''جواہر فریدی'' ۱۰۳۳ھ میں لکھی گئی۔ دوہا درج ذیل ہے۔

فریدا دھڑ سُولی ، سر پنجرے ، تلیاں ٹکن کاگ

رب اجیوں نہ باہڑے تو دھن ہمارے بھاگ[۴]

۱۔ نثار احمد فارقی (پروفیسر)، مضمون ''حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ'' ماہنامہ منادی، ص:۷۔

۲۔ اس سے مراد ہندی نہیں بلکہ پنجابی ہے۔ ہندی وہ زبان ہے جو آج کل ہندوستان میں بولی جاتی ہے۔ اس وقت ہر علاقائی زبان کو ہندی کہتے تھے۔

محمد آصف خان، آکھیا بابا فرید نے، ص:۷۶-۷۷۔

۳۔ شیخ محمد غوث، جواہر خمسہ (قلمی فارسی)، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، ۳۵۸۱/ ۵۵۸، ص:۱۹۵/الف

۴۔ علی اصغر چشتی، جواہر فریدی (فارسی)، وکٹوریہ پریس، لاہور، ۱۸۸۴ء، ص:۱۸۷۔

گروگرنتھ شلوک ۹۰ میں اس طرح ہے۔

فرید تن سکا پنجر تھیا، تلیاں کھونڈیں کاگ
اجے س رب نہ بوہڑیو، دیکھ بندے کے بھاگ

میر عبدالواحد بلگرامی (متوفی ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء) نے ''سبع سنابل'' میں بابا فریدؒ کے دو دوہے پنجابی میں لکھے اور پھر اُن کا ترجمہ فارسی میں کیا جس کا ذکر ''بابا فریدؒ بحیثیت عربی، فارسی، اُردو/ ہندوی شاعر'' میں آچکا ہے اور فارسی اشعار بھی درج ہیں۔ سبع سنابل ۹۶۹ھ/۱۵۶۱ء میں لکھی گئی۔ جب شیخ ابراہیمؒ خوردسال (کمسن) تھے۔ وہ پنجابی اشعار درج ذیل ہیں۔

ٹوپی لیندی باوری دینہ کہری نلج
چوہا کڈہ نمانوے چھپے بندھتے چھج
مناں من منائیاں سرمٹی کیا ہوی
کتیٰں بھیڈاں نیاں سرگ نہ لدھی کوی [1]

ان سب باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بابا فریدؒ نے پنجابی میں بھی شاعری کی اور اسے لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لئے استعمال کیا۔ یہ حیرت کی بات نہیں کہ بابا فریدؒ نے پنجابی میں شاعری کی۔ انہوں نے بچپن اور لڑکپن ملتان اور اُس کے نواح میں گزارا، اسی لئے اُن کے پنجابی کلام میں ملتانی پنجابی کا رنگ نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنے ماحول سے تشبیہات اور استعارے اخذ کر کے اشعار میں استعمال کئے۔

جہاں تک لسانی تجزیہ سے یہ بات سامنے آنے کا تعلق ہے۔ کہ شلوکوں کی زبان وہ نہیں جو بابا فریدؒ کے زمانے میں تھی اور یہ کہ ان میں عربی اور فارسی مصادر پائے جاتے ہیں تو یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بابا فریدؒ عربی اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور اُن الفاظ کی پنجابی شاعری میں مستعمل ہونا ناممکن نہیں بلکہ عین فطری امر ہے۔

---

[1] میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۹۹ھ، ص: ۵۸۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مرورزمانہ کی بدولت یہ کلام نسل درنسل زبانی منتقل ہونے سے ان کی زبان میں کچھ ترمیم ہوگئی ہو۔انہیں فارسی رسم الخط سے گورمکھی رسم الخط میں تبدیل کرتے وقت روزمرہ محاورہ کی رو سے جدید کردیا گیا ہولیکن ان سب شلوکوں میں انداز بیان، مضامین اوراسلوب ایک جیسا ہی رہا۔

گروارجن دیو نے جب گرنتھ کی تدوین کی تو اس میں بہت احتیاط برتی۔انہوں نے بابا فریدؒ کے سارے کلام کو گرنتھ میں شامل نہیں کیا نہ ہی ''بھگتوں'' میں سے کسی پورے کلام کو گرنتھ صاحب میں شامل کیا۔

بقول بلونت سنگھ آنند

> ان کا مزاج انتخابی تھا۔ ہوسکتا ہے۔ وہ اس بارے میں تسلی واطمینان چاہتے ہوں کہ جو کلام شامل کیا جائے وہ اُنہی لوگوں کا ہو جن سے منسوب ہے۔ یہاں تک کہ سکھ مذہب کے بانی گرونا نک بابا کے بھی بعض شلوک گرنتھ میں شامل نہیں کئے گئے۔ ''بھگتوں'' میں سے بھی چند کا انتخاب کیا۔ بھگتی تحریک کے کچھ اہم ''بھگتوں''، مثلاً تلسی داس، میرابائی وغیرہ کی تصانیف کو گرنتھ صاحب میں شامل نہیں کیا۔[۱]

گرونانک کی وجہ سے بابا فریدؒ کا پنجابی کلام محفوظ ہوگیا۔ فارسی اورعربی کلام جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کسی ''گرونانک'' کی وجہ سے محفوظ ہوسکتا تھا۔ بابا گرونانک نے صرف پنجابی کلام اس لئے منتخب کیا کہ وہ عوامی بولی میں تھا۔

بقول گربچن سنگھ طالب

> گرونانک کو شیخ فریدؒ کا جو بھی عارفانہ کلام عوامی زبان میں ملا انہوں نے حاصل کیا۔ فارسی وعربی جیسی عالمانہ زبانوں میں جو کچھ انہوں نے لکھا تھا۔ گرونانک کے لئے زیادہ کار آمد نہ تھا کیونکہ وہ دینیات یا فلسفہ کے اصولوں کی تدوین نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اُن کے پیش نظر ایسا مجموعہ مرتب کرنا

۱۔ بلونت سنگھ آنند، بابا فرید، ص:۴۷۔

تھا۔ جوانسانوں کے لئے امن وسکون کا باعث ہو۔گرونانک کے اردگرد کی
دنیا میں نفرت و جہالت، ظلم وتعدی اور تعصب پھیلا ہوا تھا۔ ایسے ماحول میں
عالم انسانیت کو ایک حقیقی مذہب اور پاک دلی کا تصور عطاء کرنے کے لئے
گرونانک نے ان تمام وسائل سے کام لیا جو ان کے ہاتھ آسکے اس مقصد
کے لئے ایسی زبان کا استعمال ضروری تھا۔ جسے عام لوگ سمجھ سکیں۔صوفیوں
اور سنتوں نے علماء کے برعکس ایسی زبان اپنی تعلیمات کے لئے استعمال کی
جسے عوام سمجھ سکتے تھے۔[1]

مزید لکھتے ہیں کہ

شیخ فرید کے کلام کا بابا گرونانک اور اُن کے جانشینوں نے بڑا گہرا
مطالعہ کیا۔ جس کا ثبوت وہ الحاقی اضافے تشریحی حاشیے اور تحسینی
کلمات ہیں جو بطور ضمیمہ شیخ فریدؒ کی بانی کے بعض حصوں پر ان سب لوگوں
نے لکھے۔[2]

اجودھن تہذیبی مراکز سے دور ایک پس ماندہ قصبہ تھا۔ بابا فریدؒ نے اُن اَن پڑھ اور اجڈ لوگوں کی تعلیم و تربیت عام فہم زبان اور میٹھے انداز میں کی اور اُن لوگوں کی روزمرہ زندگی، مشاغل اور مشاہدوں سے حاصل ہونے والے استعارے استعمال کیے۔ وہ ایسے دلنشین انداز میں تلقین کرتے کہ ایک اَن پڑھ اور اجڈ انسان بھی ان کا مفہوم سمجھ جاتا۔ بابا فریدؒ کے اسلوب اور انداز بیان کی اُن کی حیات مبارک میں کئی مثالیں ملتی ہیں جن کا ذکر باب ''بحثیت عالم'' اور باب ''شخصیت و کردار'' میں آچکا ہے۔

بابا فریدؒ کے اس کلام کو مقدس کلام کا درجہ دیا گیا اور بابا گرونانک کے ماننے والے بڑے احترام سے اس کا پاٹھ کرتے ہیں اور احترام کرتے ہیں۔

---

[1] گربچن سنگھ طالب (پروفیسر)، بابا شیخ فرید، ص:۸۱-۸۲۔
[2] گربچن سنگھ طالب (پروفیسر)، بابا شیخ فرید، ص:۸۲۔

بقول بلونت سنگھ آنند

گرو ارجن دیو نے ''گروگرنتھ صاحب'' کی تدوین کے وقت مشہور علماء کا انتخاب کیا مثلاً بھائی گرداس، بھائی سنت رام، بھائی ہریا اور بھائی سکھا۔ ان لوگوں نے ''گربانی'' کا گہرا مطالعہ کیا اس لئے وہ اس میں کسی غلطی کو روا نہ رکھ سکتے تھے۔ گروگرنتھ میں ہر ٹکڑے کے مصنف کا نام صاف صاف لکھا ہے۔ اگر ان شلوک میں سے فرید ثانی کسی کے مصنف ہوتے تو گرو ارجن دیو کے لئے اُن کا نام دینا مشکل نہ تھا۔ وہ خود بھی اعلیٰ پائے کے شاعر اور عالم تھے۔ انہوں نے ہر ممکن موجود ماخذ کا استعمال کیا تا کہ متن کی صحت برقرار رہے اور بانی کے مصنفین کا نام بھی صحیح ہو۔ جب گرو ارجن دیو جیسا عالم ان شلوک کو بابا فریدؒ کا کلام تسلیم کرتا ہے اور لکھتا ہے تو شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ [1]

اکثر تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ فریدؒ کے کلام کی زبان آج کے ملتان کی مقامی بولی سے مشابہت رکھتی ہے۔ جعفر قاسمی، ممتاز دانشور جناب مسعود حسن شہاب کی کتاب ''خطہ پاک اُچ'' (صفحات ۳۷۶-۳۷۷) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

Mr. Shihab is apparently on sure ground between when he says that there is affinity the Multani dialect used by Shaikh Frid and that spoken at precient by the People of Uch, Where the Shaikh Stayed for a while to complete his "Chilla-i-Maakus [2]

یعنی مسٹر شہاب بڑے وثوق سے یہ کہتے ہیں کہ ملتانی بولی جو شیخ فریدؒ نے استعمال کی ہے اور

۱۔ بلونت سنگھ آنند، بابا فرید، ص: ۴۷۔

۲۔ جعفر قاسمی، بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، المعارف مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص: ۴۳۔

اوچ کے عوام کی موجودہ زبان میں بڑی مشابہت ہے جہاں شیخ فرید نے ''چلہ معکوس'' مکمل کرنے کے لئے قیام کیا تھا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ بابا فرید گنج شکرؒ کے سجادہ نشینوں کی فہرست میں شیخ ابراہیمؒ بارھویں سجادہ نشین ہیں اور شیخ ابراہیمؒ (دوم) پندرھویں سجادہ نشین ہیں۔ اس فہرست میں کہیں بھی ان دونوں کے ناموں کے ساتھ ''فرید ثانی'' کا لقب استعمال نہیں ہوا، سوائے گلزار فریدی جو شیخ ابراہیمؒ بن شیخ محمدؒ (جو بارھویں سجادہ نشین ہیں) کے وصال کے ساڑھے تین سو سال بعد پیر محمد حسین چشتی پاکپتنی نے ۱۳۰۱ھ میں تالیف کی۔ اس میں انہوں نے شیخ ابراہیمؒ کو شاہ برہم، شیخ برہم اور ثانی فرید کے القابات سے نوازا [۱]

---

۱ پیر محمد اجمل چشتی جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد سے ہیں۔ اُن کے بقول صاحب ''گلزار فریدی'' پیر محمد حسین چشتی پاکپتنی نے یہ القابات بطور خراج تحسین جناب شیخ ابراہیمؒ کے لئے تحریر کئے اور ایک مخصوص گروہ نے بلاتحقیق اس سے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یہ کلام بابا فریدؒ کی بجائے شیخ ابراہیمؒ (فرید ثانی) کا ہے۔ اس گروہ کا مقصد اپنے مخصوص مقاصد کا حصول ہے تا کہ بابا نانک کے پیروکار جو بابا فریدؒ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں، وہ شکوک وشبہات کا شکار ہو جائیں۔

اپنی بات کی مزید وضاحت انہوں نے ان الفاظ میں کی۔

بعض تذکرہ نویسوں اور ناقدین نے شیخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے کلام کو اُن کے بارہویں سجادہ نشین شیخ ابراہیمؒ (تاریخ وفات یکم ماہ رجب ۹۵۹ھ) سے منسوب کیا ہے اور اُن کا لقب بلاتحقیق ''فرید ثانی'' تحریر کیا ہے جو بوجوہاتِ ذیل تاریخ ملفوظات سے روگردانی کے مترادف ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے سجادہ نشین نصیر الدین شیخ محمدؒ تاریخ وفات ۵صفر ۱۰۸۳ھ، حضرت شیخ ابراہیم کے پڑپوتے تھے۔ اُن کی فرمائش پر مولانا اصغر علی چشتی بدایونی نے پاکپتن شریف میں عرصہ قیام میں ایک کتاب موسومہ ''جواہر فریدی'' ۱۰۳۳ھ میں مرتب کی جس میں حضرت بابا صاحبؒ کی سوانح حیات کے علاوہ اُن کی اولاد امجاد کے مساکن وانساب اور سجادہ نشینان کرام کے حالات وواقعات والقابات بشرح و تفصیل موجود ہیں اور جواہر فریدی خانوادہ فریدیہ میں مقبول ترین کتاب ہے۔ اس کتاب کے بعض نسخوں میں حضرت شیخ ابراہیم کا لقب ''بالا ربہ'' ہے، فرید ثانی نہیں ہے۔ اگر اُن کا لقب فرید ثانی ہوتا تو اُن کے پڑپوتے شیخ محمد اور صاحب جواہر فریدی اُسے کبھی حذف نہ کرتے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بابا فرید گنج شکرؒ کا شاعر ہونا سیر الاولیاء جیسے مستند حوالے سے ثابت ہے۔ سیر الاولیاء، جواہر فریدی، جواہر خمسہ، شمائل الاتقیاء، [1] جو شیخ ابراہیمؒ کی پیدائش سے پہلے لکھی گئیں، سے بھی ثابت ہے اور شیخ ابراہیمؒ کی خورد سالی کے وقت کی لکھی گئی کتاب ''سبع سنابل'' میں بھی بابا فریدؒ کے اشعار ملتے ہیں لیکن شیخ ابراہیمؒ کا بحثیت شاعر تذکرہ کہیں نہیں ملتا سوائے گلزار فریدی کے اس جملے ''کلام آپ کی اور کلام بابا فرید صاحب...''

بقول پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شیخ ابراہیمؒ شاعر نہیں تھے۔ اُن سے صرف ایک ''نصیحت نامہ'' منسوب کیا جاتا ہے جبکہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی حیات مبارک میں کئی ایسی مثالیں ہیں جن میں اُنہیں اُن کے مرشد، دوست، ہمعصر اور خلفاء ''فرید'' کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔ مثلاً بختیار کاکیؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ آپ کو ''بابا فرید'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ [2] بدر الدین غزنویؒ نے بابا فریدؒ کے نام خط میں لکھے گئے اشعار میں آپ کو اس طرح مخاطب کیا۔

فرید الدین وملت یار زیرک، کہ مدحش در کرامت زندگانی
دریغا خاطرم کہ جمع داری، بمدحش کردمے کوہر فشانی [3]

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) گرونانک صاحب حضرت شیخ ابراہیمؒ کے ہم عصر تھے اور اُن سے دوستانہ راہ ورسم رکھتے تھے۔ اس نشست و برخاست کے دوران انہوں نے شیخ ابراہیمؒ کے مخزونہ کتب سے اُن کی اجازت سے اپنی کتاب کی زینت اوراق کے لئے حضرت بابا صاحبؒ کا کلام حاصل کر کے محفوظ کر لیا تھا جو پنجابی زبان کا اولین شاہکار ہے۔

۱۔ ان کتابوں کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

۲۔ اللہ دیا چشتی، سیر الاقطاب، ص:۱۶۴۔

پیر محمد حسین ''گلزار فریدی (اُردو) شیخ الٰہی بخش، جلال الدین اینڈ سنز لاہور، ۱۳۰۱ھ، ص:۳۰۔

۳۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۲ء، ص:۹۴۹۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد (فارسی)، ص:۱۵۰۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ آپ کو اس طرح یاد فرماتے

پیر ما پیر ست مولانا فرید
ہیچو او در خلق مولانا فرید [1]

خان خاناں بیرم خان نے آپ کو مندرجہ ذیل اشعار میں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا اور آپ کو شیخ فرید کے لقب سے مخاطب کیا۔

کان نمک و گنج شکر شیخ فرید
گر گنج شکر کان نمک گردید
در کان نمک کر نظر گشت شکر
شیریں تر ازیں کرامتے کس شنید [2]

میر خورد کرمانی نے سیر الاولیاء میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز... [3]

میر خورد کرمانی سیر الاولیاء میں کسی بزرگ کا بابا فریدؒ کی شان میں لکھے گئے قصیدے کے اشعار کا ذکر کرتے ہیں جن میں بابا فریدؒ کو فرید لقب سے مخاطب کیا گیا۔ شعر درج ذیل ہے۔

اَلْبَدْرُ یَطْلَعُ مِنْ فَرِیْدِ جَبِیْنِهِ
وَالشَّمْسُ تَغْرُبُ فِیْ شَقَائِقِ خَدِّهِ
مَلِکُ الْجَمَالِ بِاَسْرِهِ فَکَاَنَّمَا
حُسْنُ الْبَرِیَّةِ کُلِّهَا مِنْ عِنْدِهِ [4]

بابا فریدؒ کی پیشانی سے چودہویں کا چاند نمودار ہوتا ہے۔ اور آپ کے چہرے کی

---

[1] میر عبد الواحد بلگرامی، سبع سنابل، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۹۹ھ، ص: ۵۷
[2] شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مجتبائی پریس، دہلی، ۱۳۰۹ھ، ص: ۵۲-۵۳،
شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار (اردو)، مترجم سبحان محمود، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۶۸ء، ص: ۱۲۰
[3] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۶۸۔
[4] میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ص: ۶۸۔

سرخی میں سورج غروب ہوتا ہے۔وہ حسن کے بادشاہ ہیں۔ساری کائنات اُن
سے حسن حاصل کرتی ہے۔

غرض یہ کہ بابا فریدؒ کو فریدؒ کے لقب سے متعدد جگہوں پر مخاطب کیا گیا جو قدیم ترین مآخذوں سے ثابت ہے۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ صاحب گلزار فریدی کے رقم شدہ لقب ''فرید ثانی'' کو بنیاد بنانے والے اگر اُن کے پاس اس کے علاوہ بھی کوئی اور مستند حوالہ ہوتا جو شیخ ابراہیمؒ کے زمانے کے قریب ترین ہوتا تو وہ اُس کا حوالہ دیتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر گلزاری فریدی کے حوالے ''فرید ثانی'' کو مان بھی لیا جائے تو اُس میں یہ ہرگز درج نہیں کہ وہ کلام شیخ ابراہیمؒ (فرید ثانی) کا ہے بلکہ ''گلزار فریدی (اُردو)'' ص:۹۳ میں درج ہے کہ

> ''بابا نانک صاحب نے عرض کی ہم نے ایک کتاب تلقین کے واسطے جمع کر کے
> خدمت آپ کی میں لایا ہوں کہ کلام آپ کی اور کلام بابا فرید صاحب کی
> حسب الارشاد آپ کے۔کتاب موصوف میں پہلے درج کی جاوے''۔ [۱]

سب سے بڑھ کر اگر یہ طے ہے کہ شیخ ابراہیمؒ کا لقب فرید ثانی تھا ہی نہیں تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان اشعار میں استعمال ہونے والا تخلص ''فرید'' بابا فرید گنج شکرؒ کا ہے اور یہ کلام بھی آپ ہی کا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بابا فرید گنج شکرؒ کا کلام اور دیگر متبرکات اور اشیاء نسل در نسل شیخ ابراہیمؒ تک پہنچیں اور بابا نانک نے شیخ ابراہیمؒ سے ملاقات کے بعد اُن کے پنجابی کلام کو اپنی کتاب میں شامل کرنے کی اجازت چاہی۔بابا فریدؒ کا فارسی اور دیگر زبانوں کا کلام بابا نانک کو مطلوب نہیں تھا،اس لئے آج وہ ہمارے سامنے محفوظ شکل میں نہیں۔

بابا فریدؒ کے کلام کے مضامین، استعارے اور تشبیہات (جن کا ذکر اگلی فصل میں آئے گا)

۱۔ پیر محمد حسین چشتی،گلزار فریدی (اُردو)،مطبع محمدی،لاہور،ص:۹۳۔

اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بابا فریدؒ کے ذاتی تجربات کا نچوڑ اور اُن کی حیات مبارک سے وابستہ واقعات کے متعلق ہیں۔

بابا نانک کے ساتھ ساتھ ہمیں شیخ ابراہیمؒ کا بھی ممنون ہونا چاہیے کہ اُن کی وجہ سے اور ان کے ذریعہ بابا فریدؒ کا پنجابی کلام ہمیں محفوظ شکل میں ملا۔

آج سکھ مذہب کے پیروکار بابا فرید کے کلام کو اُسی احترام سے پڑھتے اور مقدس مانتے ہیں جس طرح اپنے گرو صاحبان کے کلام کو۔ بقول گربچن سنگھ۔

> ہر لفظ جو گرنتھ صاحب میں شامل ہے۔ چاہے وہ کہیں سے بھی اخذ کیا گیا ہو گرو کے فرمان کے مطابق یکساں تقدس کا حامل ہے اور اُس کا احترام لازمی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ کبیر، روی داس، نام دیو، فرید یا کسی بھی درویش کی مناجات جب پڑھی یا گا ئی جاتی ہیں تو اس وقت کوئی بھی سکھ اُس مقام سے بلند مقام پر نہیں بیٹھ سکتا جہاں وہ پڑھی یا گائی جا رہی ہو۔ [1]

اس وقت کے بھارتی پارلیمنٹ کے رُکن بھائی شمندر سنگھ نے آٹھ سو سالہ جشن ولادت عالمی کانفرنس کے موقع پر کہا کہ

> ہمارے گھروں میں شادی ہوتی ہے یا بچہ جنم لیتا ہے۔ ہر خوشی و غم کے موقع پر ہم گروگرنتھ کے سامنے ماتھا ٹیکتے ہیں، پاٹھ کرواتے ہیں تو یہ ماتھا کس کے آگے ٹیکتے ہیں؟ بابا فرید کے آگے۔ اُن کے شلوکوں کے آگے۔ دُکھ سُکھ کے وقت انہیں گرو مانتے ہیں کیونکہ اُن کا کلام گروگرنتھ صاحب میں موجود ہے۔ [2]

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بابا گرو نانک جو شیخ ابراہیمؒ کے ہمعصر تھے اور اُن کی شیخ ابراہیمؒ سے ملاقات بھی ثابت ہے۔ اگر یہ کلام شیخ ابراہیمؒ (فرید ثانی) کا ہوتا تو بابا گرو نانک، بابا فریدؒ کے نام کے بجائے ''فرید ثانی'' لکھتے کیونکہ یہ دعویٰ کرنے والے کہ یہ کلام بابا فریدؒ کا نہیں بلکہ شیخ ابراہیم فرید ثانی کا

---

[1] گربچن سنگھ طالب (پروفیسر)، بابا شیخ فرید، ص:۷۹–۸۰۔

[2] آٹھ سو سالہ جشن ولادت بابا فرید گنج شکرؒ عالمی کانفرنس، مقالہ نگار، بھائی شمندر سنگھ، ص:۱۹۱۔

ہے۔اسم ''فرید ثانی'' استعمال کرتے ہیں صرف ''فرید'' نہیں جس سے کہ یہ مغالطہ ہو سکے اس سے مراد شیخ ابراہیم فرید ثانی ہیں۔

ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام بغیر کسی شک وشبہ کے بابا فرید گنج شکرؒ کا ہے۔

فصل سوم:

موضوعاتِ کلامِ بابا فریدؒ

بابا فریدؒ اس خطے کے سب سے پہلے صوفی شاعر ہیں ۔آپ کی شاعری صوفیانہ عقائد لئے ہوئے ہے کیونکہ بابا فریدؒ کے مخاطب عموماً عوام الناس تھے اس لئے آپ نے عام فہم زبان میں تصوف کے لطیف اور باریک تصورات بیان کئے ۔انہوں نے دیہاتی روزمرہ زندگی سے استعارے اور تشبیہات لئے۔ بابا فریدؒ کے اشعار میں سماجی علامتوں اور پنجاب کے دیہاتی ماحول اور اردگرد کی اشیاء کا حوالہ ملتا ہے۔
بقول شریف کنجاہی

> استعاروں میں یوں باتیں کرنا پنجابی زبان کی روایت ہے۔آج بھی اسے ہم شہروں سے دور رہنے والے دیہاتیوں کا روزمرہ کہہ سکتے ہیں اور وہ لوگ بڑی بے تکلفی سے اسے برتتے ہیں۔جس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور اس پر کوئی افتاد آ جائے تو ہمدردی کے طور پر لوگ یہی کہتے سنے جاتے ہیں کہ ''اوس دانکا نکا وکھر اے''یعنی اس کی کھیتی کی اُگان ابھی چھوٹی چھوٹی ہے۔جسے دیکھ بھال کرنے والے کی ابھی ضرورت ہے۔[1]

بابا فریدؒ صاحب شریعت وطریقت تھے۔اُن کی شاعری میں شریعت وطریقت دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ایک طرف وہ عبادات، نماز وغیرہ کی اہمیت کا ذکر کرتے ہیں تو دوسری طرف عشق الٰہی، وصل الی اللہ اور دُنیا کی عدم ثباتی کا تذکرہ بار بار ملتا ہے۔
بابا فریدؒ کی شاعری اُن کے روحانی تجربات کا نچوڑ ہے۔اُن کی شاعری زہد وتقوی اور مجاہدہ وریاضت کے تجربات واحساسات لئے ہوئے ہے۔موت کی حقیقت کو مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] شریف کنجاہی، کہے فرید، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص:۹۔

بقول خلیق نظامی مرحوم

ان شلوکوں کا محور محبت الٰہی، باطنی زندگی کی تطہیر، روحانی ترقی کے لئے ریاضت ومجاہدہ کی قدر و قیمت ، انسانی زندگی کی فنائیت اور اسی قسم کے موضوعات ہیں ۔ موثر تشبیہات، استعارے جو کہ اردگرد کے ماحول سے لئے گئے ہیں ۔شلوکوں کو مزید موثر بنا دیتے ہیں ۔ وہ ایسے دل کا ابال معلوم ہوتے ہیں جو محبت الٰہی سے چھلک رہا ہو ان میں روحانی نظم وضبط کے زاہدانہ پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ [1]

شریف کنجاہی بابا فریدؒ کے اس شعر

فریدا روٹی میری کاٹھ دی لاون میری بھکھ
جینہاں کھادی چوپڑی، گھنے سہن گے دکھ

میں '' کاٹھ کی روٹی '' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خوش عقیدہ لوگوں نے یہ مراد لے لیا ہے کہ آپ جب ریاضت کرتے تو بھوک کے غلبے کو مٹانے کے لئے لکڑی کی اُس روٹی کو دانتوں سے چبایا کرتے۔

جب کہ بات یہ ہے کہ کاٹھ کی روٹی یہاں استعارہ کے طور پر آئی ہے۔اس سے مراد وہ پھل، پھول اور پتے ہیں جو درختوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ [2]

بابا فریدؒ ان مضامین کے بیان کے لئے انسان کی سماجی زندگی سے تشبیہات اور استعارے لیتے ہیں ۔مثلاً وہ موت کو دولہا اور روح کو دلہن قرار دیتے ہیں موت ایسا دولہا ہے جو روح کو دلہن کے روپ میں بیاہنے آتا ہے۔

وہ سرمہ لگی آنکھوں، جھیلوں اور تالابوں، کشتیوں ، دریاؤں، کیکر کے درختوں، جھونپڑوں، بجور کے انگوروں، کھجوروں، شہد اور مٹھائی کی امثال پیش کرتے ہیں۔

زندگی کو وہ پانی کے خوبصورت گھڑے سے تشبیہہ دیتے ہیں اور گھڑا جس سے بندھا ہوا ہے وہ

---

1. خلیق احمد نظامی، احوال وآثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ مترجم، قاضی محمد حفیظ اللہ، ص:۲۳۹۔

2. شریف کنجاہی، کہے فرید، لوک ورثہ اشاعت گھر ، اسلام آباد، اشاعت دوم،۱۹۸۶ء، ص:۸-۹۔

زندگی کی سانس ہے۔دُنیا کو خوبصورت باغ قرار دیتے ہیں۔

وہ لوگ جو باجماعت نماز ادا نہیں کرتے اُنہیں کتا قرار دیتے ہیں یعنی کتے کی زندگی اور اُن بے نمازیوں کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔وہ اس شادی شدہ عورت کی بھی بات کرتے ہیں جس کے اوپر دنیاوی افکار کا بوجھ ہے۔

عشق حقیقی بیان کرنے کے لئے عشق مجازی کی علامات استعمال کرتے ہیں۔ان کے کلام میں کوئل جورات کو کوکتی ہے اور محبوب کی جُدائی میں کالی ہوگئی ہے۔وہ اپنے چغہ اور لبادے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لوگ اس کی وجہ سے انہیں درویش سمجھتے ہیں۔وہ اس عمامہ کو حقیر سمجھتے ہیں جو گندہ ہو جائے گا اور وہ سر ذلیل ہے جو خاک میں مل جائے گا۔

ان کے کلام میں لوہار، کوئلے، نمک، ایندھن کی لکڑی، آٹا، سوکھی روٹی، چپڑی روٹی، لکڑی کی روٹی، بزم اور کھر دری چارپائی اور درویشی لباس کا ذکر ملتا ہے۔

وہ رئیسوں کے ڈھول، نقاروں وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں جو جلد ہی یتیموں کی طرح زمین میں گاڑ دیے جائیں گے۔

ان کے کلام میں ازدواجی زندگی کے حوالے بھی ملتے ہیں۔جن سے مراد محبوب حقیقی ہے۔وہ موسلا دھار بارشوں اور درختوں کے پتے گرنے کا ذکر کرتے ہیں اور موسموں کے تغیر کو بیان کرتے ہیں۔

کہیں وہ موت کو شکرے (باز) سے اور روح کو ہنس سے تشبیہہ دیتے ہیں۔وہ اس ہنس کی بات کرتے ہیں جو جھیل پر اترتا ہے اور جسے باز جھپٹ لیتا ہے۔ان چڑیوں کا ذکر کرتے ہیں جو جھیل کے کنارے گھر بناتی ہیں۔پھر اُڑ جاتی ہیں۔

آخرت کے حوالے سے سزا کا ذکر کرتے ہوئے وہ دربار میں لگے گھنٹہ جس پر لوگ ضرب لگاتے ہیں اور روٹی، کاغذ اور کوئلے کی مثالیں دیتے ہیں۔

کہیں وہ موت کو ایک ایسا فاتح قرار دیتے ہیں جو جسم کے قلعے کو مسمار کر دیتا ہے۔جسم کو اپنے زانوں تلے دبا کر اُس سے روح چھین لیتا ہے۔انہوں نے موت کے فرشتے کے لئے **ملک** (بادشاہ)

جسم کے لئے قلعہ اور آنکھوں کے لئے چراغ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

بابا فریدؒ موت کے اچانک نمودار ہونے کو ایک ایسے باز سے تشبیہ دیتے ہیں جو دریا کے کنارے بے خبر سارس پر جھپٹ پڑتا ہے۔ موت کے بعد ملنے والی سزا کا ذکر جب کرتے ہیں تو موت کو ایسا دریا قرار دیتے ہیں جو سیلاب کی شکل میں اپنے کناروں کو بہالے جاتا ہے اور پھر اس کے بعد بھڑکتی ہوئی دوزخ اور گناہ گاروں کی آہ وزاری ہے۔

بقول ڈاکٹر منظور ممتاز

> بابا فریدؒ کے شلوکوں میں موت کا ذکر اس کثرت سے اور ایسے دردناک انداز میں آیا ہے کہ قاری موت کو اپنے اردگرد منڈلاتا ہوا محسوس کرتا ہے۔[۱]

بابا فریدؒ کے اشعار میں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ موت جابر سے جابر انسان پر بھی حاوی ہے۔

بابا فریدؒ کی شاعری میں فرشتوں، شیطان اور انسان سب کا ذکر ملتا ہے۔ شیطان جو انسان کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ جو لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہیں وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ فرشتوں میں وہ موت کے فرشتے کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ کہیں عقاب کی شکل میں، کہیں سیلاب کی شکل میں اور کہیں دولہا وغیرہ کی شکل میں۔

موت کا تذکرہ اور اس دُنیا کی عدم ثباتی کا بیان بار بار اس لئے کرتے ہیں کہ انسان غافل نہ رہے دُنیا میں گم ہو کر اصل منزل کو بھول نہ جائے۔ اپنے انجام کو نظر میں رکھ کر ہر قدم اُٹھائے۔

اُن کے اشعار میں ایسی روحوں کا ذکر بھی ہے جو قبروں میں روز قیامت کا انتظار کر رہی ہیں۔ جب سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور اپنے اعمال کے مطابق صلہ پاتے ہوئے جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ حویلیاں اور محل سب ویران اور خالی ہو جائیں گے اور سب زمیں کے اندر سو

---

۱ منظور ممتاز (ڈاکٹر)، پیام گنج شکر، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص:۳۲۔

جائیں گے اور بے چاری روحیں لمبے عرصے تک قیامت کے دن کا انتظار کریں گی۔ اس لئے اے شیخ! خو دکو اللہ تعالیٰ پر قربان کردے اور عبادت میں مصروف ہو جاؤ۔ شاید آج یا پھر کل تمہاری بھی آخری سانس ہو۔

بابا فریدؒ انسان کی زندگی کے سفر کی منظر کشی گھریلو تشبیہ سے اس طرح دیتے ہیں کہ لمبی رسی سے بندھا ہوا خوبصورت گھڑا جسے رسی کے ذریعے کنوئیں سے کھینچا جاتا ہے۔

گھڑا خوبصورت جسم ہے۔ لمبی رسی انسانی نفس کی زنجیر ہے۔ جب موت کا فرشتہ آتا ہے تو یہ زنجیر ٹوٹ جاتی ہے اور گھڑا چکنا چور ہو جاتا ہے۔

''راگ آسا'' میں بابا فریدؒ بندے اور اللہ کے رشتے کو خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جن کا دل اللہ کے عشق میں ڈوبا ہے وہی سچے ہیں اور جن کا ظاہر اور، اور باطن اور ہے۔ وہ جھوٹے اور بے وفا ہیں۔

سچے، خدا کی محبت میں ڈوبے رہتے ہیں اور یہ احساس ان پر وجد طاری کرتا ہے جبکہ جو اللہ سے دور ہیں، وہ اس دنیا پر بوجھ ہیں۔ آخر میں کہتے ہیں کہ میں ان قدموں کو سجدہ کرتا ہوں جنہوں نے تجھے حاصل کیا۔ تو ہی ہم سب کو بخشنے والا ہے۔ شیخ فرید کو اپنے عشق کی بھیک دے۔

وہ خدمت خلق کے جذبات رکھتے تھے اور اس عمل میں بھی اپنے رب کی رضا اور اُس کا وصل پاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اللہ دل میں بستا ہے۔ اسے جنگلوں، ویرانوں میں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ترک دُنیا سے مراد دُنیاوی چیزوں اور گناہ گارانہ طرز حیات سے پرہیز لیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک سکون حاصل کرنے کے لئے دل کو پاک کرنا چاہیے۔ نفس کی پاکیزگی اللہ کے وصل کا باعث بنتی ہے اور پھر ساری دُنیا اُس انسان کے قدموں میں ہوتی ہے۔ شلوک ۱۰۱ میں وہ کہتے ہیں کہ خدا کے محبوب بندے ان پرندوں کی طرح ہوتے ہیں جو ویرانوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور سنگریزوں میں سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں لیکن اللہ سے منہ نہیں موڑتے۔

شلوک (۶۴،۶۵،۶۶) میں ان محبوب بندوں کو ایسی ہنسی سے تشبیہہ دی ہے جو اس دُنیا کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو چھونا بھی گوارا نہیں کرتی یعنی بے نیاز ہوتی ہے۔

شلوک ۱۲۹ اور ۱۳۰ میں انسان دوستی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

اک پھکا نہ گالائیں، سبھنا میں سچا دھنی
ھیاؤ نہ کہیں ٹھائیں، مانک سبھ مولوین

یعنی روکھی بات کسی سے نہ کرنا اس لئے سب انسانوں کے دلوں میں سچا رب بستا ہے۔ جو بے نیاز ہے کسی کا دل مت دکھانا۔ دل کے موتی سب انمول ہوتے ہیں۔

سبھنا من مانک، ٹھاھن مول مچانگوا!
جے تو پرِ یادِی سِک، ہیاؤ نہ ٹھاہیں کہیں دا

دل تو سب کے موتی ہوتے ہیں۔ اس لئے ہرگز مت توڑنا یا انہیں ٹھیس پہنچانا اچھا نہیں ہے۔ اگر تجھے محبوب کے ملنے کی آرزو ہے تو پھر دوسروں کا دل کبھی نہ توڑنا۔

یہاں بھی محبوب سے مراد محبوب حقیقی ہے۔ ایک اور جگہ محبوب حقیقی (اللہ) کے وصل کی خواہش میں فرماتے ہیں۔

تن تپے تنور جیوں، بالن ہڈ بلن !
پیریں تھکاں سر جلاں جے موں پری ملن

یعنی تن تنور کی طرح تپتا رہے اور ہڈیاں بالن کی طرح جلتی رہیں اور پاؤں تھک جائیں، سر اُلٹا کر کے (سر کے بل) چلوں اگر مجھے محبوب (اللہ) ملے۔

ایک جگہ صبر کو بہترین اسلحہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

صبر منجھ کمان اے، صبر کا نیھنوں
صبر سندا بان، خالق خطا نہ کروں

یعنی صبر ہی میری کمان ہے صبر ہی میرا چلہ اور صبر ہی اس کا تیر ہے۔
اللہ کرے میرا نشانہ خطا نہ ہو۔

اسی طرح شلوک نمبر ۲۳ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کا ذکر کرتے ہوئے اور پر حکمت بات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

فریدا لوڑے داکھ بجوریاں کِکر بیجے جٹ
ہنڈے اُن کتائیدا، پیدھا لوڑے پٹ

ترجمہ: عجب جاٹ ہے کاشت تو کرتا ہے کیکر کے درخت مگر پھل کے موسم میں اعلیٰ قسم کا باجوڑی انگور مانگتا ہے تمام عمر تو اون کاتتے گزار دیتا ہے۔ مگر پہنتے وقت ریشم کی خواہش کرنے لگتا ہے۔

اس سے مراد اچھے عمل کا اچھا صلہ ملے گا اور برے کا برا یعنی جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

شلوک ۶۰ میں ان اللہ والوں کا ذکر ہے۔ جو ان درختوں کی طرح صابر و شاکر ہیں جو خاموشی سے اپنے آپ کو کلہاڑے کے حوالے کر دیتے ہیں۔

عبادات کا ذکر کرتے ہوئے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔ اے فرید! اُٹھ وضو کر اور فجر ادا کر جو سر سائیں (اللہ) کے سامنے نہ جھکے اُسے تلوار سے کاٹ ڈالنا چاہیے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ جو سر اللہ کے سامنے نہ جھکے اسے ہانڈی کے نیچے ایندھن کی جگہ جلا دیا جائے۔

رات کی عبادت کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا۔ رات کو کستوری بٹتی ہے۔ سونے والوں کو حصہ نہیں ملتا جن کی آنکھیں نیند بھری ہوں انہیں کس طرح حصہ مل سکتا ہے۔ ایک اور جگہ نفس امارہ کے مطالبات کو کتے کی طرح بھونکنے سے تشبیہ دیتے ہیں۔

بابا فریدؒ نے عشق الٰہی کا بار بار تذکرہ کر کے انسان کی زندگی میں اُمید کی کرن رکھی ہے۔ ایک طرف وہ زہد و ریاضت کا ذکر کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ اللہ کی مخلوق کا سکھ دکھ میں ساتھ دینے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ اللہ کی محبت میں اُس کی مخلوق سے بھی پیار کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی بھی دکھی انسانیت

کے دکھوں پر مرہم رکھنے اور اُن کے مسائل سننے اور حل کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت میں گزری۔

اُن کی شاعری اُن کی زندگی کے واقعات اور ذاتی تجربات سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اسلامی طرزِ حیات اور صوفیت کے یکساں مبلّغ ہیں۔

انہیں شریعت وصوفیت کی انتہائی منزلوں میں کسی قسم کا فرق نظر نہیں آتا تھا۔ اُن کے خیال میں شریعت اور روحانی تجربات ایک ہی حقیقت کے دوسرے ہیں ایک نقطۂ آغاز ہے تو دوسرا نقطۂ انتہاء۔ اگر طریقت عشق ہے تو شریعت طریقِ حیات ہے۔[1]

بابا فریدؒ کی شاعری اُن کے دلی جذبات کی ترجمان ہے۔ اور فطرت کے بہت قریب ہے۔

بابا فریدؒ نے اللہ تعالیٰ کے عشق کی مٹھاس کا ذائقہ چکھا اور اُسے شاعری کا روپ اس طرح دیا۔

مٹھائی میٹھی ہے۔
اور شکر اور شہد اور بھینس کا دودھ بھی میٹھا ہے۔
ہاں یہ سب چیزیں میٹھی ہیں۔
لیکن ان سے کہیں زیادہ میٹھی
اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وہ خود بھی ''گنج شکر'' یعنی مٹھاس کا خزانہ تھے۔ اُن کی اعلیٰ اخلاقی خوبیوں اور عشقِ الٰہی نے اُنہیں ''گنج شکر'' بنادیا اس طرح وہ عرفانِ ذات اور عرفانِ الٰہی کے تجربے سے روشناس ہوئے۔

بابا فریدؒ نے اُس مٹھاس کا موازنہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور تصور میں ڈوبنے سے حاصل ہوتی ہے، شہد اور پکی ہوئی کھجور سے کیا ہے۔ حقیقت میں وہ اس روحانی مسرت کا موازنہ دنیا کی عارضی لذتوں اور مسرتوں سے کرتے ہیں۔ دُنیا کی عارضی مسرتیں ہر گزرے دن کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے عشق میں مستغرق ہونے سے جو روحانی خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے ہوتی

---

[1] بلونت سنگھ آنند، بابا فرید، ص:۵۱۔

ہے۔اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔

جب وہ ایک دریا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تُو اپنے کناروں کی حد نہ توڑ کیونکہ تجھے بھی اپنا حساب اپنے رب کے سامنے دینا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق ہے۔ اُس کی مقرر کردہ حدود سے جو بھی تجاوز کرنے کی کوشش کرے گا۔اللہ تعالیٰ اُس کا مواخذہ کرے گا۔

اسی شعر میں وہ دریا سے کہتے ہیں اپنی حدود میں جاری رہ جیسا کہ اُس اللہ کی رضا ہے۔یعنی اُس کی رضا میں راضی ہو۔بابا فریدؒ کی شاعری میں فرشتوں، شیطان اور انسان سب کا ذکر ملتا ہے۔

اُن کی شاعری سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ معلم اخلاق بھی تھے۔انہوں نے اپنی شاعری میں اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے اور لا محدود ہے۔

بابا فریدؒ اپنے اشعار میں اخلاقی اقدار کی تعلیم دیتے ہوئے۔صبر، برداشت، تحمل اور عفو و درگزر کی تلقین بھی کرتے ہیں۔[1]

وہ یہ نصیحت اس طرح کرتے ہیں کہ

فرید بدی کے بدلے میں نیکی کرو
اپنے دل کو غصے سے مت ڈھانپو
اس طرح تم تکلیف سے بچ جاؤ گے
اور تمہیں سب کچھ مل جائے گا

دوسری جگہ وہ روکھی سوکھی روٹی کھانے اور ٹھنڈا پانی پینے کا کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دوسروں کی چپڑی ہوئی روٹی دیکھ کر نہ للچاؤ۔اس طرح وہ قناعت کا درس دیتے ہیں۔

لالچ اور ہوس میں ڈوبے پیار کی تشبیہہ وہ ٹپکتی ہوئی خستہ جھونپڑی سے دیتے ہیں، جو پائیدار نہیں۔

---

[1] صبر کے بارے میں چند اشعار کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

فرماتے ہیں:

جہاں ہوس ہے وہاں محبت بھلا کیا ہوسکتی ہے۔
آخر تم کتنی دیر تک ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی میں ٹھہر سکتے ہو
جبکہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔

اس سے مراد اس عارضی دُنیا کی لالچ دل میں رکھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرنا بھی مراد ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

انسان کو ایک اور حقیقت کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس خاک اور مٹی کو حقیر نہ جانو آج جب ہم زندہ ہیں تو یہ ہمارے قدموں کے نیچے ہے لیکن کل جب ہم مردہ ہوں گے تو یہ ہمارے اُوپر ہوگی۔

اتنی خوبصورت بات اور اٹل حقیقت کا احساس بابا فرید گنج شکرؒ جیسا حساس اور حقیقت پسند انسان ہی کر سکتا ہے۔

شلوک ۱۲۸ میں وہ ایک درویش کی صفات یوں بیان کرتے ہیں کہ ایسے کچھ ہی ولی اللہ ہیں، جو دانش مند ہونے کے باوجود سادہ مزاج ہیں۔ جو طاقتور ہوتے ہوئے بھی کمزور ہیں۔ افلاس کے باوجود جو بھی اُن کے پاس ہے، اُسے تقسیم کر دیتے ہیں۔

اس میں یہ صفات بیان ہوئی ہیں کہ ایک درویش اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کرتا نہ ہی اپنی دانائی پر غرور کرتا ہے۔ جو کچھ بھی اُس کے پاس موجود ہوتا ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے۔ بابا فریدؒ کی یہ ہی روش رہی کہ جو فتوح بھی آتیں اُسی دن تقسیم کر دیتے۔ گھر والے اور خود فاقے کاٹتے اور افطاری کے لئے بھی سامان نہ ہوتا۔ تب بھی کل کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھتے اور توکّل علی اللہ پر رہتے۔ یہی درویش اور ولی اللہ کی صفات ہیں۔

بابا فریدؒ نے جو کہا اُس پر عمل کیا اُن کی تعلیمات وارشادات اور کلام اُن کے عمل کے منافی نہیں تھے بلکہ اُن کی عملی زندگی کا پرتو ہیں۔

بابا فریدؒ نے انسانی رشتوں سے بھی تشبیہات اور استعارے اخذ کئے ہیں۔
انکسار، تحمل اور اخلاق کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

اے بہن! انکسار ہی وہ لفظ، تحمل ہی وہ خوبی اور اخلاق ہی وہ جادو ہے
جس کا لباس پہننے سے تمہارا خاوند تمہارے قبضے میں آجائے گا۔

دُنیا کی عدم ثباتی کا احساس دلانے کے لئے بہت خوبصورت انداز میں دُنیا کو گلشن جمال یعنی خوبصورت باغ سے تشبیہ دیتے ہیں اور روح کو چڑیا سے۔ فرماتے ہیں

دنیا کے خوبصورت باغ میں چڑیا
محض ایک مہمان ہے
جب صبح کا گھنٹہ بجے تو
اڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ

جیسے دنیا ایک سرائے ہے جہاں مسافر ایک رات کے لئے رُکا اور صبح کا گھنٹہ بجتے ہی اُس نے سرائے چھوڑنی ہے اور اُسے روانہ ہونا ہے۔ دُنیا کتنی بھی خوبصورت ہو کسی کو اس سے دل نہیں لگانا چاہیے کیونکہ یہ عارضی اور فناء ہونے والی ہے۔

اسی طرح ایک اور شعر میں دُنیا کی ناپائیداری کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اے فرید! تمہارے ماں باپ کہاں ہیں
جن کی تم اولاد ہو
تم سے پہلے وہ گزر گئے لیکن
تمہیں پھر بھی یقین نہیں ہے

ایک اور شعر میں انسان کی گھٹتی ہوئی عمر اور بڑھاپے کا احساس دلاتے ہیں اور یہ حقیقت بتاتے ہیں کہ انسان سو سال بھی جیئے تو آخر ایک دن اُس نے دُنیا سے جانا ہے۔

بڈھا ہویا شیخ فرید، کنبن لگی دیہہ

جے سو ورھیاں جیونا، بھی تن ہوسی کھیہہ

یعنی شیخ فرید بوڑھا ہوگیا اور اُس کا جسم کانپنے لگا ہے۔ اگر سو برس بھی جیئے گا تو بھی جسم کو مٹی بن جانا ہے۔
اسی طرح اس شعر میں اسی قسم کا احساس ہے۔

چبن، چلن، رتن سے، سنیئر بھی گئے

ہیڑ ے متی دھاہ سے جانی جل گئے

چبانے (میرے دانت)، چلنے (پاؤں)، دیکھنے (آنکھیں) اور سننے سے (کان) (یعنی تمام اعضاء) رہ گئے تو دل نے دھاڑیں ماریں کہ میرے چاہنے والے چلے گئے۔

ایک اور شعر میں انسان کی بے بسی اور بڑھاپے میں اُس کی حالت بیان کرتے ہیں۔ انسان جو جوانی کی طاقت کے نشے میں ہے اُسے یاددلاتے ہیں کہ

چھوٹی چھوٹی ٹانگوں سے ریگستان اور پہاڑ گھومتا پھرتا رہا ہے۔

لیکن آج حالت یہ ہے کہ کوزہ (وضو کا) بھی سوکوس دور معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

دیکھ فریدا جو تھیا، داڑھی ہوئی بھور

اگا نیڑے آیا، پچھا رہیا دور

فرید دیکھو! داڑھی سفید ہوگئی بچپن اور جوانی پیچھے رہ گئے اور مستقبل (موت) نزدیک آگئی۔

غرض یہ کہ بابا فریدؒ نے زندگی کے ہر پہلو کو عام فہم زبان میں روزمرہ زندگی کی امثال، تشبیہات اور استعارے کے ذریعے اُجاگر کیا۔

موت اور زندگی کے بعد کا سفر اور اس کے معاملات سزا اور جزا تک کا نقشہ کھینچا تا کہ انسان غفلت میں نہ پڑ جائے۔ ان حقائق کے ساتھ ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق اُن کا حل بھی عشق الٰہی، اعلیٰ اخلاقی اقدار، خدمت خلق اور اعمال صالح میں بتا دیا۔ جیسے

فرماتے ہیں:

فریدا! خالق خلق میں

خلق وسے رب مانہہ

یعنی خالق خلق میں موجود ہے اور خلق (مخلوق) اپنے رب میں بستی ہے۔ مخلوق کے ذریعے رب کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ آپ کے کلام اور تعلیمات سے ایک متوازن معاشرہ کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔

ایک طرف وہ دوزخ کا بیان کرتے ہیں تو دوسری طرف تزکیہ نفس کر کے اُس سے نجات کا راستہ بھی بتاتے ہیں۔

آپ کے کلام میں خالص قرآنی تعلیمات اور اسلامی طرز حیات کا رنگ جھلکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے کہ آپ کا کلام آپ کی زندگی کا عملی نمونہ نظر آتا ہے۔

پروفیسر گربچن سنگھ کے مطابق

> یہ بانی عام معنوں میں خودنوشت ہوں یا نہ ہوں، ایک انتہائی قیمتی خزانہ ضرور ہیں جن میں بلند اخلاقی تجربات بھرے ہیں اور یہ وہ نعمت ہے جو انسانی دُنیا میں شاذونادر ہی کسی کے حصے میں آتی ہے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی قدرت حاصل ہے۔[1]

---

[1] گربچن سنگھ طالب (پروفیسر)، بابا شیخ فرید، ص: ۹۳۔

فصل چہارم:

کلام بابا فریدؒ (جو گرو گرنتھ صاحب میں پایا جاتا ہے)

بابا فریدؒ نے جو الفاظ اور روزمرہ زندگی سے ماخوذ تشبیہات اور استعارے اپنا پیغام اور تعلیمات پہنچانے کے لئے استعمال کئے، اُن کی حقیقت کا عرفان اُن کی شاعری اُن ہی کی زبان میں پڑھنے سے ہوتا ہے۔ بابا فریدؒ کے کلام کے سلسلے میں جن کتب سے استفادہ کیا گیا اُن کی فہرست فصل پنجم کے آخر میں دی گئی ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں بابا فریدؒ کے کلام کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی کتاب ''معارف فریدیہ'' جو بین الاقوامی ایڈیشن ہے، سے ماخوذ ہے۔ کلام اور ترجمہ درج ذیل ہے۔

جِت دِہاڑے دَھن وَرِی، ساہے لئے لِکھائے
مَلک جو کنّیں سُنیدا، مُونہہ وِکھالے آئے

یعنی جس روز دوشیزہ کی منگنی ہوئی (یعنی ازل میں روح کی جسم سے نسبت طے کی گئی) اس روز اس کی شادی کی تاریخ (یعنی موت کی گھڑی) بھی طے ہوگئی، (اگر ساہے بمعنی سانس ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ سانسیں بھی لکھدی گئیں!) ملک الموت جو بتایا جاتا ہے چہرہ دیکھنے یا نقاب کشائی کرنے آجاتا ہے۔

جِند نِمانی کڈھیے، ہڈاں کوں کڑکائے
ساہے لِکھے نا چلن، اِی جِندو کوں سمجھائے

یعنی عزرائیل (موت کا فرشتہ) جب مسکین روح کو بدن سے نکالتا ہے تو ہڈیاں ٹوٹتی ہیں۔ تقدیر کا لکھا فیصلہ تو ٹل ہی نہیں سکتا، کوئی اس مسکین روح کو سمجھا دے!

جِنْدُوُهْتِیْ ،مَرَنْ وَرْ، لَئے جاسی پر نائے
آپَنْ هَتّهِیں جُول کے، کَیَنْ گَل لگے دھائے

یعنی (اپنی بات واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں): روح ایک دلہن ہے۔ موت اس کیلئے بر اور دولہا ہے جو اس دلہن (روح) کو بیاہ کرلے جائے گا! سب اسے اپنے ہاتھ سے روتے ہوئے روانہ کرتے ہیں۔ کون دوڑ کر کس کس سے گلے ملے؟ (اب تو سب اس کیلئے گویا بیگانے ہوگئے ہیں!)۔

وَالُوں نِکّی پُل صراط، کَنّیں نہ سُنی آئے
فریدا کِڑیں پَوندی ای، کھڑا نہ آپ مُہائے

یعنی (موت کا مرحلہ) ایک گذرگاہ ہے جو بال سے بھی باریک ہے (اس لئے دکھائی بھی نہیں دیتی) اور نہ اس کی آواز ہے کہ کانوں سے سنائی دے سکے۔ اے فرید! یہ بات تو تجھے سنائی دیتی ہے۔ حیران کھڑے کھڑے اپنا وقت مت ضائع کر (موت سے پہلے کوئی نیک عمل کرلے)۔

(بابا فریدؒ نے عالم نزع یعنی جان کنی یا روح نکلنے کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ پیدائش کے ساتھ ہی موت کا وقت بھی طے ہوجاتا ہے۔ موت کے وقت ملک الموت نظر آجاتا ہے۔ وہ دبوچ کر جان لیتا ہے۔ تو ہڈیاں چور چور ہوجاتی ہیں قدرت کا لکھا ٹل نہیں سکتا۔ موت آتی ہے، روح کو ساتھ لے جاتی ہے۔ سب رشتہ دار روتے ہوئے اپنے ہاتھ سے وداع کرتے ہیں۔ اس وقت دوڑ کر کسی کے گلے بھی نہیں لگ سکتی موت ایک عجب مرحلہ ہے۔ اس سے پہلے ہی کچھ کرلینا چاہیے)

دَرْ دَرویشی گا کھڑی، چَلاں دنیا بَھٹ
بَنّھ اُٹھائی پوٹلی، کِتّھے وَنجاں گھٹ

یعنی فقر اور درویشی کا رستہ کٹھن اور کانٹے دار ہے اس لئے مجھے دنیاداروں کے طریقے پر چلنا چاہیے۔ درویشانہ گٹھری تو میں نے باندھ کر اٹھالی ہے مگر اب اسے کہاں جاکر رکھوں یعنی کیسے نبھاؤں؟ (دنیاداری کی زندگی آسان ہے مگر فقر اور درویشی کا رستہ بہت کٹھن ہے۔ فقیری رنگ ڈھنگ تو آسان

ہے مگر اس کے تقاضے پورے کرنا بہت ہی مشکل ہے۔فقر اور تقوٰی کی تلاش تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ذرا سی لغزش سے سب کچھ اکارت چلا جاتا ہے۔)

کجھ نہ بُجھے ، کجھ نہ سُجھے، دُنیا گجھی بھاہ
سائیں میرے چنگا کیتا، ناھیں تاں ھنبھی ونجا ھاہ

یعنی یہ دنیا بھی انوکھی آگ ہے نہ یہ بجھتی ہے، نہ یہ دکھائی دیتی ہے اور نہ سمجھ آتی ہے۔میرے رب نے مجھے اس آگ سے بچا کر اچھا کیا ورنہ میں بھی اس میں دنیاداروں کی طرح جلتا۔

(یہ دنیا بظاہر ایک انوکھا معما ہے۔اس کے حرص وحسد کی آگ نہ تو سرد پڑتی ہے اور نہ اس کا کارن کسی کی سمجھ میں آتا ہے۔بس لوگ دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگے چلے جارہے ہیں، کیوں؟ کہاں تک؟ یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔)

جے جانیں تِل تُھوڑڑے ، سنبھل بک بھریں
جے جانیں شوہ نڈھڑا، تُھوڑا مان کریں

یعنی (بابا فریدؒ عورت کو نصیحت کرتے ہوئے انسانیت کو پیغام دیتے) اگر تجھے پتہ چل جائے کہ تل تھوڑے ہیں (تو دونوں ہاتھ بھر بھر کے نہ خرچ کرنا (فضول وقت نہ ضائع کرنا) اگر تجھے علم ہو جائے کہ تیرا محبوب یا شوہر (تیرا رب) کم عمر اور بے نیاز ہے تو زیادہ مان اور نخرے مت کرنا۔(تیرا رب بے نیاز ہے اس لئے غرور میں نہ رہنا بلکہ نیک عمل کرنا)

جے جاناں لڑ چھجناں، پیڈھی پائیں گنڈھ
تیں جیوڈ میں نہ کو، سبھ جگ ڈٹھا ھنڈھ

یعنی اگر میں جانتا ہوں کہ کپڑے کا پلو نرم پڑ کر کھل جائے گا تو مجھے گرہ پکی لگانا چاہیے یعنی اگر بھٹکنے کا ڈر ہو تو اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا چاہیے۔اے اللہ بڑائی میں تجھ جیسا کوئی نہیں میں نے

تمام جہاں دیکھ کر آزمالیا ہے۔

جِنۓ تَیں عَقل لَطِیف، کالے لکھ نہ لیکھ
آپنے گریبان میں، سر نیواں کر ویکھ

یعنی اگر تو باریک بین دانائی رکھتا ہے تو پھر برے اعمال سے اپنا اعمال نامہ سیاہ نہ کر، سر جھکا کر ذرا اپنے گریبان میں جھانک لیا کر یعنی اپنے ضمیر سے مشورہ کرلیا کر کیونکہ گناہ سے ضمیر کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اس پر دھبے پڑ جاتے ہیں۔

جِنۓ تَیں مَارن مُکیاں، تِنہاں نہ ماریں گھُم
آپنے گھر جائیے، پَیر تِنہاں دے چُم

یعنی اگر تجھے لوگ مکے ماریں تو تو گھوم کر الٹا یعنی جواب میں انہیں مت مارنا، بلکہ اس کے بجائے ان کے قدم چوم کر اپنے گھر چلے جانا چاہیے (بدلہ یا انتقام نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ دشمن کو پیار محبت سے زیر کرنا چاہیے اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا چاہیے۔ مسلم صوفیہ کا یہی معمول رہا ہے)۔

جاں تُوں کھٹن ویل، تاں تُوں رَتّا دُنی سیُوں
مَرگ سَوائی نِینہ، جاں بھریا تاں لُدّیا

یعنی جب تیرے کچھ پانے اور کمانے کا وقت تھا تب تو تو موٹا تازہ عیش پرست رہا اور دنیا والوں کی دوڑ میں شامل رہا مگر جونہی موت نے اپنی آمد کی بنیاد رکھی زندگی کا پیانہ لبریز ہو گیا تو انڈیل کر خالی کر دیا جائے گا (جوانی میں ہی نیکی کے کام کرنے کا مزہ ہے، بڑھاپے میں تو صرف موت کیلئے انتظار کے دن گنے جاتے ہیں، سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے۔ اللہ نے جتنے بھی نبی بھیجے سب جوان ہی تھے، بھلائی تو ساری کی ساری جوانی میں ہے۔)

ویکھ فریدا جو تھیا، داڑھی ہوئی بھور
اگا نیڑے آگیا، پچھا رہیا دور

یعنی دیکھو فرید! ماضی نے کیا دیا ہے، آپ کی داڑھی سفید ہو رہی ہے بڑھاپا سر پر ہے، آخری وقت اب قریب آ گیا ہے اور گزرا ہوا زمانہ اب بہت دور ہو چکا ہے۔ (یعنی اب بھی وقت ہے اپنی آخرت کیلئے کچھ کرلو، داڑھی کے سفید بال تمہارے لئے ایک وعظ اور ایک پیغام ہیں۔)

ویکھ فریدا جو تھیا، شکر ہوئی وِس
سائیں باجھوں آپنے، ویدن کہیئے کس

یعنی دیکھو فرید! جو کچھ ماضی میں ہو چکا ہے۔ جو کچھ بھی شکر کی طرح میٹھا لگتا تھا وہ اب زہر کی مانند تلخ ہو چکا ہے۔ (بڑھاپے میں کسی چیز کا لطف نہیں رہتا) مگر اپنے مالک و رب کے سوا کون ہے؟ جس سے اپنی یہ مشکل اور دکھڑا بیان کیا جا سکے (کوئی ہمدرد نہیں رہا، سنگی ساتھی اور ہمجولی سب گزر گئے ہیں)

فریدا اکھیں ویکھ پتینیاں، سُن سُن ریٖنے کن
ساکھ پکیندی آئی آ، ہور کریندی وَن

یعنی آنکھیں دیکھتے دیکھتے تھک کر پتھرا گئی ہیں اور کان سن سن کر پک چکے ہیں، بیزار ہو چکے ہیں، زندگی کی کھیتی پک گئی اور اس کا رنگ روپ بھی بدل گیا ہے (بڑھاپے کی اپنی دُنیا ہے۔ جس کے اپنے لوازمات ہیں، جب آتا ہے تو جاتا نہیں بلکہ ساتھ لے جانے کے لئے آتا ہے۔)

کالیں جنہیں نہ راویا، دھولیں راوے کوئے
کر سائیں سیوں پرہڑی، رنگ نویلا ہوئے

یعنی جس نے کالے بالوں کے زمانے یعنی جوانی میں اپنے رب کو نہ رجھایا وہ سفید بالوں والے زمانے یعنی بڑھاپے میں کیا رجھائے گی اس لئے تو اپنے پروردگار سے دل لگا تاکہ تیرا بھی ایک اپنا الگ

رنگ ہو یعنی تجھے بھی کچھ میسر آ سکے۔

آپنا لایا پرم نہ لگے ای، جے لو چنے سبھ کوئے
ایھہ پرم پیالہ خصم دا، جس بھاوے تس دے

یعنی اپنی مرضی سے کوئی عشق نہیں لگا سکتا کہ جو لالچ کرے وہی عاشق بن جائے بلکہ یہ عشق کا پیالہ تو رب کی دین ہے جسے چاہے عطا فرمادے۔

فریدا جن لوئن جگ موہیا، سے لوئن میں ڈٹھ
کجل ریکھ نہ سہندیاں، سے پنکھی سوئے بہٹھ

یعنی وہ آنکھیں جنہوں نے ایک دنیا کو فریفتہ کر لیا تھا۔ وہی آنکھیں میں نے اس حال میں دیکھیں کہ جو کبھی کجلے کی دھار بھی نہ سہہ سکتی تھیں۔ اب ان میں پرندے سوتے اور بیٹھ کرتے ہیں۔ (کھوپڑی میں آنکھوں کے خانوں میں پرندوں کی رہائش اور غلاظت بہت بڑی عبرت ہے۔ اہل دانش کا خیال ہے کہ آنکھیں کروڑوں سال کی ارتقائی منزلوں سے گزر کر تیار ہوئی ہیں۔ ایک مصری ادیب کہتا ہے کہ کائنات کی خوبصورت ترین چیز، حسین عورت کی خوبصورت آنکھ ہے۔ بابا فریدؒ نے عبرت کی بڑی داستان اس ایک شعر میں سمو دی ہے کہ کروڑوں سال کے ارتقاء کا خوبصورت ترین تحفہ اور یہ حشر کہ اس کی جگہ اب پرندے بیٹھتے ہیں اور غلاظت چھینکتے ہیں، شیخ سعدیؒ کو اینٹ کا ہر روڑا کسی نہ کسی کیقباد اور سکندر کا سر نظر آیا تھا)

کو کیندیاں، چانگیندیاں، متیں دیندیاں نت
جو شیطان ونجایا، سے کت پھیرے چت

یعنی فریاد کرتے، چیختے ہوئے روزانہ نصیحت کرنے سے (کیا فائدہ) جسے شیطان نے خراب کیا ہے وہ اپنے دل کو کیسے موڑے یا باز آئے؟

(جواللہ کی یاد سے منہ موڑ لے، ہم شیطان کواس پر مسلط کر دیتے ہیں، اب وہی شیطان ہی اس کا ساتھی ہے۔قرآن کریم) جسے شیطان گمراہ کر دے اسے اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دے سکتے ہیں۔

ٿيءُ پُوَاهي ڏڀ، جي سائين لوڙين سڀ
اِڪ ڇڄي، ٻيا لتاڙئيي، تان سائين لڀي ڏرو اڙيئي

یعنی اگر تجھے اپنے رب تک مکمل رسائی درکار ہےتو پھر رستہ میں بچھنے والی دبھ (دوب) نامی گھاس بن جا، جوایک تو نرم پڑتی ہے۔(ڈھیلی ہو کر پھیلتی ہے) دوسرے اسے پاؤں سے روندا جاتا ہے تب جا کراللہ تعالیٰ کے آستانے یعنی مسجد میں لے جا کر بچھانے کے قابل ہوتی ہے(یہ تواضع سے نرم پڑنے اوراللہ تعالیٰ کے حضورقبولیت پانے کی مثال ہے۔)

خاڪ نہ نندئيي، خاڪ جيڏ نہ ڪوئي
جيئوندياں پيران تلي، مُوياں اُپر هوئي

یعنی مٹی کو برانہیں کہنا چاہیے، اس لئے کہ خاک جیسا تواضع سے عزت پانے والاتو اورکوئی ہو ہی نہیں سکتا۔دیکھتے نہیں ہو، جب تم زندہ ہوتے ہوتو یہ خاک تمہارے پاؤں کے نیچے ہوتی ہے مگر جب تم مرجاتے ہوتو تم اس خاک کے نیچے اور وہ تمہارے اوپر ہوتی ہے۔(تواضع کی عظمت اور بڑائی کیلئے خوبصورت مثال اس سے بڑھ کراور کیا ہوگی۔تواضع سے جوعظمت اور بلندی نصیب ہوتی ہے۔اس کی اعلیٰ اور برتر مثال یہ مٹی ہے)

جاں لوڀ تاں نيہن ڪيا، لوڀ تاں ڪُوڙ انيهن
ڪچر ڪ جهٽ لنگهائيي، ڇپر ٽٽي مينهن

یعنی!جہاں لالچ ہوگاوہاں پر عشق کیا؟اگرکوئی لالچ ہوتو پھر عشق تو جھوٹا ہوگا بھلاٹوٹے ہوئے چھپر تلے بارش سے بچنے کیلئے کوئی کتنی دیر کیلئے ٹھہر سکتا ہے۔(لالچ کے ساتھ عشق تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی

بارش سے بچنے کیلئے ٹوٹے ہوئے چھپر کے نیچے وقت گذارنا چاہے۔)

جنگل جنگل کیا بھویں، وَن کنڈا موڑیں
وَسّی رَب حیا لیئے، جنگل کیا ڈھونڈیں!
یعنی تو ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں کیا گھومتا پھرتا ہے اور جنگل کے کانٹے روندتا پھرتا ہے، رب تو تیرے پاس پاس ہے۔ تُو اسے جنگل جنگل کیا ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ (ہم تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

اَن ھیں نکی جنگھیں، تھل ڈونگر بھنوامْ
اَج فریدے کوزڑ، سَے کوھاں تھی امْ
یعنی اپنی انہی چھوٹی چھوٹی ٹانگوں سے میں صحرا اور پہاڑوں میں گھومتا پھرا مگر آج اے فرید مجھے پاس پڑا ہوا کوزہ یا لوٹا بھی سومیل دور لگتا ہے۔ (جوانی نادانی کی طاقت اور بڑھاپے سیاپے کی کمزوری کا فرق دیکھیے)

فرید اراتیں وڈیاں، دُھکھ دُھکھ اٹھن پاس
دھرگ تنہاں دا جیونا، جنہاں وڈانی آس
یعنی فرید! اب راتیں بڑی لگتی ہیں، پہلو سوتے سوتے درد کرنے لگتے ہیں، لعنت ہو ان کا جینا جو دوسروں کے سہارے جیتے ہیں (اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کرسکیں تو بہتر ورنہ وہ جینا کس کام کا جس میں ہر کام میں دوسروں کے محتاج ہوں)
جِنے میں ھُنداوَاریا، مِتّاں آوَڑیاں
ھیڑا جلنے، مَجیٹھ جیویں اُپر انگاریاں
یعنی اگر میں نے ازراہِ مہمان نوازی آنے والے یاروں پر کچھ قربان کیا ہوتا (تو دلی سکون ملتا مگر

اب تو اس سخاوت ومہمان نوازی سے محرومی پر) دل یوں جل رہا ہے جیسے انگاروں پر مچیٹھ جلتی ہے۔ (درویش کواپنے مولیٰ کی خاطر کچھ نچھاور نہ کرسکنے کا بھی غم رہتا ہے۔)

لُوڑے ڈاکھ بجوڑیاں، کِکّر بیجنے لوڑے پَٹ!
ھَنڈھے اُن کتیندیاں، پَیدھا لوڑے پَٹ!

عجب جاٹ ہے کاشت تو کرتا ہے کیکر کے درخت، مگر پھل کے موسم میں اعلیٰ قسم کے باجوڑی انگور مانگتا ہے۔ تمام عمر تو اون کاتتے گذار دیتا ہے مگر پہنتے وقت ریشم کی خواہش کرنے لگتا ہے۔ (جو بوؤ گے وہی کاٹو گے، حسنِ عمل کا نتیجہ حسین وجمیل پھل ہوگا، عملِ بد کا پھل برا نتیجہ ہوگا، جو بیج کر گندم کبھی نہیں کاٹ سکتے)

گلئیں کِچّڑ، دُور گھر، نال پیارے نیُوں
چلاں تاں بھِجّے کمبلی، رَہاں تاں ٹٹے نیُوں

یعنی گلیوں میں کیچڑ ہے، گھر جہاں جانا ہے، دور ہے۔ ایک پیاری ہستی سے عشق ہے، اگر چلتا ہوں تو کملی بھیگتی ہے، رکتا ہوں تو دوستی ٹوٹتی ہے۔ (راہِ حق ذرا کٹھن ہے، چاروں طرف رکاوٹیں ہیں۔ کہیں لالچ کا کیچڑ ہے، کہیں دنیاوی ترغیبات ہیں اور کہیں شیطانی مشکلات ہیں۔ آخرت تک کا فاصلہ بھی لمبا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، اسے راضی رکھنا ہے چنانچہ راستے کی ان رکاوٹوں کو بھی عبور کرنا ہے اور اپنے رب سے رشتہ محبت بھی نہیں ٹوٹنے دینا، یہ ہے وہ کٹھن راستہ جس پر سالک کو چلتے ہوئے منزل پر پہنچنا ہے۔)

بھِجُّو سِجُّو کمبلی! اللہ وَرْسُو مینہ
جائے مِلاں تِنہاں سَجناں

یعنی اے کملی تو بھیگ جا، گیلی ہو، جا پروا نہیں۔ اللہ کی رحمت کی بارش، تُو بیشک برستی جا، میں نے

اپنے یاروں سے جا ملنا ہے اور میرا رشتہ محبت نہیں ٹوٹے گا (یہ ہے وہ عزمِ راسخ اور یقینِ کامل جو سالکِ صادق کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی رجائیت اور پُراُمیدی کی واضح مثال ہے۔)

مَیں بُھلاوا پگ دا، مَت مَیلی ہُو جائے
گہِلا رُوح نہ جانے، سِر بھی مَٹی کھائے

یعنی میں سجدے میں جاتے ہوئے غلطی سے یہ خیال کر رہا ہوں کہ پگڑی بچاؤں کہ یہ کہیں میلی نہ ہو جائے، پگلی روح بے خبر یہ بھی نہیں جانتی کہ پگڑی تو معمولی چیز ہے، یہاں تو سر جن پر پگڑی باندھی جاتی ہے، خود وہ بھی خاک کی نذر ہو جاتا ہے۔ (پگڑی عزت و ناموس کی علامت ہے، لوگ اس کو بچانا، دوسرے لفظوں میں عزّ و شرف کو بچانا ضروری خیال کرتے ہیں، پگڑی کو میلا ہونے سے کیا بچانا ہے، یہاں تو سر بھی خاک میں مل کر خاک ہو جائے گا۔ نہ رہا بانس نہ بجے گی بانسری۔)

شکّر، کھنڈ، نبات، گُڑ، ماکھیوں، ماجھا دُدھ
سبھے وستو مٹھیاں، رب نہ پُجّن تُدھ

یعنی شکر، کھانڈ، کماد کا گنا، شہد اور بھینس کا دودھ، یہ سب چیزیں میٹھی تو بلاشبہ ہیں مگر یہ تجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی نہیں ہیں بلکہ یہ دنیاداری ہے، لذات ہیں اور خوشی دینے والی ہیں لیکن یہ تجھے خدا تک نہیں پہنچا سکتیں بلکہ اس کے برعکس غافل بنانے والی ہیں۔ ان میٹھی چیزوں سے بڑھ کر ایک مٹھاس ہے، جو غیر فانی اور نافع ہے اور وہ ہے، ایمان کی حلاوت اور لذت عبادت۔

روٹی میری کاٹھ دی، لاوَن میری بُھکھ
جنہاں کھادی چوپڑی، گھنے سہن گے دُکھ

یعنی میری روٹی لکڑی کی ہے، میری بھوک سالن کا کام دیتی ہے مگر جو لوگ مرغن روٹی کھاتے رہے ہیں، انہیں بہت سے دکھ برداشت کرنا پڑیں گے یعنی وہ قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

رُکھی سُکھی کھائے کے، ٹھنڈا پانی پی
ویکھ پرائی چوپڑی، نہ ترساویں جی

یعنی (بابا فریدؒ کے دو پہلے اور یہ تیسرا شعر قناعت اور صبر کی تلقین کیلئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ صبر و قناعت سے کام لیتے ہوئے) جو روکھی سوکھی میسر آئے کھالینا اور ٹھنڈا پانی پی لینا لیکن دوسروں کے ہاں مرغن اور گھی والی روٹی دیکھ کر لالچ میں مت آنا اور خود کو مت ترسانا۔

اَج نہ سُتّی کنت سیوں، انگ مُڑیں مُڑ جائیں
جائے پُچھو ڈوہاگنی، تم کیوں رَین وِہائیں

یعنی میں آج اپنے شوہر کیساتھ نہ سوئی میرے جسم کے اعضاء ٹوٹ ٹوٹ کر دوہرے ہو رہے ہیں، طلاق یافتہ اور شوہر کی ٹھکرائی ہوئی سے جا کر پوچھ کہ وہ رات شوہر کے بغیر کیونکر گذارتی ہے۔ (عورت کی زبانی بابا فریدؒ ایک معرفت کی بات کر گئے ہیں، شوہر سے بچھڑ کر ٹھکرائے جانے کے بعد عورت کی رات کن دکھوں اور پریشانیوں میں کٹی ہے، مگر جو بندہ اپنے مولیٰ سے الگ اس کا ٹھکرایا ہوا ہو اس کی پریشانی اور دکھ کا کیا عالم ہونا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت میسر آنا بندے کی بڑی سعادت ہے اور اس سے محرومی بہت بڑی شقاوت و بدبختی۔)

ساھُورے ڈھوئی نہ لہی، پئیے ناھیں تھاں
پِر واتڑی نہ پُچھئے، دھن سُہاگن ناں

یعنی سسرال میں آمد و رفت ہے نہ رہائش ٹھکانہ، میکے میں کوئی جگہ ہے نہ پیا دل کی بات پوچھے، واہ! یہ کیسی نام کی سہاگن ہے۔ (سسرال سے مراد یہاں آخرت اور عقبیٰ ہے اور میکے سے بابا فریدؒ کا مقصود یہ دنیائے فانی ہے، سہاگن عورت سے مراد یہاں پر بیچاری روح ہے۔ جس روح کیلئے دنیا فانی تو موت نے چھین لی، آخرت میں ویسے جگہ نہیں، پیا سے مراد مالک و خالق ہے جو سدا بے نیاز ہے۔)

ساھورے پئیے کنت کی، کنت آگم اتھاہ
نانک سو سُہاگنی، جو بھاوے بے پرواہ

یعنی سسرالی دنیا ہو(آخرت ہو) یا میکے کی دنیا (یہ جہاں فانی) سب کچھ مالک الملک کا ہے اور مالک الملک کی ذاتی پہنچ سے باہر، اور بے حد گہرائی والی ہے اس لیے نانک تو یہ کہتا ہے کہ سہاگن (کامیاب اور کامران) وہی ہے جو اس ذات بے نیاز کو پسند آ جائے (یہ بابا جی کا اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ، کہ وہ قادر علی الاطلاق ہے، پر ایمان کی دلیل ہے۔)

ناتیں، دھوتیں، سمبھیں، ستیں آئِ نچنند
رھی سو بیڑیں ھنگ دی، گئی کتھوری گند

یعنی (حسین دلہن یعنی میت) نہا دھو کر اور سج کر کے پر سکون سوگئی، اس کے جسم میں کچھ ھینگ کی بدبو رہ گئی ہے (مردہ جسم رہ گیا ہے) کستوری والی خوشبو (یعنی روح) تو چلی گئی۔ (بابا فریدؒ نے انسانی میت کے کفنائے، نہلائے جانے کے بعد کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے جو بیک وقت خوبصورت بھی ہے اور عبرت آموز بھی۔)

جوبن جاندے نہ ڈراں، جے شوہ پریت نہ جائے
کتّیں جوبن پریت بن، سُک گئے کملائے!

یعنی میں جوانی کی جاتی ہوئی رونق سے نہیں ڈرتی (صوفی گزرتے ہوئے ایام زندگی کی فکر نہیں کرتا، اسے صرف اللہ کی سچی محبت سے محرومی کا ڈر رہتا ہے) اگر مولیٰ سے میری محبت نہ جائے تو، (اس لیے کہ) کتنے ہی جوانی کے جوبن تھے جو محبت (حبِ الٰہی) سے محروم ہو کر خشک ہو گئے اور مرجھا گئے (اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھنے والے صوفی صافی کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت سے محرومی کا ڈر رہتا ہے، چراغ زندگی کے بجھنے کی اسے پروا نہیں ہوتی کہ یہ تو شادی وصل کا عبوری مرحلہ ہوتا ہے بلکہ وہ تو اسے ہنستے مسکراتے گلے سے لگاتا ہے، اگر اسے یہ ڈر نہ ہو کہ وہ رضائے الٰہی اور محبتِ خداوندی سے محروم جا رہا ہے۔)

چِنت کھٹولا، وَان دُکھ، بِرہ وچھاوَن لیف
اِیہ ہمارا جِیوَنا، تُوں صَاحِب سَچّے وِیکھ

یعنی ہماری چارپائی فکر اور پریشانی سے بنی ہے۔ اس چارپائی کا سوت اور بان دکھ سے تیار ہوا ہے۔ بچھونا اور لحاف فراق سے بنا ہے، تو یہ ہے ہمارا جینا (یعنی ہم دنیا کے اندر اس حال میں ہیں۔) اے مالکِ حقیقی! ذرا توجہ فرما۔ (شاعر نے اس آزمائش کی جگہ، جسے دنیا کہتے ہیں، کا ان انوکھی تشبیہات سے بڑا واضح اور حقیقی نقشہ پیش کر دیا ہے، گویا یہ دنیا واقعی ایک کڑی آزمائش کی جگہ ہے اور انسان کا کمال اس میں ہے کہ وہ حسنِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کڑی آزمائش گاہ سے سرخ رو ہو کر نکل جائے، چارپائی کو آرام، کی جگہ اور بستر کو راحت کی آماجگاہ تصور کر کے غلطی کا ارتکاب نہ کرے جو شیطان کا منشا ہے اور وہ اپنے رب سچے کو ہرگز نہ بھولے۔)

بِرہَا بِرہَا آکھِیے، بِرہَا تُوں سُلطَان
جِت تَن بِرہوں نہ اُپجے، سُو تَن جَان مَسَان

یعنی ہم جدائی جدائی پکارتے ہیں، مگر اے جدائی! تو ہی تو اصل طاقت ہے۔ جس انسان کی جدائی کا احساس نہ ہو تو اسے مردہ جانو یا مردے جلائے جانے والی جگہ "شمشان" سمجھو۔ (اس دنیا کا مزاج اور چلن ہی جدائی ہے، ہر انسان جدائی کا ڈسا ہوا ہے، اس لئے اگر کوئی انسان جدائی کا ستایا ہوا نہ نظر آئے تو اسے مردہ جانو! انسانی روح کی اصل اور سب سے بڑی جدائی تو یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے جوارِ رحمت، جنت سے نکالا گیا ہے، یہی اصل جدائی ہی تو اہل اللہ کا اصل قلق اور اضطراب ہے۔)

فرِید اِیہ وِس گندلاں، دھرِیاں کھنڈ لِوَاڑ
اِک رَاہندے رَہ گئے، اِک رَادھی گئے اُجاڑ

یعنی (بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ دنیا کی حقیقت سمجھاتے ہیں): فریدا! یہ دنیا زہر والی سرسوں کی پڑی ہوئی گندلیں یعنی تنے ہیں جن پر کھانڈ لپیٹ دی گئی ہے۔ کچھ تو اس میں ہل چلاتے اور محنت

کرتے کرتے گذر گئے جبکہ کچھ نے تو بچی ہوئی کھیتیاں بھی ویران کردی ہیں۔(یہ دنیا باہر سے اچھی نظر آتی ہے مگر حقیقت میں یہ اچھی نہیں۔انسان یا تو اسے سجانے اور آباد کرنے میں لگے رہے مگر کچھ آباد کو بھی برباد کر گئے۔

چار گوایاں ھَنڈھ کے، چار گوایاں سَمْ
لیکھا رَبْ مَنگیسیا، تُوں آیوں کیہڑے کَمْ

یعنی دن کے چار پہر تو تو نے کام کاج میں گنوا دیئے اور رات کو چار پہر سوتے ہوئے گذار دیئے۔رب تجھ سے حساب کتاب مانگے گا کہ تو اس دنیا میں کس کام سے آیا تھا؟ (یعنی دن رات کے آٹھ پہر یا چوبیس گھنٹے جو تو نے یاد الٰہی کے بغیر گذار دیئے ہیں دن بھر دنیاوی کام کاج میں اور رات کو سوتے ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں (عباد) کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے اور وہ اسی لئے اس دنیا میں آئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہی سوال کرنا ہے کہ جس مقصد کیلئے تمہیں پیدا کیا تھا وہ کہاں تک پورا کیا؟ تو اس جواب کیلئے انسان کو تیار رہنا چاہیے۔)

دَرْ دَرْوَازے جَائے کے، کِیُو ڈٹھو گھڑیال
ایہہ نِدَوُسَا ماریئے، ھَمْ دُوسَاں دا کیا حال

یعنی میں نے دروازے پر جاکر کیا (عجب منظر) دیکھا کہ ایک گھڑیال ہے۔(جسے وقفے وقفے سے بجایا جاتا ہے)، یہ تو بے قصور ہے (اگر اسے یونہی) پیٹا جارہا ہے (تو پھر) ہم قصورواروں، گنہگاروں کا کیا عالم ہوگا۔

گھڑیے گھڑیے ماریئے، پَہْریں لَہے سزائے
سُو ھیئڑا گھڑیال، جِیُو ڈکِھی رَین وِھائے

یعنی گھڑیال ہر ہر گھڑی کے بعد بجاتے ہیں، (اس طرح گویا) ہر ہر پہر کے بعد سزا (اس

گھڑیال کے سر سے اتر تی) کم ہوتی ہے (بالکل) اسی طرح دکھی انسان رات بسر کرتا ہے (یا لمحات شمار کرتا رہتا ہے۔) (یہاں بابا فریدؒ نے گھڑیال کے بجنے کے مقابلے میں دل کی دھڑکن کو رکھا ہے، جس طرح بار بار بجنے سے گھڑیال کی سزا کم ہوتی جاتی ہے اسی طرح بار بار دھڑکنے سے دل کی مدت بھی ختم ہوتی رہتی ہے، طالبانِ حق فراقِ حبیب میں یہ گھڑیاں اور دھڑکنیں گویا شمار کرتے رہتے ہیں کہ کب دل کی دھڑکن ختم ہو اور فراق کے لمحات پورے ہو جائیں تا کہ اللہ کے جوارِ رحمت میں جگہ مل سکے۔)

بُڈھا ھُویا شیخ فرید، کنبن لگی دیہہ
جے سو وَرھیاں جیونا بھی، تن ہوسی کھیہہ

یعنی شیخ فرید اب بوڑھا ہو چکا، اس کے بدن کے جوڑ کمزور ہو گئے ہیں اور وہ لرزنے لگا ہے۔ (چلئے! کیا ہوا؟ موت قریب آ گئی تو کیا ہوا؟) ہم اگر سو برس بھی زندہ رہے تب بھی یہ بدن تو خاک ہی ہونا ہے۔

بار پرائے بیسنا، سائیں مجھے نہ دیہہ
جے توں ایویں رکھسی، جیو سریروں لیہہ

یعنی پرائے دروازے پر بیٹھنا مولیٰ میرے نصیب میں نہ کرنا، اگر تو مجھے اس طرح زندہ رکھنا چاہتا ہے تو پھر بہتر یہ ہے کہ میرے جسم سے روح نکال لے۔ (دوسروں کا سہارا اور محتاجی بڑھاپے کا اہم ترین مسئلہ رہا ہے، بابا فریدؒ کو بھی یہ گوارا نہیں ہے۔)

کندھ کُہاڑا، سر گھڑا، وَن کے سر لُہار
ہوں لوڑاں شوہ آپنا، توں لوڑیں انگیار

یعنی لوہار کے کندھے پر کلہاڑا، سر پر گھڑا ہے اور وہ ایک درخت کے سر سوار ہے (اُسے کاٹنا چاہتا ہے۔) مجھے ہے اپنے رب کی تلاش اور تو ڈھونڈھتا پھرتا ہے انگارے۔ (طالب دنیا آگ کے پیچھے ہے

جس طرح فرمایا گیا کہ دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں، جبکہ اللہ والوں کو اپنے رب کی رضا اور خوشی ہی مطلوب ہوتی ہے۔)

اَکِنَان آٹا اَگِلا، اِکِنَان نَاھِیں لُوڻ
اَگِے گِئِے سَنجَا پسن، چوٽا کَھا سِيَ ڪوڻ

یعنی دنیا میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے پاس بے حساب آٹا (رزق) ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کے پاس نمک بھی نہیں ہے (بالکل کنگال ہیں) لیکن آئندہ جہاں میں یہ جانے پہچانیں جائیں گے کہ ان میں سے خسارہ اور گھاٹا کس نے کھایا ہے (سب کو اپنے اپنے کیے کا بدلہ مل جائیگا اور نیک و بد کا پتہ چل جائیگا۔)

پَاسِ نَغَارے، چَهت سِرِ، بِهيرِيَ، سَڏُورِڏ
جَائِے سُتَّے جِيَرَانِ مِيں، ٿِهے اِے يتيمانِ گڏُ

یعنی کتنے ہی بادشاہ ہوں گے جن کے پاس نقارے، سر پر سایہ کے لئے چھتر، باجے والے، گانے والے اور قصیدہ گو ہوتے تھے۔ آخر کار یتیموں کے ساتھ دفن ہو کر ان کے پڑوسی بن گئے۔ (موت سب کیلئے، سب کو یکساں بنانے والی اور کسی کو محروم کرنے والی نہیں ہوتی۔)

کُوٺھے مَنڍپ مَاڙِيَان، اُسَا ٻے ڀِي گِئے
کُوڙَ اسَوڌا ڪَر گَئے، گوريِن آئے پَئے

یعنی جو لوگ مکانات، حویلیاں اور محلات مکمل کرتے تھے، وہ بھی رخصت ہو گئے، یہی تو تھے جنہوں نے جھوٹا کاروبار کیا تھا، پھر قبروں میں آخر دفن ہو گئے۔ (تمام تر دنیاوی دھندوں میں ہی پڑا رہنا پسندیدہ بات نہیں، ٹھوس اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ آخرت سنوارنے کیلئے نیک کام کئے جائیں، اللہ کی عبادت اور ذکر کیا جائے۔)

کھنتھڑ میخاں اگلیاں، جند نہ کائی میخ
واریٔ آپو آپنی، چلے مشائخ شیخ

یعنی گودڑی کے اندر جوانسانی جسم ہے۔وہ بہت سی میخوں میں جکڑا ہوا ہے(یعنی پابندیوں میں بند ہے) جبکہ روح ان جکڑ بندیوں سے آزاد ہے۔بڑے بڑے بزرگ بھی اپنی اپنی باری موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں،موت کا وقت ہے جو آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔

ڈوھیں ڈیوے بلندیاں، ملک جو بیٹھا آ
گڑھ لیتا، گھٹ لُٹیا، ڈیوڑے گیا بُجھا

یعنی دونوں آنکھوں کے چراغ جل رہے تھے۔موت کا فرشتہ جو آ کر بیٹھ گیا،اس نے جسم کا قلعہ فتح کیا۔سینے میں سے دل لوٹ لیا اور جاتے ہوئے آنکھوں کے چراغ بھی گل کر گیا۔(یہ موت کا منظر ہے۔سب کے سامنے فرشتہ آ کر جان نکال لے جاتا ہے مگر کوئی اسے روک نہیں سکتا۔)

ویکھ کپا ھے جو تھیا، جو سر تھیا تلاں
کماں ہے اڑکا گڈے، کُبنّے، کوئلیاں
مندے عمل کریندیا! ایہہ سزا تنہاں

یعنی دیکھ لے کہ کپاس (کو بیلنے میں بیلتے وقت) کیا ہوا؟ (گھانی میں پیلتے وقت) تلوں کا کیا ہوا کماد، کاغذ اور ہنڈیا کا کیا بنتا ہے، کوئلوں کو (کس طرح جلاتے ہیں) اے برے عمل کرنے والے انسان! دیکھا (ان سب چیزوں کو برا ہونے اور برا کرنے کی یہ سزا ملی ہے۔) اس لئے اپنی سزا کا بھی انہی پر قیاس کر لے،اگر تو بداعمالیوں سے باز نہ آیا تو ایک دن تیرا بھی یہی حشر ہوگا۔

کنڈھ مُصلا، صُوف گل، ڈل کاتیٔ، گڑ وات
باھر ڈسّے چانناں، ڈل اندھیاری رات

یعنی کندھے پر جانماز ہے،صوفیانہ لباس ہے،دل چھری ہے،منہ میٹھا ہے،باہر سے روشن مگر دل

اندھیری رات کی طرح کالا۔(یہ ریا کار صوفیوں پر تنقید ہے۔)

رَتّی رَت نہ نِکلے، جے تَن چیرے کوئے
جو تَن رَتّے رَب سیوں، تِن تَن رَت نہ ھُوئے

یعنی رتی بھر خون نہیں نکلے گا، اگر کوئی جسم کو چیر کر دیکھے، کیونکہ جو جسم اپنے رب کے رنگ میں رنگا گیا (عشق الٰہی سے سرخ رو ہوگیا) اس جسم میں خون نہیں رہتا۔(مجازی عشق والے مجنوں اپنی لیلاؤں کے فراق میں صرف ڈھانچے رہ جاتے ہیں تو جو اپنے رب کے عشق حقیقی میں اور فراق کے درد و غم میں سب کچھ قربان کر کے بابا فرید بن جائے، اس کے بدن میں تو پھر رتی بھر بھی خوان واقعی نہیں ہوگا۔)

سُوئی سَر وَوَڑ ڈھونڈ ھالہہ، جِتُّھوں لبھّی وَتھ
چھَپڑ ڈھونڈے کیا ھُووے، چِگّڑ ڈُبّے ہَتھ

یعنی کوئی ایسا ہی صاف پانی والا تالاب تلاش کر لے جہاں سے موتی یا اچھی چیز حاصل ہو سکے، بھلا گندے پانی والے جوہڑ میں کوئی کیا ڈھونڈے؟ وہاں تو کیچڑ میں ہاتھ ڈبونے والی بات ہے۔ (کوئی اچھا انسان اور اعلیٰ مرشد تلاش کرنا چاہیے جہاں سے علم و معرفت کے موتی یا کچھ نہ کچھ قیمتی چیز حاصل ہو ہی جاتی ہے، گھٹیا اور گندے آدمی سے کیا لینا جہاں سے سوائے گندگی اور غلاظت کے کچھ بھی میسر نہیں آسکتا۔

بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

''بوسہ زن بر آستان کاملے'' یعنی کسی مرشد کامل کی چوکھٹ کو ہی چومو۔)

نَنڈھی کَنت نہ راوِیو، وَڈّی تھی مُوئی اُس
دھن کُوکیندی گور میں، تے شَوہ نہ مِل اُس

یعنی جوانی میں تو وہ شوہر کو راضی نہ کر سکی، بوڑھی ہو کر مر گئی، عورت قبر میں روتی چیختی ہے کہ اسے

شوہر نہیں ملا، (بوڑھا زندہ درگور ہونا چاہے، جوانی میں نیکی کی توفیق نہ ہوسکی اب بڑھاپے میں رونا دھونا پچھتانا کیا فائدہ؟)

سِر پِلْیا، ڈاڑھیں پِلی، مُچھاں بھی پِلْیاں
رے مَن گیہلے باولے، مانیں کیا رَلیاں؟

سر داڑھی اور مونچھیں سب پک کر سفید ہو چکی ہیں تو اے نا سمجھ دیوانے دل! اب کیا موجیں کرتا اور خوشیاں منانا چاہتا ہے۔ (یعنی بڑھاپا آ جانے کے باوجود بھی بچپن اور جوانی کی دیوانگی سے باز نہیں آرہا۔)

کوٹھے ڈھکن کیتڑا، پر نیندڑی نوارڑ
جو ڈینہ لدھے گان ویں، گئے ولاڑ ولاڑ

یعنی یہ مکانوں کی چھتوں پر طفلانہ انداز میں اچھل کود کب تک اور نوار کے نرم بان پر یہ میٹھی نیند کب تک چلے گی؟ گنے ہوئے چند دن ملے تھے، وہ یونہی دوڑتے بھاگتے بتا دیئے۔ (وقت کا ضیاع ہے، یہی انسان کا سب سے بڑا نقصان ہے مگر کون ہے جو اس حقیقت کا ادراک کر سکے؟)۔

کوٹھے منڈپ ماڑیاں، اِیٹ نہ لائیے چِٹ
مٹی پئی اتولویں، کوئی نہ ہوسی مِٹ

یعنی لمبے چوڑے اونچے محلوں اور مکانوں پر دھیان نہ دیا جائے، بے حساب وزن کی مٹی اوپر پڑ جائے گی اور قبر میں کوئی غمخوار ساتھ بھی نہ ہوگا (صرف نیک عمل ہی ساتھ جائیں گے اس لئے نیکی اور بھلائی کے کاموں پر دھیان دیا جائے، دنیاوی مال واسباب یہیں رہ جائیں گے۔)

فریدا مَنڈپ مَال نہ لا، مڑ گھنتانے چت دھر
سَائی جَائے سَمھال، جتّھے اِیں تُوں وَنجھنا

یعنی اے فرید! تو کھلے ایوانوں اور مال و دولت پر دھیان نہ دے، قبرستان پر توجہ مرکوز رکھ، وہی جگہ سنبھال لے جہاں تو نے ہر حال میں جانا ہی ہے۔

جنھیں کمیں ناھیں گُن، تے کمڑے وِسار
مَت شرمندہ تھیویں سائیں دے دربار

یعنی جن کاموں میں کوئی اچھائی یا خوبی نہیں ہے، انہیں بھلا دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھے اپنے مولیٰ کے حضور قیامت کے روز شرمندہ ہونا پڑے۔

صَاحِب دی کر چاکری، دل دی لاھ بھَرانْد
درویشاں نوں لوڑ ھے، رُکھاں دی جیرانْد

یعنی اپنے رب کی خدمت و عبادت انجام دے اور اپنے دل کا بوجھ اتار دے (اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت سے اطمینان قلب کا سامان کر لے)، درویشوں اور اللہ والوں کو تو درختوں کے سے حوصلے اور تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ (درخت سایہ دیتے ہیں، پھل دیتے ہیں، لوگ انہیں پتھر مارتے ہیں اور ان کی شاخیں کاٹتے ہیں مگر یہ پھر بھی کسی کو اپنے پھل اور سایہ سے محروم نہیں کرتے، فقراء اور دراویش کیلئے بھی یہی حوصلہ اور صبر و تحمل درکار ہے۔)

کالے میڈے کپڑے، کالا میڈا ویس
گنہیں بھریا میں پھراں، لوک کہن درویش

یعنی میرے کپڑے کالے ہیں (اس لئے گویا) سیاہ پوش ہوں۔ لوگ مجھے درویش کہتے ہیں حالانکہ میں تو گناہوں سے بھرا ہوں (باباجی کی تواضع اور انکساری ہے، اہل حق کا یہی طریق تھا۔)

تَتِّی تَائِے نہ پَلْوِے، جے جَلْ تُبّی دے
فریدا جو ڈھاگڑ رب دی، جُھر یندی جُھور ے

یعنی جلی ہوئی زمین تو گرم کرتی اور جلاتی ہے، پھلنے پھولنے کے قابل نہیں بناتی۔ خواہ اسے دریا ہی سے کیوں نہ سیراب کر دیا جائے، (اسی طرح) جو بدنصیب عورت اپنے آقا اور شوہر کی ٹھکرائی ہوئی ہو (جس روحِ بد کو اللہ تعالیٰ نے بدنصیب بنا دیا ہے) وہ تو رو رو کر اپنے دکھڑے ہی بیان کرتی چلی جائے گی۔ (رب کا دھتکارا ہوا انسان ٹھوکریں ہی کھاتا رہے گا۔)

جاں کُواری تاں چائو، وِواہی تاں مُعاملے
فریدا ایہُو پچھوتائو، وَت کُواری نہ تھِیئے

یعنی جب تک کنواری رہی (یعنی جب تک روح بذریعہ بدن دنیا میں نہیں آئی تھی) تو بہت شوق اور جذبہ تھا (شادی ہونے کا یعنی دُنیا میں آنے کا) بیاہی گئی (جب دنیا میں آگئی) تو مسائل سے نمٹنا پڑ گیا۔ فریدا! اب تو وہ (روح) اسی بات پر پچھتائے جا رہی ہے لیکن پھر تو اس نے کبھی کنواری ہونا ہی نہیں۔ واپس اسی پہلی حالت میں جا ہی نہیں سکتا۔ (یہ جہان، جہانِ سکون و راحت ہے ہی نہیں بلکہ دار العمل ہے، جہاں انسانی روح حسن عمل کیلئے آئی ہے اور اس حسنِ عمل کی امتحان گاہ میں کامیابی کے بعد ہی اصل جگہ یعنی اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت جنت الفردوس میں جا سکتا ہے، اس لئے کوئی روح یہاں خوش نہیں رہ سکتی، جو اسے جائے راحت و سکون سمجھے وہ نادان ہے۔ جس نے اسے حسنِ عمل کی امتحان گاہ سمجھا، وہی کامیاب ہوا۔)

کَلّر کیری چھپڑی آئے ہنجھ
چُنجُو بوڑن نہ پیوین اُڈن سَندی ڈنجھ

یعنی ہنس اڑ کر آئے۔ شور اور را کھ والی زمین کے گڑھے پر اترے، وہ اپنی چونچیں ڈبوتے ہیں مگر پیتے نہیں۔ انہیں اڑنے کی آرزو رہتی ہے (اللہ والے ہنس پرندے کی مانند ہیں جو اس آلودہ دنیا میں آ کر

اترتے تو ہیں مگر دنیا کی آلودہ لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے آخرت کیلئے فکرمند رہتے ہیں۔)

هَنسَ اُڏرِي ڳُو ڏهرِي پِيَا، لُوڪَ وڙا ڙنِي جَائِي
گهيلا لُوڪَ نَه جاڻدا، هَنسَ نه ڳُو ڏهَرا کهائِي

یعنی ہنس اڑ کر باجرے کے کھیت میں جا بیٹھا، لوگ اسے اڑانے کیلئے گئے (کہ باجرا نہ کھا جائے) مگر یہ پگلے لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہنس تو باجرا کھاتا ہی نہیں (کہا جاتا ہے کہ ہنس سمندروں کے موتی کھاتا ہے، یہاں ہنس سے بابا جی کی مراد اللہ والے ہیں وہ دنیا میں ہوتے ہیں مگر طمع دنیا سے پاک ہوتے ہیں، وہ تو بازار سے گذرنے والے ایسے مسافر ہیں جو خریدار نہیں ہوتے۔)

چَلِ چَلِ گَيَان پَنکهيان، جنهان وَسَائِي ڌَلِ
سَرُ بهرُ يَا بهِي چَلِ سِي، ٺهکي ڪَنوَلُ اِڪلُ!

یعنی کتنے ہی پنکھی چلتے پھرتے جا چکے جنہوں نے تالاب آباد کئے رکھے تھے، یہ بھرا تالاب (آباد دنیا) بھی جائے گا۔ اکیلا کنول (اللہ تعالٰی وحدہ لاشریک لہ) رہ جائے گا جو اپنا ٹھکا اور شانِ جلالی دکھاتا رہے گا (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے صرف اللہ ذوالجلال والاکرام کی ذات باقی رہ جائے گی۔)

اِٹ سَرُ هَانِي، ڀُهوئِينَ سَوَنَ ڪِيڙا اَڙُيو مَاسِي
ڪِيتڙي جُگَ وَاڀَرِي، اِڪتُو پِيَان پَاسِي

یعنی (بابا سائیںؒ کو فرش پر سوتے ہوئے کیڑے نے کاٹا تو فرمایا: (اینٹ کا تکیہ بنائے، نیچے سوتے ہوئے کیڑے نے جسم پر کاٹ کھایا (تو خیال آیا کہ مرنے کے بعد) کتنے ہی زمانے بیت جائیں گے ایک ہی پہلو پر سوتے ہوئے۔ (خدا معلوم کتنے کیڑے کاٹتے رہیں گے۔)

بھنّی گھڑی سوَنوِیں، ٹُٹی نا گڑ لَج

عَزرائیل فرشتہ کیں گھر ناٹھی اَج

یعنی رنگین صراحی ٹوٹ گئی ہے اور کنویں سے پانی نکالنے کے کام آنے والی رسی بھی ٹوٹ گئی ہے (خدا معلوم) موت کا فرشتہ عزرائیل آج کس کے ہاں آنے والا ہے؟

بھنّی گھڑی سوَنوِی، ٹُٹی نا گڑ لَج

جُو سَجّن بھُوئیں بھار تھے سے کیوں آوِین اَج

یعنی حسین صراحی ٹوٹ گئی اور نازک رسی کٹ گئی۔ اب وہ سجن دوست جو زمین کے بوجھ نیچے آ گئے بھلا وہ اب کہاں سے آئیں گے؟ (یہ شعر اس سے پہلے والے شعر کا اعادہ ہے، نیز اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بابا فرید سائیںؒ نے وہاں بھی تذکرہ موت فرمایا ہے جیسا کہ یہاں فرمار ہے ہیں، وہ صورتیں جو زیر زمین چلی گئیں جن کی صراحی اور رسی دونوں دنیا سے رشتہ توڑ گئے، روح اپنی جگہ اور جسم زیر زمین چلا گیا، اب وہ صورتیں دیکھنے کو ترستے رہو! دنیا کی عدم ثباتی بیان کر رہے ہیں۔)

بے نمازا کُتیا! اینہ نہ بھلی ریت

کبھی چل نہ آیوں پنجے وقت مسیت

یعنی اے کتے جیسی فطرت والے تارکِ نماز انسان! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کوئی اچھی روش نہیں کہ تو کبھی بھی پانچ وقت کی نماز کیلئے چل کر مسجد میں نہیں آیا۔

اُٹھ فریدا وُضو ساز، صُبح نماز گذار

جُو سِر سائیں نہ نِویں، سُو سِر کپ اُتار

یعنی فرید! اُٹھو وضو کرلو، صبح کی نماز ادا کرو، جو سر اپنے رب کے حضور سجدہ میں نہ جھکے اسے کاٹ کر پھینک دو۔ (صبح کی نماز کیلئے بیدار ہونا، پھر وضو کر کے نماز ادا کرنا بہت مشکل اور بوجھل لگتا ہے،

بابا سائیںؒ نہ صرف اس کی تاکید فرماتے ہیں بلکہ ناراضگی اور غیظ وغضب کے اظہار کے ذریعہ ڈراتے ہیں۔ برعظیم کے پابندِ شرع صوفیہ کرام کی یہی شان تھی۔)

جُو سِر سَائِیں نہ نِوِیں، سُو سِر کَپِیجِئے کَائے
کُنّے ھیٹھ جَلائِیے بَالَن سَنْدِی تھائے

یعنی جو سر اللہ تعالیٰ کے حضور رکوع سجدے کیلئے نہ جھکے اس کا (اس کے سوا) کیا فائدہ ہے کہ اسے بس ایندھن کی جگہ چولہے میں ہنڈیا کے نیچے جلایئے۔ (یہ بے نمازی کیلئے بابا جی کی طرف سے تیسری سزا ہے یعنی بے نماز کتا ہے، اس کا سر کاٹ پھینکو اور اب یہ کہ چولہے میں جلاؤ۔)

کِتّھے تَیْنڈے مَاپے آ، جِنْھاں تُوں جَنِیُوں
تَیں پَاسُوں اُوہ لَدْ گئے، تُوں اَجّے نہ پَتِیوں!

یعنی تیرے وہ والدین کہاں ہیں جنہوں نے تجھے جنم دیا تھا۔ وہ تیرے پاس سے جا چکے ہیں مگر تیری ابھی تک تسلی نہیں ہوئی۔

فَرِیدا مَن مَیدان کر، ٹُوئے ٹِبّے، لَاہ
اگّے مُول نہ آوْسی دُوزخ دی بھَاہ

یعنی فرید! اپنا دل پاک کرو، گڑھے ٹیلے ہموار کرو، رستہ صاف کرو (اپنا ضمیر اور معاملاتِ زندگی پاک رکھو) تو دوزخ کی آگ ہرگز سامنے نہیں آئے گی۔ (آخرت کی نجات کا دارومدار دنیا میں نیک پاک رہنے پر ہے۔)

جَیں ڈِینہہ نالا کَپِّیا، جے گل کَپّن چُکھ
پَوَن نہ اِتّی مُعَاملے، سَہاں نہ اِتّی دُکھ

یعنی جس روز پیدائش کے وقت میری ناف والی نالی کاٹی گئی اگر اسی روز ذرا سا میرا گلا بھی کاٹ

دیتے تو مجھے نہ اتنے مسائل سے واسطہ پڑتا اور نہ اتنے دکھ سہنے پڑتے۔

چبّن، چلّن، رتّن، سے سُنیئز بھی گئے
ھیئڑے مُتّی ڈھا، سے جانی چل گئے

یعنی دانت گر گئے، ٹانگیں جواب دے گئیں، موتیوں جیسی آنکھیں بھی نہ رہیں اور کان بھی سننے سے عاجز آ گئے، دل نے ایک چیخ نکال ماری کہ سینکڑوں مخلص احباب بھی دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ (یعنی بڑھاپے میں سارے اعضاء ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔)

فریدا بُرے دا بھلّا کر، غُصّہ مَن نہ ھڈّھا
دیہی رُوگ نہ لگّی، پلّے سبھ کجھ پا

یعنی فرید! جو برائی کرے، اس سے بھی نیکی کرو، غصہ میں اپنا دل جلا کر بوسیدہ نہ کرو (اس سے تجھے فائدہ یہ ہوگا کہ) تیرے جسم کو کوئی روگ نہیں لگے گا اور تجھے سب کچھ حاصل بھی ہو جائے گا۔ (غصہ بری اخلاقی کمزوری ہی نہیں بیماری بھی ہے۔ جو غصے اور غضب پر قابو پا لے اصل طاقتور وہی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ: پہلوان وہ نہیں جو کسی کو بچھاڑ دے بلکہ اصل پہلوان وہ ہے جو غصہ پر قابو پا کر غیظ و غضب کو پچھاڑ دے"۔ بابا سائیںؒ نے برائی کا بدلہ نیکی اور غصہ پر قابو پانے کا عظیم فائدہ بتایا دیا ہے کہ روگ سے محفوظ اور سب کچھ حاصل بھی۔)

فریدا پنکھ پروھنے، دُنی سُہا وَا باغ
نوبت وَجّے صُبح سیُون چلّن دا کر ساز

یعنی فرید! یہ دنیا ایک سبز و سہانا باغ ہے جہاں پرندے (روحیں) مہمان ہیں، صبح سے (پیدائش سے) ہی نقارہ بج رہا ہے اس لئے سفر کا ساز و سامان کر لے۔ (یہ دنیا دار العمل ہے مگر بڑی خوبصورتی اور رعنائی انہیں لبھاتی نہیں۔ ان کا مرکزِ نگاہ اپنے ربّ کی رضا اور اس کا جوارِ رحمت ہوتا ہے اور یہاں وہ

مسافر بلکہ راہ چلتا مسافر بن کر رہتے ہیں۔)

رات کتھوری ونڈیے، ستیاں ملے نہ بھائو
جنہاں نین نندراویے، تنہاں ملن کوائو

یعنی ذکراللہ کی کستوری تو شب گذران میں بانٹتے ہیں، سونے والوں کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ جو نیند میں مست رہنے والی آنکھوں کے مالک ہیں۔ انہیں اس میں سے کیا فائدہ ملے گا؟)

میں جانیا دکھ مجھی کو، دکھ سبھائے جگ
اچے چڑھ کے ویکھیا، تاں گھر گھر ایہا اگ

یعنی میرا خیال تھا کہ دکھ صرف مجھے ہی ہے مگر یہ دکھ تو سب دنیا کو ہے، میں نے اونچی جگہ چڑھ کر دیکھا تو نظر آیا کہ دکھ کی یہ آگ تو گھر گھر دہک رہی ہے۔

کنڈھی وہن نہ ڈھا، توں بھی لیکھا دیونا
جدھر رب رضا، وہن تدائوں گو کرے

یعنی کنارہ (حد) اور ندی (قانون) مت گرا (خلاف ورزی نہ کر) کہ تو نے بھی حساب کتاب دینا ہے۔ اللہ کی رضا کے مطابق ندی نے رخ کرنا ہوتا ہے۔

دکھاں سیتی دینہ گیا، سولاں سیتی رات
کھڑا پکارے پاتنی بیڑا کپر وات

یعنی دن تو دکھوں کے ساتھ بیت گیا اور رات کانٹوں کے ساتھ گذری، ملاح (مرشد) کھڑے ہوئے پکار رہا ہے کہ کشتی بھنور کے منہ میں ہے (ایام زندگی ڈوب رہے ہیں۔)

لمی لمی ندی وہے، کندھی کیرے ھیٹ
بیڑے نوں کپڑ کیا کرے جے پاتڑ رہے سچیٹ

یعنی ایک لمبی لمبی ندی بہہ رہی ہے۔ جس کے کنارے کو لہریں تھوڑا تھوڑا کاٹ کے نیچے گرا رہی ہیں۔ (یہ دنیا ایک طویل ندی ہے جو آہستہ آہستہ کٹاؤ کی زد میں ہے) کشتی کو بھنور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر ملاح ہوشیار و محتاط ہو (شیطان صفت انسان اس دنیا کی تباہی کے در پے ہیں مگر جب تک اس کا چلانے والا رب اسے سنبھال کر باقی رکھنا چاہے گا؛ اس وقت تک اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا)

گلیں سو سجن وینہ، اک ڈھنڈھیندی نہ لہاں
دھکھاں جیوں ماںینہ کارن تنہاں ماپڑی

یعنی کہنے کو تو بیسیوں دوست ہیں جو زبانی زبانی دوستی کا دم بھرتے ہیں مگر میں تو ایک ہی مخلص کو ڈھونڈتی ہوں جسے میں نہیں پاتی۔ میں تو اس اپنے ایک پیارے کیلئے یوں سلگ رہی ہوں جس طرح اپلوں کے ریزے سلگتے رہتے ہیں (باقی سب دوست جھوٹے، سچا سجن ایک ہی مولیٰ ہے جو پیارا اور وحدہ لاشریک ہے، سالک کا مطمع نظر تو وہی ذات ہے۔)

فریدا اینہ تن بھو کنا، نت نت دکھیے کون
کنیں بجے لاے رہاں، بتی وگے پون

یعنی فرید! یہ بدن (یعنی یہ نفس) تو کتے کی طرح لالچی ہے۔ اس کی خواہشات پر روز روز کان دھر کے کون دکھی ہوتا رہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ کانوں میں روئی ٹھونس لوں تا کہ اس کی آواز مجھے نہ سنائی دے پائے پھر خواہ ہوا کتنی ہی تیز چلتی رہے (آواز ہوا کے دوش پر سفر کرتی ہے، بابا سائیںؒ کو اس وقت اس کا احساس تھا۔ مارکونی تو بعد میں آیا۔ وہ اپنے نفس کی خواہشات کے کچلنے میں بڑا مضبوط عزم رکھتے تھے۔ نفس کشی کی ہمت بابا جیؒ کی عملی روش سے میسر آتی ہے۔ عرب شاعر ابو العلاء معری کی طرح بابا فریدؒ بھی قامع الشہوت تھے۔)

رَبْ کھجوریں پکیاں، مَاکھیوں ئیں وَھن
جُوجُو وَنجے ڈِینھڑا سُو عُمر ے ھَتھ پَون

یعنی پروردگار نے کھجوریں پکادی ہیں۔شہد کی نہر بہہ رہی ہے لیکن جو دن گذرتا ہے وہ زندگی کو ہاتھ ڈالتا ہے (ہرگذرتا دن عمر کو کم کررہاہے، گنتی کے دن پورے ہوتے جارہے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس عارضی زندگی میں بھی انسان کو نعمتوں سے نواز دیا ہے۔)

تَن سُکا پنجر تھیا، تَلیاں کُھونڈن کاگ
اَجے سُو رَبْ نہ بَوھڑیو، ویکھ بَندے کے بھاگ!

یعنی بدن سوکھ کر ڈھانچارہ گیا ہے، کوے (مردہ جان کر) تلووں کو نوچنے لگے ہیں لیکن انسان کے مقدر دیکھو کہ ابھی تک اسے اپنا رب نہیں مل سکا۔(فاقہ کشی اور ریاضت کے باعث بابا سائیںؒ سوکھ کر ڈھانچا نظر آنے لگے تھے۔یہ بیت ان کی ہڈ بیتی کا مظہر ہے۔)

کاگا کرنگ ڈھنڈ ھولیا، سگلا کھایو ماس
ایہہ دُو نَینا مَت چُھو ھیو، پِر دیکھن کی آس

یعنی اے ڈھانچوں کی تلاش میں سرگرداں کوے! میرے ڈھانچے کا تمام گوشت کھالینا۔بس یہ دو آنکھیں رہنے دینا کہ انہیں اپنے محبوب کے دیکھنے کی آس ہے (آنکھ قدرت خداوندی کا کرشمہ اور انمول انعام ہے۔اہل اللہ اسی آنکھ سے اپنے اللہ کو دیکھنے کے آرزومند ہوتے ہیں، بابا سائیںؒ بھی ہیں، ان کا یہ شاعرانہ مضمون بعد میں آنے والے پنجابی شعراء کے ہاں بھی مقبول ہوا مثلاً حضرت باہوؒ نے بھی اسے لیا ہے مگر باباجی کو فضیلت وسبقت حاصل ہے۔)

کاگا چوں نڈ نہ پنجرا، بسّے تاں اُڈ جا
جت پنجرے میرا شوہ وَسّے ماس نہ تِنہاں کھا

یعنی اے کوے! ڈھانچے کو مت نوچ، اگر ہوسکے تو اڑ کر چلا جا اس لئے کہ جس ڈھانچے میں

میرا محبوب بستا ہے (میرے دل میں میرا ربّ ہے) اس کا گوشت کھانا تجھے زیب نہیں دیتا۔

کَاگَائیں نِکّاس نُوں، تُوں پِیْ کے رُخ لے جا
پَہلے نَیْن دِکھائے کے، پا چھے لیجئے کھا

یعنی اے کوے! میں تجھے اپنی آنکھیں نکال دیتا ہوں تو انہیں میرے پیارے کے پاس لے جانا، پہلے انہیں درشن کرا دینا، اس کے بعد کھا لینا۔ (یہ شعر داودی اور آصف میں نہیں لیکن بعض دیگر نسخوں میں پایا جاتا ہے)۔

ھَنسَاں وِیکھ تَرِنْدِیَاں، بگّاں آیا چا
ڈُبْ مُوئے بگّ بَپْڑے، سِرْ تَلْ اُپَا

یعنی ہنسوں کو تیرتے ہوئے دیکھ کر بگلوں کو بھی تیرنے کا شوق چرایا۔ مگر بیچارے اور نکمے بگلے پانی میں ڈوب مرے، سر نیچے اور پاؤں اوپر ہو گئے (بگلا صوفیوں کے ہاں منافقت کی علامت ہے جبکہ ہنس کو بابرکت اور مخلص تصور کیا جاتا ہے۔)

میں جانیا وَڈْھَنْس ھے، تاں میں کیا سَنگ
جے جاناں بگ بپڑا، جنم نہ بھڑیں انگ

یعنی مجھے بگلا بھی بڑا ہنس لگا اس لئے میں اس کے ساتھ ہو گیا۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ بڑا ہنس نہیں بلکہ بگلا بھگت ہے تو میں زندگی بھر اس سے اپنے جسم کا کوئی انگ بھی نہ ٹکرانے دیتا۔
(صحبت ناجنس و بد کا دھوکا بہت خطرناک ہوتا ہے۔)

گور نِمَانِیْ سَدْ کرے، نِگھرْیَا گھرْ آئو
سَرْ پَرْ مَیں تے آئو نا، مَرْنُوں نہ ڈرْ، آئو

یعنی بیچاری قبر بلاوے بھیجتی رہتی ہے کہ اے بے گھر انسان (دنیا میں تیرا مستقل گھر تو کہیں ہے

نہیں اس لئے) اپنے گھر آجاؤ (کیونکہ تمہارا پکا گھر تو میں ہی ہوں) مجھ تک تو لازمی طور پر آنا ہی ہے (اس لئے) تو مرنے سے مت ڈر (بلکہ جلدی) آجاؤ۔ (موت برحق ہے، یہ حق مالک نے سب کو دیا ہے۔ قبر بھی سب کا پکا گھر ہے۔ اللہ نے انسانوں کو مجبور کر دیا ہے کہ اپنے ہر بھائی انسان کو یہ گھر بنا کے دے، آدم کے بیٹوں سے یہ ریت چلی آ رہی ہے۔ اس شعر میں بابا سائیںؒ نے قبر سے مانوس ہونے کی تلقین فرمائی ہے اور وحشتِ قبر کو دور کر دیا ہے۔)

اینہاں اُونیناں ویکھدیاں، کِتّی چلی گئی
لوکاں آپو آپنی، میں آپنی پئی!

یعنی انہی آنکھوں کے دیکھتے کتنی ہی خلقت چلی گئی ہے، سب کو اپنی اپنی پڑ گئی ہے اور مجھے بھی اپنی پڑ گئی ہے (نفسا نفسی کا عالم تھا، سب کو جانا تھا۔ بابا سائیںؒ کی نظروں کے سامنے کتنے ہی لوگ چلے گئے۔ نہ کسی نے اجازت لی، نہ کسی کو خدا حافظ کہا جا سکا۔ اپنی اپنی باری سب جا چکے ہیں۔ بابا جیؒ بھی اپنی باری لے گئے۔ موت برحق ہے، ہر ایک نے جان دینی ہے۔)

آپ سنواریں میں مِلاں، میں ملیاں سکھ ہو
جے تُوں میرا ہو رہیں، سبھ جگ تیرا ہُو

یعنی اے انسان! اگر تو اپنے آپ کو سنوار لے تو میں (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) تجھے مل جاؤں گا اور اگر تجھے میں مل جاؤں تو تجھے سکون ملے اور اگر تو میرا ہو جائے تو ساری دُنیا تیری ہے (اللہ تعالیٰ اپنے نیک پاک بندوں کے ساتھ ہوتا ہے، انسان کا نیک پاک ہونا ہی اللہ تعالیٰ کی معیت کی علامت بھی ہے ضمانت بھی، اور جو اللہ کا ہو جائے؛ اللہ بھی اس کا اور اللہ تعالیٰ کی یہ کائنات بھی اس کی ہے۔)

کَندھی اُتّے رُکھڑا، کِچَرکُ بنّھے دھیر
کچّے بھانڈے رکھیئے، کِچَر تائیں نیر

یعنی دریا کے کنارے پر جو چھوٹا سا درخت ہے وہ کتنی دیر تک ہمت باندھے اور پانی کا مقابلہ

کرے؟ (وہ تو کٹاؤ سے جائے گا) اسی طرح مٹی کے کچے برتن پانی میں کب تک رہ سکتے ہیں؟ (یہی حال اس دنیا کا اور اس میں انسان کی زندگی کا ہے۔ مٹی کا بت ہے، کچے دھاگے کی طرح سانسیں ہیں۔ کس قدر بے ثبات اور عارضی زندگی ہے؟)

مَهل مَنگھن رہ گئے، وَاسا آیا ٿلي
گھوراں سے نمانیاں، ٻهسن رُوحاں ملیے
آکھیں شیخاں بندگی، چلڻ اڄ کہ کلي

یعنی محلات اور گھر چھوٹ گئے، بسیرا زیر زمین (قبروں میں) ہو گیا، بیچاری قبروں کو روحیں اپنی اپنی ملکیت بنا کر قبضہ کر لیں گی، بزرگوں کو آداب عرض کرنا ہر کر یہاں سے جانا آج یا کل ہو گا۔

مَوتے دا ایٹا اینویں بسّے جیوں دریاوے دا ڈھا ھا
آگے دوزخ تپیا سُنئیے، ھَول پَوے گھا ھا
اِکناں نُوں سَبھ سُوجھی آئی، اِک پھردے بےپرواھا
عَمَل جُو کیتے آدنی وِچ، سے درگاہ اگواھا

یعنی موت کا کنارہ یوں لگتا ہے جیسے دریا کا کٹاؤ سے گرتا ہوا کنارہ ہے۔ اگلے جہان کھولتا ہوا دوزخ بتاتے ہیں جس سے ہنگامہ خیز خوف طاری ہو جاتا ہے۔ کچھ تو ایسے ہیں جنہیں سب کچھ سمجھ آتا ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو بالکل بے پروا اور بے نیاز ہو کر پھرتے ہیں، جو عمل دنیا میں کئے ہیں وہ سو جگہ سامنے آئیں گے اور استقبال کریں گے۔

دریا دے کنڈے بنگلا، بیٹھا کیل کرے
کیل کریندے ھنجھ نوں، اچنتے باز پئے
باز پئے تِنھ رب، کیلاں وسریاں

جو مَنْ چِٹ نہ چیتے سَنْ، سَو گالھیں رَبْ کِیاں

یعنی دریا کے کنارے ایک بگلا بیٹھے ہوئے دل لگی اور لطف اندوزی کر رہا تھا۔ ہنس پر دل لگی کرتے ہوئے اچانک بازوں نے حملہ کیا، یہ حملہ آور باز اسی رب کے تھے، اسی لئے ہنس کو تمام دل لگی کی باتیں بھول گئیں۔ وہ باتیں جو وہم وگمان میں بھی نہ تھیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت نے کر دکھائی ہیں؟

ساڈھے تِرے مَنْ دَیہ رُیْ، چَلّے پَانیْ اَنْ
آیُو بَنْدَہْ، دُنی وِچْ، وَتّے آسُو نی بَنْھ
ملکْ الموت جَاں آوَسیْ سَبْھ دَروازے بَھنْ
ویکھو بندہ چلیا چونھ جَنْیاں دے کَنْھ

یعنی ساڑھے تین من کا جسم جو اناج اور پانی کے سہارے چلتا پھرتا ہے۔ یہ بندہ دنیا میں آیا اور امید باندھے پھرتا رہا۔ موت کا فرشتہ سب دروازے توڑ کر اندر آئے گا، ان سب پیارے بھائیوں کی موجودگی میں باندھ دے گا، دیکھ! وہی بندہ چار آدمیوں کے کندھے پر جانے لگا ہے۔ دنیا میں جو نیک عمل کئے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی اس کے کام آئیں گے۔

ھَون بَلھاری تِنھاں پنکھیاں، جنگل جِنھاں واس
کنکر چُگن، تھل وَسَّن، رب نہ چھوڈن پاس

یعنی میں ان پرندوں (درویش) پر قربان ہوں جو جنگل میں رہتے ہیں۔ سنگریزے کھاتے ہیں یعنی روکھی سوکھی کھاتے ہیں، ریگستانوں میں بستے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا قرب نہیں چھوڑتے۔ (اس لالچ کی پر فریب دنیا میں راہِ حق پر ثابت قدمی بہت مشکل ہے، صبر وقناعت کی قوت ہی کام آتی ہے۔)

رُت پھری، وَن کنبیا، پت جھڑیں، جھڑے پا
چارے کنڈاں ڈھونڈھیاں، رھن نکتھائوں نا

یعنی موسم بدل گیا، درخت کانپ گیا، موسم خزاں میں یعنی بڑھاپے میں پاؤں لڑکھڑائے، چاروں طرف تلاش کر کے دیکھ لیا ہے آرام سے سکونت کی اب کوئی جگہ نہیں رہی۔(بڑھاپے کی زندگی کو قرآن کریم نے **ارذل العمر** کہا ہے جس میں یاداشت تک جواب دے جاتی ہے، بابا جی نے یہ عمر پائی اس لئے اس سچائی کو ان سے بہتر کون جان سکتا ہے۔)

پاڑ پٹولا دھج کری، کمبلڑی پہریو
جنہیں ویسیں شوہ ملے، سے ای ویس کریو

یعنی خوبصورت ریشمی لباس کی دھجیاں بنا ڈالیں اور چھوٹا سا کمبل اوڑھ لیا، جس بھیس میں بھی محبوب ملتا ہے وہی بھیس بنا لیا۔(ریشمی لباس چھوڑ کر اونی لباس اختیار کر کے بابا سائیں صوفیہ کرام کی دنیا میں آگئے لیکن اس یقین کے ساتھ کہ اسی صوفیانہ لباس کو مولیٰ جل جلالہ پسند فرماتے ہیں۔)

تنہاں مکھ ڈراونے، جنہاں وساریا نائوں
ایتھے دُکھ گھنیرے آ، اگے ٹھور نہ ٹھائوں

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک کو بھول جاتے ہیں۔ان کے چہرے بھی ڈراونے بن جاتے ہیں، اس دنیا میں بھی انہیں بہت دکھ اُٹھانے پڑتے ہیں اور آگے آخرت میں کوئی جگہ یا پناہ نہیں ملتی ہے۔(جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے۔اس کی دنیاوی زندگی بھی تنگی کی ہوتی ہے اور آخرت میں تو ہم انہیں اندھا اٹھائیں گے۔(قرآن، سورہ طٰہٰ)

پچھلی رات نہ جاگیوں، جیوندڑو مویوں
جے تیں رب وساریا، تیں رب نہ وسریوں

یعنی تو نماز تہجد کے لئے رات کے پچھلے پہر بیدار نہ ہوا (تو گویا تو تو) جیتے جی ہی مر گیا، اگر چہ تو نے اپنے رب کو بھلا دیا ہے مگر تجھے تیرے رب نے تو نہیں بھلایا۔

پہلے پہرے پھُلڑا، پھل بھی پچھا رات
جو جاگن لہن سے، سائیں کنوں دات

یعنی رات کے پہلے حصہ میں یادالٰہی ایک ننھا سا پیارا سا پھول ہوتا ہے، رات کے پچھلے پہر کی یہی یادالٰہی پھل بھی لے آتی ہے (قیام اللیل کی سعادتیں اور برکتیں ہیں) اور جو رات بھر جاگتے ہیں وہ اپنے رب کی بخشش سے نوازے جاتے ہیں۔

داتیں صاحب سندیاں، کیا چلے تس نال !؟
اک جاگندے نہ لہن، اکناں ستیاں دے اٹھال

(یہ شعر بابا گرونانک کا ہے جو بابا فرید سائیں کے اوپر والے شعر کے جواب میں کہا گیا) نعمتیں تو مولیٰ کی دین ہیں، اس پر کیا زور چل سکتا ہے، کچھ کو تو جاگتے ہوئے بھی کچھ نہیں ملتا اور کچھ کو رب خود جگا کر عطا فرما دیتا ہے۔ (بابا گرونانک جی کا یہ شعر بتاتا ہے کہ انہیں قرآن کریم پر کتنا عبور تھا۔)

ڈھونڈ ھیندیئے سہاگ کوں! توتن کائی کور
جنہاں نائوں سہاگنیں تنہا جھاک نہ ھور

یعنی اے شوہر کی تلاش میں رہنے والی! تیرے بدن میں کوئی عیب ہے ورنہ جو سہاگنیں کہلاتی ہیں انہیں کسی اور کی طلب نہیں ہوتی۔ (جس طرح شوہر سے مطمئن عورت کو کسی غیر مرد کی طلب نہیں ہوتی اسی طرح جو اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان رکھتا ہے وہ غیر اللہ کو اپنے دل اور عقیدے میں گوارا نہیں کرسکتا، پاکدامن عورت کو مومن صادق سے اور بدکار عورت کو مشرک سے تشبیہ صوفیہ کا قرآنی طریق ہے۔)

صبر مُنجھ کمان اے، صبر کا نیھنوں
صبر سند ابان، خالق خطا نہ کروں

یعنی صبر میری کمان ہے، صبر ہی میرا چلّہ اور صبر ہی اس کا تیر ہے اللہ کرے میرا نشانہ خطا نہ ہو (صبر سے بہتر مومن کے لیے اور کوئی اسلحہ نہیں ہے۔)

صبر اندر صابری، تن ایویں جالین
ھوں نزدیک خداں دے، بھیت نہ کسی ڈین
یعنی صبر (ایک ایسی لذیذ کیفیت ہے) کہ اس میں صبر کرنے والے لوگ اپنا جسم اسی طرح گلا دیتے ہیں، وہ اس صبر کے طفیل قرب الٰہی پاتے ہیں مگر اپنے دل کا راز کسی کو نہیں دیتے۔ (مومن اجر کی خاطر مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اجر پاتا ہے مگر اف نہیں کرتا اور اپنی مصیبت کا کسی کو پتہ بھی نہیں چلنے دیتا۔)

صبر ایہہ سو ائو، جے توں بندئہ ڈڑ کریں
وڈھ تھیویں دریائو ٹُٹ نہ تھیوے واھڑا
یعنی صبر ایک جینے کا رستہ ہے، اگر تو اللہ کا بندہ ہے تو اس بات پر یقین کر لے، تو صبر سے ایسے دریا سے بھی بڑا بن جائے جو ٹوٹ کر چھوٹا سا نالہ کبھی نہیں بنتا۔ (صبر ایک سلیقہ زندگی ہے جو انسان کو دریا سے بھی زیادہ طاقتور بنا دیتا ہے، اس سلیقہ زندگی پر جو عمل پیرا ہو جاتے ہیں وہ ٹوٹتے نہیں۔)

درویشی گا گھڑی، چوپڑی پریت
ایکن کنے چالیئے، درویشاں دی ریت ؟!
یعنی درویشی ایک کٹھن راہ ہے مگر خوشگوار پریت بھی ہے، لیکن یہ درویشانہ طریقہ ہر کسی نے کس طرح اپنا لیا ہے۔ (اس کٹھن مگر لذیذ راہ زندگی کو ہر کہ و مہ اپنا نہیں سکتا۔)

تن تپے تنور جیوں، بالن ھڈبلن!
پیریں تھکاں، سریں جُلاں، جےموں پری ملن!!
یعنی میرا جسم تنور کی طرح دہک رہا ہے جس میں میری ہڈیاں بطور ایندھن جل رہی ہیں، اگر مجھے محبوب مل سکے تو پاؤں سے تھکنے کے بعد سر کے بل چلنے کے لئے بھی تیار ہوں۔

تن نہ تپا تنور جیوں ، بالن ھڈّناہ بال
سر پیریں کیا پھیڑیا ، اندر پری نہال!

یعنی تنور کی طرح بدن کومت گرما اور نہ اپنی ہڈیاں ایندھن کے طور پر جلا، بلکہ سر اور پاؤں کو کیا تکلیف دیتا ہے۔ اپنوں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ دل کے اندر جھانک اور حبیب قلب سے سرور واطمینان حاصل کرلے۔

سَرُ وَرُ پنکھی ھیکڑو، پھاھی وال پچاس
ایہ تن لہریں گڈّتھیا ، سچّے تیری آس

یعنی تالاب میں پرندہ صرف ایک ہے (اس دنیا میں آدمی تنہا ہے) مگر اسے پھانسنے والے، راستہ روکنے والے (خواہشات، لالچ، آرزوئیں وغیرہ) پچاسوں ہیں، یہ بدن تن تنہا ان دنیاوی لہروں میں پھنس گیا ہے اس لئے اے سچے سائیں تیرا ہی سہارا ہے۔

کون سو اکھر ، کون گن ، کون سو منیا منت
کون سو ویسو ھون کری جت وس آوے کنت

یعنی وہ کونسا حرف ہے، کون سی خوبی ہے کون سا مانا ہوا مجرب منتر ہے یا وہ کون سا لباس ہے جس سے میرا محبوب میرے قابو میں آئے گا (یعنی کیا جتن کروں کہ خدا راضی ہو جائے؟)

نوَن سو اکھر ، کھون گن ، جیبھا منیا منت
ایہ ترَے بھینے ویس کر ، تاں وَس آوی کنت

یعنی (جیسا کہ ظاہر ہے یہ شعر بابا فرید سائیں کے گذشتہ شعر کا جواب ہے جو بابا گرونانک نے دیا ہے) حرف عاجزی کا (یعنی بول میں تواضع اور عاجزی ہو)، خوبی نرمی وحلیمی والی اور زبان کا مانا ہوا جادو (یعنی میٹھا بول) درکار ہے، اے بہن! تو یہ تین بھیس اختیار کرلے تو محبوب تیرے بس میں ہوگا (اللہ تعالیٰ کو تواضع، حلیمی اور شیریں کلامی پسند ہیں، اس لئے جس سالک کو یہ تین رنگ میسر آجائیں اللہ تعالیٰ کا وہ پسندیدہ ہوگیا۔)

مست هوندی ، هوئے ایانا ، تان هوندے ، هوئے نتانا
ان هوندے ، آپ ونڈائے ، کوئی ایسا بهگت سدائے

یعنی عقل ہوتے ہوئے بھی بچہ بن کر دکھائے۔ طاقت ہونے کے باوجود بھی خود کو بے طاقت اور کمزور ہی ظاہر کرے۔ پاس کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے ساتھ لوگوں کو شریک کرے۔ اگر کوئی ایسا آدمی ہوتو وہ درویش کہلانے کا مستحق ہے۔ (درویشی کا معیار یہ ہے کہ بڑا بننے کی کوشش نہ کرے، طاقت کا اظہار نہ کرے اور تنگ دستی میں بھی دل کا سخی ہو، یہ تین اوصاف ہوں تو درویش ہے۔)

اک پهکانه گا لائیں ، سبهنا میں سچا ڈهنی
هیائو نه کهیں ٹهائیں ، مانک سبهٔ امُولوین

یعنی بس روکھی بات کسی سے نہ کرنا، اس لئے کہ سب انسانوں کے دلوں میں سچا رب بستا ہے جو بے نیاز ہے، کہیں کسی کا دل مت دکھانا، دل کے موتی سب انمول ہوتے ہیں۔

سبهنا من مانک ، ٹهاهن مُوک مچانگوا
جے تو پریاای سک ، هیائو ٹهاهیں کهیں دا

یعنی دل تو سب کے موتی ہوتے ہیں، اس لئے ہرگز مت توڑنا انہیں ٹھیس پہنچانا اچھا نہیں، اگر تجھے محبوب کے ملنے کی آرزو ہے تو پھر دوسروں کا دل مت توڑنا۔

(گفتار امید اوّل)

مندرجہ ذیل شعری قطعات گرو گرنتھ میں موسیقی کے مختلف عناوین کے ساتھ آئے ہیں۔ سب سے پہلا قطعہ یہ ہے۔

(۱)

دلوں محبت جِیں سے ای سچے آ
جنہاں من ہور، مکھ ہور سے کانڈھے کچے آ

یعنی جنہیں دلی محبت ہوتی ہے وہی سچے ہیں۔ جن کے دل میں کچھ اور ہو مگر ان کے منہ میں یا زبان پر کچھ اور ہو تو یہ بول ناپختہ ہوتے ہیں۔

(۲)

رتے عشق خدائے رنگ دیدار کنے
وسریا جیں نام تے بھُوئیں تھئے

یعنی جو عشق الٰہی میں رنگے ہوئے ہیں انہیں خدائی صفات اور اپنے مولیٰ کا دیدار بھی نصیب ہوتا ہے مگر جنہیں ذکر اللہ تک بھی بھول چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اس سرزمین پر سراسر بوجھ ہی بوجھ ہیں۔ (غافل از خدا سے تو کتا بہتر ہے جو رات بھر جاگتا اور کم از کم بھونکتا تو ہے۔)

(۳)

آپ لئیے لڑ لا، در درویش سے
تن دھن جنیندی مائو، آئے سپھل سے

یعنی جنہیں خدا نے خود کسی مرد حق کے در سے وابستہ کر دیا۔ انہیں جنم دینے والی ماں بڑی بابرکت ہے کہ وہ تو کامیاب ہوگئے۔ (جسے اللہ تعالیٰ کسی مرد حق کے دامن سے وابستہ ہونے کا شرف عطا فرمادے وہی کامیاب ہے اور اسے جنم دینے والی ماں بھی بابرکت ماں ہے۔

(۴)

پــرور دگـــار ،اپـــار ،اگــم ،بـے انـت تــوں
جـنہــاں پـچھــا تـا سـچ چُـمـاں پَیر ،موں

یعنی (یا اللہ!) تو سب کا پالنہار، لامحدود، برتر غیر فانی یعنی رب، واسع، اعلیٰ اور حی ہے۔جن لوگوں نے تجھے حق جانا اور ایمان لائے میں ان کے پاؤں اور منہ چومتا ہوں۔

(۵)

تیـری پـنـاہ خـدایـا تـوں بخـشـنـد گـی
شـیـخ فـریـد ے خیــر دیـجـئـے بـنـد گـی

یعنی اے خدا! تو سراپا عطا ہے۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔تو شیخ فرید کو اپنا پکا عبادت گزار بننے کی توفیق عطا فرمادے۔

(گفتار امید دوم)

(۱)

بـولـے شیـخ فـریـد پیـارے! الـلــہ لگـے!
ایـہ تـن ھـو سـی خـاک نمانی گـور گھرے!

یعنی (بابا سائیں) شیخ فرید کہتے ہیں کہ اے پیارے دوست اللہ جل شانہ سے لو لگائے رکھ، (تیری جان نکل جائے گی تو تیرا) یہ بدن تو خاک ہو جائے گا۔مسکین مٹی کا حصہ بن جائے گا (اس لئے کہ تیرا اصل) گھر قبر ہے۔(یہ چند روزہ زندگی یاد خدا میں گزار کر اپنی عاقبت سنوار لو۔یہی دانائی کی بات ہے۔خاک ہونے سے پہلے کچھ نیک عمل کرلو۔)

(۲)

اج مــــــلاوا شیـــــــخ فـــــــریـــــــد
ٹھاکم کـو نجـڑیـاں ،مَـنوں مچندڑیاں!

یعنی آج اس دن کو تو شیخ فرید کی ملاقات ہے۔آج تو وہ خوشیاں ملنے والی ہیں جن کے لیے دل

مچلتا رہتا ہے (بوقت مرگ بندہ مومن کی یہی شان ہے کہ اسے دنیاوی امتحان گاہوں سے کامیاب وکامران ہوکر اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کا شرف حاصل ہونا ہوتا ہے، اسی کی طرف شاعر مشرق نے بھی متوجہ فرمایا تھا کہ:

نشانِ مرد مومن با تو گریم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست!

(۳)

جے جانا مر جائیے، گھم نہ آئیے
جھوٹھی دنیا لگ نہ آپ ونجائیے!!

یعنی اگر ہمیں یہ پتہ ہے کہ ہم مر جائیں گے اور لوٹ کر نہیں آئیں گے تو ہم اس جھوٹی دنیا کے پیچھے پڑ کر اپنی زندگی کو ضائع کیوں کریں (موت کا یقین ہے مگر پھر بھی لوگ آخرت کے بجائے دنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔)

(۴)

بولیئے سچ دھرم، جھوٹھ نہ بولیئے
جو گرد سے واٹ، مریدان جو لئیے

یعنی ایمانداری کے ساتھ سچ بات کہنا چاہیے۔اور جھوٹ کبھی نہیں بولنا چاہیے، مرشد وقائد جو طریقہ بتائے اس پر اطاعت گذار مریدوں کی طرح عمل کرنا چاہیے۔

(۵)

چَھیل لنگھیندے پار، گوری من دھیریا
کنچن ونے پاسے، کلوَت چیریا

یعنی (پل صراط ایک مرحلہ ہے جس سے) طاقتور جوان (مرشد کامل) پار کر دیتا ہے جبکہ نازک

حسینہ (مرید ناقص) تو آہستہ آہستہ دل میں سوچتی رہ جاتی ہے۔سونے کے پجاری دنیاداروں کے تو پہلو آری سے چیر دیئے جائیں گے۔(مرحلہ موت کے بعد پل صراط کا نازک مرحلہ بھی آتا ہے جہاں سے گذر کر ہی جنت الفردوس کے قابل ہو سکتے ہیں۔)

(۶)

شیخ !حیاتی جگ ،نہ کوئی تھر رهیا
جس آسان هم بیٹھے ،کیتی بیس گیا !!

یعنی شیخ جی! جان ہے تو جہاں ہے۔(جو ہم نہ رہے تو ہمارا جہاں کہاں؟) یہاں پر کوئی بھی غیر فانی نہیں ہوا، جس نشست پر اس وقت ہم بیٹھے ہیں یہاں کتنے ہی بیٹھ کر جا چکے ہیں۔

(۷)

کتک کو نجا ، چیت ڈونه ساون بجلیاں
سیالے سو هندیاں پر گل باهڑیاں

یعنی (برمحل ہوں تو کیسے خوبصورت مناظر ہیں) خزاں کے موسم میں اڑتی ہوئی مرغابیاں، چیت کے ماہ بہار میں پورے جوبن والی بہار اور سردی کے موسم میں محبوب کے گلے میں بازو حمائل کر کے سونے والیاں (مگر یہ سب معرض فنا کی لذتیں ہیں، اصل لذت عمل صالح کی ہے جو ساتھ جائے گا)۔

(۸)

چلے چلنهار ،وچار ان لے ئے منو
گڈیندیاں ن چھ ماہ تڑیندیاں هک کهنو

یعنی فانی مسافر چل پڑے ہیں، اپنے اپنے خیالات دلوں میں لئے، گانٹھنے جوڑنے میں ماں کے پیٹ میں چھ ماہ لگ گئے مگر توڑتے اور مٹاتے ہوئے صرف ایک پل۔(انسان مسافر ہے، دنیا ایک سرائے ہے مسافر نے سرائے چھوڑ کر جانا ہی ہے۔کتنی المناک حیرت ہے کہ منصوبے بنانے میں مدتیں صرف ہوتی ہیں مگر مٹانے میں صرف ایک پل۔یہ ہے اس دنیا کی حقیقت ہمارے اس عظیم صوفی شاعر کے نزدیک۔)

(۹)

زمی پُچھے اسمان فریدا، کھیوٹ کن گئے

جالن گوراں نال الاھمے جیو سھے

یعنی اے فرید! زمین آسمان سے پوچھتی ہے کہ بڑے بڑے لوگ کدھر چلے گئے؟ (جواب آتا ہے) وہ قبروں میں سزا بھگت رہے ہیں اور اس کے ساتھ دل کو طعنے بھی سننے پڑتے ہیں۔ (یہ صرف چند روزہ زندگی تھی، سب کو جانا پڑا، اب حشر تک خاک میں پڑے رہنا ہے۔)

(حمد و مغفرت کا گیت)

بابا سائیں کا یہ قطعہ شعری راگ سوہی کے لیے موزوں قرار پایا۔

تپ تپ لوہ لوہ ھاتھ مروڑو

باول ھوئی سو شوہ لوڑہ

یعنی وہ جلتے جلتے تڑپتے تڑپتے ہاتھ ملنے لگی، پاگل ہوئی تو محبوب کو ڈھونڈنے لگی۔ (آخری وقت میں خدا یاد آتا ہے تو روح انسانی اپنی کوتاہی پر پچھتانے اور تڑپنے لگتی ہے۔ مگر تلافی، مافات کا وقت کہاں؟

تیں شوہ، من ماں کیسا روس

مجھ اوگن شوہ ناھیں روس

یعنی اے میرے محبوب مالک! تیرے دل میں کیا ناراضگی ہے؟ میرے رب! مجھ بدنصیب کا تو کوئی قصور نہیں، بس بدنصیب ہوں مگر تیرے حضور حاضر ہوں۔

تیں صاحب کی میں سار نہ جانی

جوبن کھوئے، پاچھے پچھتانی

یعنی تُو میرا رب ہے مگر میں نے تیری قدر ومنزلت کو نہ پہچانا، میری جوانی کی رونقیں اور حسن وکمال سب کھو گئے، اب بعد میں پچھتاوا اور ندامت ہے (اللہ تعالیٰ کو خود بھی اپنے غافل بندوں سے یہی گلہ ہے کہ ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ومنزلت کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق ہوتا ہے۔'' (سورۃ الانعام)

کالی کوئل تو کت گن کالی ؟
اپنے پریتم کے ہوں برھے جالی !

یعنی! اے کالی کوئل! تو کالی کس وجہ سے ہے؟ اس نے جواباً کہا میں تو اپنے پیارے کی جدائی کی جلائی ہوئی ہوں۔ (دردِ فراق نے مجھے جلا کر کالا کر دیا ہے۔)

پرھے بے ہوں، کتھ سکھ پائے
جاں ہوئے کرپال، تاں پربھو ملائے

یعنی محبوب کے بغیر کس طرح سکھ چین میسر آئے؟ اگر اللہ تعالیٰ مہربان ہو جائے تو وہ ملا دے (بچھڑے رب ملائے۔ ملاپ بنا سکھ بھی تو نہیں ملتا۔)

وبھن کھوھی، مُندھ اکیلی
نہ کو ساتھی، نہ کو بیلی

یعنی (یہ دنیا) ایک ڈراؤنی کنواں ہے۔ جہاں (انسانی روح تنہا ہے، نہ اس کا کوئی ساتھ ہے نہ یار و مددگار۔ (دنیا کی مذمت، تحقیر اور ناپسندیدگی کے لیے اس سے زیادہ کیا کہا جائے؟)

کر کرپا پربھے سادھ سنگ میلی
جاں پھر دیکھاں تاں میرا اللہ بیلی

یعنی اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما کر مجھے سیدھے سادے اچھے درویشوں کی سنگت میں شامل کر دیا ہے، چنانچہ اب میں جدھر دیکھوں تو مجھے نظر آتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی مدد اور سہارا مل گیا ہے۔

واٹ ھماری کھری اڈینی
کھینوں تکھی بہت پئینی

یعنی ہمارا راستہ بے حد کٹھن ہے۔ جو تلواروں سے زیادہ تیز اور بے انتہا خطرناک بھی ہے۔ (راہ تقویٰ وطریقت بہت نازک اور کٹھن ہے پھر پل صراط بھی سامنے ہے۔)

اس او پرھے مارگ میرا
شیخ فرید اپنتھ سمہار سویرا

یعنی اس پل صراط کے اوپر سے میری گذرگاہ ہے۔ اس لئے اے شیخ فرید! سویرے سویرے رستہ پکڑ لو۔ (اس نازک اور پرخطر پل سے گذرنے کے لئے جلدی جلدی بروقت تیاری کر لو۔)

(راگ سوہی للت)

بیڑا بندھ نہ سکیوں بندھن کی ویلا
بھر سرور جب اچھلے تب ترن ڈھیلا

جب مرتب کر کے باندھنے کا وقت تھا تو تو اپنا بیڑا تیار کر کے باندھ نہ سکا، لیکن جب جھیل پانی سے بھر گئی اور پانی کناروں سے بہنے لگا تو تجھے بیڑا بنانا یاد آیا۔ اب تو تیرنا بہت مشکل کام ہوگا۔ (بے عملی نے ڈوبنا ہے، صرف سرمایہ عمل صالح ہی بیڑا پار کر سکتا ہے۔)

ہتھ نہ لا کسمبھڑے

جل جاسی ڈھولا

یعنی اس کسمبے کے پھول کو مت چھو، پیارے! جل جائے گا۔ (دنیا کا خیال چھوڑ دے، اس کا پیچھا نہ کر، پاگل ہو جائے گا۔)

اک اپنی پت لے، شوہ کیرے بولا

دُدھ تھنے نہ آوے، پھر ہوئے نہ میلا

یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد (پیغام) ہر وقت آتا رہتا ہے کہ اے انسان! یہ پیغام سن لے جس طرح دودھ دوبارہ تھنوں میں نہیں ڈال سکتے۔ اسی طرح اس دنیا کے میلے میں تجھے بھی دوبارہ آنا نصیب نہ ہوگا (اس لئے کچھ کرنا ہے تو آج ہی کر لے۔)

کہے فرید سہیلیو! شوہ الیسی

ہنس چلسی ڈمنا، ایہہ تن ڈھیری تھیسی

یعنی فرید کہتا ہے اے ساتھیو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آئے گا تو نیک روح تو ھنس کی طرح عاجزی سے چل کر جائے گی مگر یہ مادی جسم گنہگار تو گر کر ڈھیر ہو جائے گا۔ (جب اللہ تعالیٰ روحوں کو بلائے گا تو نیک روحیں تو چل کر پہنچ جائیں گی مگر بد روحیں چل نہیں پائیں گی، وہیں گر پڑیں گی۔)

فصل پنجم:

بقیہ کلام فریدؒ (جو گرو گرنتھ صاحب سے باہر ہے)

بابا سائیں کا یہ کلام گرنتھ سے باہر کا ہے جو آصف خان مرحوم داؤدی اور پیارا سنگھ پدم کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہاں داودی صاحب کو اصل بنیاد اور باقی حضرات کے مجموعوں کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔

اٹھ فریدا ستیا، جھاڑو دے مسیت
تو ستا، رب جاگدا، تیری ڈاڈھے نال پریت

یعنی سوئے ہوئے غافل فرید! اُٹھ کھڑا ہو اور مسجد میں جا کر جھاڑو دے، تو سویا ہوا ہے اور رب تعالٰی جاگتے ہیں، پتہ نہیں تیری کس سخت ہستی کے ساتھ دوستی ہے۔ (اللہ والا ہونا آسان کام نہیں ہے، راتوں کا آرام قربان کرنا پڑتا ہے تب رضائے الٰہی کی توقع ہو سکتی ہے، بابا سائیں کی تواضع اور تقوی ملاحظہ ہو کہ مسجد میں ذکر و عبادت کے بجائے مسجد کی صفائی کی بات کی تا کہ ریا کاری سے بچا جائے۔)

اج کہ کل، کہ چونہہ دیہیں، ملک اساڈی ھیر
کیں جتا کیں ھاریو، سودا ایہی ویر!

یعنی! آج یا کل، یا چار دنوں میں ھیر جیسی ھستی ہماری ہوگی، کون جیتا کون ہارا، میرے بھائی! یہی سودا سمایا ہے۔ (جس نے سب کو دنیا کے پیچھے لگا رکھا ہے۔ ہر آدمی پر حصول مطلب کا جنون سوار ہے۔)

اچا کر نہ سد فریدا، رب رلاں ریاں جاندا
جے تدھ وچ قلب، سو مجھا ھوں دور کر

یعنی اے فرید! اسے بلند آواز سے مت پکار، رب تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میں جب تیرے دل میں ہوں تو مجھے یوں دور سے کیوں پکارتا ہے؟ (اونچا بولنا، غضب اور تکبر کی دلیل ہے، اسی لئے

قرآن کریم میں اونچی آواز سے منع کیا گیا ہے اور اسے گدھوں کی علامت بتایا گیا ہے کہ ''انکر الاصوات لصوت الحمیر'' سب سے ناپسندیدہ آواز گدھوں کی ہوتی ہے۔)

اساں تساڑی سجنو اٹھو پہر سمھال

ڈینہوں وسو منے ماں، راتیں سپنے نال

یعنی دوستو! ہمیں تو تم آٹھ کے آٹھ پہروں میں یاد رہتے ہو، دن کو دل میں ہوتے ہو اور راتوں کو ہمارے خوابوں میں ہوتے ہو۔ (یعنی تمہیں اے میرے بندو میں ہر وقت یاد رکھتا ہوں، اسی لیے تو اللہ کے پیارے اٹھتے سوتے جاگتے اس کا ذکر کرتے ہیں۔)

اکناں مت خدائے دی، اکناں منگ لئی

اک رتی مول نہ گھندے جیوں پتھر بوند پئی

یعنی کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جنہیں خدا نے عقل اور سمجھ عطا فرما رکھی ہوتی ہے، کچھ ایسے ہیں جو مانگ لیتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سے، یا دوسروں کے مشورے سے) کئی ایک ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر انہیں عقل کی بات سمجھاؤ تو بھی قبول نہیں کرتے، یہ ویسے ہی ہے جیسے پتھر پر پانی گرے تو کیا فائدہ؟ (لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں: کچھ کے پاس فطرتی عقل ہوتی ہے، کچھ مشورہ سے مت لیتے ہیں، کچھ کے لیے عقل کی بات بیکار ہے۔)

اک وھاجیں لون فریدا، بیا کستوری جھنگ چوے

باھر لائے صبون، اندر ھچھا نہ تھیوے

یعنی کچھ تو نمک بیچتے ہیں اے فریدا! جبکہ دوسرا خوشبو کے جھلے برساتا پھرتا ہے۔ (کسی کی زبان نمک پاشی کرتی ہے اور کسی کے میٹھے بول راحت رساں ہوتے ہیں) کوئی ایسا ہوتا ہے جو اپنے ظاہر کو صابن سے دھوتا چمکاتا رہتا ہے مگر اس کا باطن اچھا نہیں ہوتا۔ (یعنی ایک دیکھنے میں اچھا مگر دل کا برا مگر دوسرا بظاہر اچھا نہ بھی ہو لیکن دل کا نیک ہوتا ہے، بابا سائیں بشری طبائع کی بات کرتے ہیں)

اکے تاں سکن سک ،اکے تاں پچھ سکندیاں
تنہاں پچھے نہ مک، جو سکن سار نہ جانن

یعنی یا تو تو اپنے اندر شوق انتظار پیدا کر یعنی بیقراری سے انتظار کرنا سیکھ اور خود کو اس مرحلے سے گذار اور یا پھر انتظار کا بوجھل ہونا ان سے دریافت کر جو شوق انتظار کے مرحلے سے گذرے ہیں، ان کی خاطر ہلکان مت ہو جو لذت انتظار سے آشنا ہی نہیں۔

اکے تاں لوڑ مقدمی اکے تاں اللہ لوڑ
لوہاں بیڑی نہ لت دھر ،ونجیں و کھر بوڑ

یعنی یا تو دنیاوی ترقی کی تلاش کر اور یا پھر اللہ تعالیٰ کی طلب میں رہ دونوں بیڑیوں میں ٹانگ مت اڑا؛ ورنہ دونوں جگہ تنہا ہو کر ڈوب جائے گا۔(صوفیہ کے نزدیک اللہ کی رضا چونکہ اصل ہے اس لئے وہ صرف رضائے ربانی کے طالب ہوتے ہیں۔ان کے ہاں دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی چونکہ ضد ہیں اس لئے دونوں کی بیک وقت طلب دونوں جگہ کی ہلاکت ہے۔)

آئوو، لدھو، ساتھڑو، ایویں ونج کریں
مول سنبھال لیں آپنا پاچھے لاھالیں

یعنی اے پیارے ساتھیو! آؤ تلاش کرتے ہیں اور اس طرح کر لیتے ہیں کہ اپنا اپنا اصل زر یا سرمایہ پہلے لے لیتے ہیں۔(اپنے اعمال کا محاسبہ پہلے کر لیتے ہیں) پھر بعد میں منفعت اور بچت لے لیں گے۔(اجر بھی پالیں گے۔)

ایہ جو جنگل رکھڑے، ہریل پت تنہاں
پو تھا لکھیا ار تھدا، ایکس ایکس ماںھہ

یعنی یہ جو جنگل میں درخت ہیں اور ان کے پتے سبز ہیں۔ان میں سے ہر ایک پر سب کی زندگی

اور خواہش کا نوشتہ ایک جیسا تحریر ہے۔

ایہہ مسجدیں ربو تھیاں، رکھیاں رب سوار
جاں جاں ایس جہاں ماں، تاں تاں ویکھیں جار

یعنی یہ مساجد جو رب کی طرف سے تعمیر ہوئی ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے سنوار کر رکھا ہوا ہے۔ جب تک یہ اس دنیا میں ہیں یار لوگ انہیں دیکھتے رہیں گے۔

بڈھا تھیا شیخ فرید، کنبن لگے ڈاھل
ٹنڈڑیاں جل لانیاں، ٹٹن لگی ماھل

یعنی۔ شیخ فرید بوڑھا ہوگیا ہے اور اس کی ٹانگیں اور بازو کانپنے لگے ہیں اور وہ لوٹے جو کنویں سے پانی لاتے اور انڈیلتے رہتے تھے۔ وہ سب اپنی رسی سمیت ٹوٹنے لگے ہیں۔ یعنی جسم کا ڈھانچہ باقی اعضاء سمیت اب ٹوٹا کہ ٹوٹا اور آدمی اللہ کو پیارا ہوا چاہتا ہے۔

جت تن برھا اپجے، تت تن کیا ماس؟
ات تن ایہ بھی بہت ھے: ھاڑ، چام اور ماس!

یعنی جس جسم کو جدائی و فراق سے واسطہ پڑے اس میں بھلا گوشت کیسا؟ مگر اس تن کے لیے یہ بھی بہت ہے کہ اسے ہڈیاں، چمڑا اور گوشت میسر ہے۔ (بیشک درد فراق خون خشک کر دیتا ہے مگر صرف ہڈیاں، جلد اور کچھ گوشت موجود ہو تو بھی کافی ہے۔)

پریتم اتم مت جانیا، تم بچھڑت ھم چین
ڈانھے بن کی لاکڑی، سلگت ھون دن رین

یعنی پیارے یہ مت خیال کرنا کہ تم بچھڑ گئے تو ہم نے سکھ پایا بلکہ میں تو کسی سخت جنگل کی گیلی

کچی لکڑی کی طرح دن رات سلگتا رہتا ہوں۔(محبوب کی جدائی پر چین کہاں؟جدائی میں تو گیلی لکڑی کی طرح دن رات سلگنا ہوتا ہے۔نہ آگ جلا کر خاکستر کرتی ہے نہ بجھتی ہے،اذیت فراق ختم نہیں ہوتی۔)

پری وِسارن بیاروَن کو بدھ جوین
کنچن راس وسار کر، مُٹھی دُھوڑ بھرین

یعنی اپنے محبوب کو بھلا کر یا پس پشت ڈال کر کوئی اور قبول کر لینا کون سی عقل مندی کی بات ہے۔یہ تو ایسے ہی ہے کہ تو سونا پس پشت ڈال دے اور اپنی مٹھی میں خاک بھر لے۔

پیریں بیڑا ٹھیل کے، کنڈھیں کھڑ انہ رو
وت نہ آون تھیسیا، ایت نہ نیندڑی سو

یعنی کشتی دریا میں ڈال کر اسے عبور کر لے۔کنارے پر کھڑے ہوئے مت رو، پھر تجھے دوبارہ یہاں نہیں آنا ہوگا اس لیے اتنی میٹھی اور لمبی نیند مت سویا کر۔

پیریں کنڈھے پندھڑا، سیتی سجانا
بھٹ ھنڈولے دا پینگھنا، سیتی اجانا

یعنی راستے کا سفر کنارے کنارے تیر کر عبور کر لینا، نیکی حاصل کرنے کے لئے پنگھوڑے میں جھولنا بھاڑ میں جائے یہ بے فائدہ کام ہے۔(ہندی کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے مقولوں کی شکل میں یا نصیحت کے انداز میں ایسا موزوں کلام تیار کرنا حضرت امیر خسرو کا سا اسلوب ہے جو غالباً انہوں نے حضرت بابا سائیں سے اپنایا ہوگا؟)

تِکل کا سہ کاٹھ دا، وا ساو چ وَنّار
باریں اندر جالنا، درویشاں تے ھر نار

یعنی کمر میں گداگری والا لکڑی کا کشکول، رہن سہن درختوں میں، جنگلات کے اندر گذر اوقات

کرنا سادھو درویشوں اور ہرنوں کا کام ہے۔(اسی کو بن باس یعنی جنگل کا باسی بننا بھی کہتے ہیں۔)

تن رھیا، من پھٹیا، طاقت رھی نہ کائے
اُٹھ پری، طبیب تھیو، کاری دارو لائے

یعنی جسم نے جواب دے دیا ہے (کام سے رہ گیا ہے) دل بھی خراب ہو گیا ہے اور طاقت بھی نہیں رہی ہے اس لیے اے پیارے اُٹھ کھڑا ہو کہ طبیب حاضر ہے۔اس کے پاس بڑی مفید دوا ہے۔ (یعنی فرشتہ اجل ہی اب آخری معالج ہے جس کا نسخہ بہر حال تیر بہدف ہے۔)

تن سمند، منسا لھر، اُرتارو، تریں انیک
تے برھی کیو جیوت ھے جو آہ نہ کرت ایک

یعنی بدن گھوڑا بن گیا ہے۔دل کی امنگ جوش مارنے لگی ہے اور جو تیراک تھے وہ الگ الگ تیرنے لگے ہیں ایسے میں وہ مبتلائے فراق کس طرح جی رہا ہے جو ایک آہ بھی نہیں کرتا۔

توں توں کریندے جو موئے، موئے بھی توں توں کرن
جنھیں توں توں نہ کیا، تینھیں نہ سنجاتو تن

یعنی جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے مر گئے وہ مر کر بھی اللہ اللہ ہی کرتے ہیں۔جس نے اللہ اللہ نہیں کیا۔اس نے مولیٰ تیری ذات کو ہی نہیں پہچانا۔

سائیں سندے نانءُ کھے، دائم پری چون
رب نہ بھنے پوریا (پردے) سندے فقیرن!

یعنی وہ جن کے مالک ناراض نہ ہوئے وہی ہمیشہ محبت پاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سہارے کسی کے نہ توڑے اور فقیروں کا بھرم قائم رکھے۔

ڈُبھی مارن گا کھڑی، سدھراں لکھ کرن
جنہاں دامن دھراپیا، سے مانک لبھن

یعنی جو گہری اور مشکل غوطہ زنی کرتے ہیں۔ان کی آرزوئیں بھی بہت ہوتی ہیں اور جن لوگوں نے دامن بچھار کھا ہوتا ہے۔وہی موتی اور ہیرے بھی سمیٹتے ہیں۔(جو اہل اللہ طویل مراقبہ کرتے ہیں وہ بڑے جذب وشوق کے مالک بھی ہوتے ہیں اور جو دامن دعا بچھاتے ہیں وہ قبولیت کا شرف بھی پاتے ہیں۔)

ٹوپی لیندے باورے، دیندے کھرے نلج
چوہا کھڈ نہ ماوئی، پچھے بندھئیے چھج

یعنی دیوانے ٹوپی لیتے ہیں۔بلا جھجک کھر امال دیتے ہیں۔چوہے کی غار ہے نہ پناہ کی جگہ، پیچھے چھاج باندھ دیجئے۔(بقول ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اس شعر کی نسبت بابا فرید سائیں سے شاید درست نہ ہو۔)

جاگنا ای تاں جاگ فریدا، راتڑیں ھبھ وِدھانیاں
موں متھے بھاگ، پری وسارن نہ کرن

یعنی فرید اگر تو نے جاگنا ہے تو جاگ لے، یہ سب راتیں تو ہر حال تجھے بتانی ہی ہیں۔جن لوگوں کے چہروں پر خوش نصیبی ہے۔وہ اپنے محبوب کو بھلانے کی غلطی نہیں کرتے۔(اللہ تعالیٰ کی یاد میں جاگنا مومن کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے، اگر ایسا نہ ہو تو سراسر بدنصیبی ہے۔)

جاگنا ای تاں جاگ فریدا، ہوئی آ اے پر بھارت
اس جاگن نوں پچھتائیں گا، گھنا سویں گا رات
یعنی۔ فریدا اگر جاگنا ہے تو جاگ لے، دیکھو یہ سحر تو اب ہوگئی ہے۔ اس جگرا تے یار تجگے کی خاطر پچھتاتے رہو گے، اس لئے کہ قبر میں تو تجھے سوتے ہی رہنا ہے۔

جاں جاں جیویں دنی تے، تاں تاں پھر الکھ
درگاہ سچا تاں تھیویں، جاں کھپن مول نہ رکھ!
یعنی جب تک اس دنیا میں زندگی گذارتے ہو، اس وقت تک یا تو اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر رہو۔ درگاہ خدا میں سچے تبھی ہو گئے اور یا پھر اپنے ساتھ کفن بھی مت رکھو۔ (یعنی موت کو ہی بھول جاؤ۔)

جاں موں لگا نینا، تاں میں ڈکھ وھاجیا
جُھراں ھبھوھی ڈینہ کارن، سچے ما، پری!
جب میری آنکھ لڑی تو میں نے درد مول لے لیا۔ میں تمام دنوں میں شاکی رہتا ہوں۔ اے سچی ماں اور اے سچے رب۔

جتّی خوشیاں کیتیاں، ہتی تھیئم روگ
چھلوں کارن ماریئے، کھاں دے دا کیا ھوگ
جس قدر خوش ہوا ہوں اسی قدر روگ لگایا ہے۔ دھوکے باز کو اگر مارتے اور سزا دیتے ہیں تو یہ بھی بتائیں کہ دھوکا کھانے والے کا کیا بنے گا۔
جسا! سے راتیں وڈیاں، ڈو ڈو گانڈھنیاں
تم اک جال نہ سنھگیا، اساں سبھے جالنیاں
اے ممدوح! جو طویل راتیں ہیں وہ ہم نے دو دو کر کے ملانا ہیں۔ یعنی کام مسلسل ہے۔ تم تو ایک

بھی برداشت کر کے نہ گذار سکے مگر ہم نے تو سب راتیں گذارنا ہیں۔

جنگل ڈھونڈھیں سنگھنا، لمے لُڑیا نہ وت
تن حجرہ درگاہ را، تیں وچ جھاتی گھت!

(اپنے رب کو) گھنے جنگلوں میں ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔دور دور تک مت گھومتا پھر، تو نے ڈھونڈھا مگر پھر بھی نہ ملا۔(یہ تیرا) بدن ہی تو درگاہ خداوندی کا کمرہ ہے۔اسی میں کیوں نہیں جھانکتے خدا تو تیرے دل میں ہے۔

جیں در لگے نین فریدا، سو در نا ھیں چھڈنا
آپوے بھانویں مینھ، سرھی اپر جھلنا

فرید! جس در پر نگاہ لگی ہے وہ در کبھی نہیں چھوڑنا، اگر بارش بھی برسنے لگے تو سر پر برداشت کرنا اور سر اسی در کی طرف اوپر ہی اٹھتا جائے۔(در سے سر نہیں ہٹانا۔)

جے توں دل درویش فردا، رکھ عقیدہ ساھمنا
درھیں سیتی دیکھ، متھا موڑ، نہ کنڈ دے!

فرید! اگر تیرا دل درویشانہ ہے تو پھر اپنا عقیدہ صاف اور سیدھا رکھ، محبوب کے در ہی کی طرف دیکھتا چلا جا، نہ تو پیشانی ہٹا اور نہ اس کی طرف کبھی پشت کر۔(پاک اور صاف پختہ عقیدہ، ثابت قدمی اور مسلسل عمل میں صوفی کی نجات دارین ہے۔)

جے توں ونجیں حج، حج ھبھو ھی جیا میں
لاہ دلے دی لج، سچا حاجی تاں تھیویں

اگر تو حج کے لئے جائے تو یہ یاد رکھ کہ حج تو سب کا سب دل سے تعلق رکھتا ہے۔اپنے دل کا وقار

پورا کرنا تب تو سچا حاجی قرار پائے گا۔

جے جے جیویں دنی تے، کُھرے کھیں نہ لا
اکو کفن رکھ کے، ہور سبھو دے لٹا

دنیا میں جہاں جہاں بھی زندگی گذارو، وہاں قدموں کے نشان نہ لگانا یعنی گناہ نہ کرنا۔ بس ایک کفن رکھ لے باقی سب کچھ فی سبیل اللہ لٹا دے۔ (آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا خرچ کریں، آپ بتا دیجئے کہ ضرورت سے جو بچ رہے وہ سب کا سب راہ خدا میں خرچ کردو۔)

چوڑیلی سینورتیا دنیا کوڑا بھیت
ایھنیں اکھیں ویکھدیاں اجڑو نجے کھیت

اے سجی سجیلی سہیلیو! یہ رات دن ایک جھوٹا راز ہے۔ (بس خدا کرے)، جیتے جاگتے چلتے پھرتے اس دنیا سے رخصتی کا سامان ہو جائے۔ (کسی کی محتاجی کے بغیر زندگی بیت جائے۔)

داڑھیاں لکھو تن فریدا، ھبھ نہ ھکو جیھیاں
اک دُر لکھ لھن، ھک ککھوں کنوں ھولیاں!

فرید! لاکھوں لوگ داڑھیاں تو لئے پھرتے ہیں مگر سب کی ایک جیسی نہیں ہیں، ایک وہ ہیں جن کی قیمت لاکھوں موتی پڑتی ہے مگر ایک وہ بھی ہیں جو تنکوں سے بھی کم تر ہیں۔

در بھیڑا، گھر سنکڑا، گور نواھوں نت
دیکھ فریدا جو تھیا، سو کل چلے، مت!

دروازہ بند ہے۔ گھر (قبر) بھی تنگ سا ہے۔ قبر ہر روز عاجزی دکھاتی رہتی ہے، جو نیکی تیرے پاس ہے اے دوست فرید! وہی تو کل کام آئے گی۔

ݙر ݙسانیاں کانیاں، رب نے گھڑئین
لگن تنہاں منافقاں جو کلھیں نہ جانن

دروازے پر لگے پردے کے سرکنڈے کے دروازے گھر (قبر) کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ رب نے گھڑے ہیں مگر وہ لوگ منافق لگتے ہیں جو اس حقیقت کو کبھی نہیں جانیں گے۔

ݙر ݙند ونجم داروئیں، جے لکھ طبیب لگن
چنگی بھلی تھی بہاں، جے موہ پری ملن!

دواؤں سے میرا درد نہیں جاتا، خواہ لاکھ طبیب بھی کیوں نہ لگے رہیں لیکن میں بھلی چنگی ہو بیٹھتی ہوں اگر مجھے پیا مل جائیں تو۔

دل اندر ݙریائو فریدا، کنڈھی لگا کی پھریں!
ٹُبی مار مَنجھاھیں، مَنجھوں ھی مانک لھیں!!

دل کے اندر دریا ہے اے فرید! تو کنارے لگ کر کیا کرتا پھرتا ہے؟ دریا کے منجھدھار میں غوطہ زنی کر۔ یہیں دریا کے وسط سے ہی تجھے موتی میسر آئیں گے۔ (انسان کا دل ایک بہت بڑا جہاں ہے، سب کچھ یہاں میسر ہے حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں:

دل دریا سمندروں ڈونگھے، کون دلاں دیا جانے ہو
وچے بیڑے، وچے جھیڑے وچے ونجھ مہانے ہو!!

ݙمامہ وجیا موت دا، چڑھیا مالک الموت
گھِن واہے جندڑی، ڈھاھن واھد کوٹ

موت کا گھڑیال بج چکا اور ملک الموت آن پہنچا ہے، وہ لے چلے گا روح کو اور قلعہ گر جائے گا۔ (جسم انسانی روح کیلئے قلعہ ہوتا ہے۔)

کوٹ ڈھٹھا، گھر لٹیا، ڈیرے پئی کھاہ
جیوندیاں دے ہور راہ، مویاں دا ایہی راہ

جسم انسانی والا قلعہ گر پڑا۔اندرون لوٹا گیا اور پورے گھرانے میں آہ و بکا کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔زندہ لوگوں کیلئے کئی راستے ہوتے ہیں۔مرنے والوں کیلئے صرف ایک ہی راستہ ہے موت کا۔

دنی دے لالچ لگیاں، محنت بھل گئی
جاں سر آئی آپنے، تاں سبھو وسر گئی!

دنیاوی لالچ میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت بھی بھول گئے،مگر جب اپنی جان نکلنے لگی تو تمام دنیاوی لالچ بھی بھول گئے ہیں۔

راتیں سویں کھٹ فریدا، ڈینھیں پئیں پیٹ کوں
جاں تو کھٹن ویل، تداھیں تیں رھیا سوں

فرید!تو رات کو چارپائی پر سوتا ہے اوردن کو پیٹ کا ماتم کرتا ہے۔یعنی محنت مزدوری کرتا ہے۔جب تیرے کمانے کا وقت آیا یعنی رات کو عبادت کا وقت آیا تو تو سو گیا۔

سکاں سک سکندیاں، سکن ڈینھے رات
مینڈیاں سکاں سبھو نجن، جاں پریا پائی جھات

بیقرار ہونے والے دن رات بیقراری کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔میری بیقراری تو اس وقت ختم ہو جاتی ہے جب میرا محبوب اندر جھانکتا ہے۔

دیہہ جرجر ہوئی فریدا، نینیں وَھے سریش
سے کوھاں منجھا تھیا، آنگن تھیا بدیش

فرید!تیرا جسم لرزنے لگا ہے اور آنکھوں سے سریش کا سا مواد بہنے لگا ہے۔یوں لگتا ہے کہ

چارپائی سومیل پر پڑی ہے اور گھر کا آنگن یا صحن کسی اور ملک میں ہے۔(یعنی ان تک پہنچا مشکل ہو گیا ہے۔)

سودر سچا سیو فریدا، جت مکلو بنی جاہ
رج مستک، ھڈ کھوہ، عمل نہ وکن کھاہ

فرید! حق کا دروازہ وہی سمجھو جہاں جگہ کھلی مل جائے۔ پیشانی چوڑی ہو، دل دریا ہو اور عمل وہاں مٹی میں نہ ملتے ہوں۔(اللہ تعالیٰ کے ہاں سب کیلئے جگہ ہے کسی کا نیک عمل وہ ضائع نہیں فرماتے۔)

سے داڑھیاں کوڑیاں، جو شیطان بھچن
اھرن تلے ودان جیوں، دوزخ کھڑ دھریئن

سینکڑوں داڑھیاں جھوٹ والی ایسی ہوتی ہیں جو شیطان کو بھی ورغلا لیتی ہیں۔ جیسے لوہے کے نیچے بڑا ہتھوڑا، یہ انسان کو جہنم میں جا پہنچائیں گی۔

فرید ایسا ھوئے رھو، جیسا ککھ مسیت
پیراں تلے لتاڑیئے، کدے نہ چھوڑے پریت

فرید مسجد کے اس تنکے کی طرح یہاں زندگی گذارو کہ جسے پاؤں کے نیچے روندتے بھی ہیں مگر وہ تعلق نہیں توڑتا جگہ کو نہیں چھوڑتا۔

سائیں سیویاں کھل گئیں، ماس نہ رھیا دیہ
تب لگ سائیں سیوساں، جب لگ ھوسوں کھیہ

میرے مولیٰ! میری کھال اتر گئی ہے۔ جسم پر گوشت باقی نہیں رہا مگر میں اس وقت تک محو عبادت رہوں گا جب تک خاک میں نہیں مل جاتا۔

فریدا پائوں پسار کے، اُٹھے پہر ھی سَوں
لیکھا کوئی نہ پچھی، جے وچوں جاوی ھَوں!

فرید! چوبیس گھنٹے آرام سے سو سکتے ہو۔ تم سے کوئی حساب نہ لے گا بشرطیکہ تیرے اندر سے غرور والی میں چلی جائے۔ (تکبر وانا نیت شیطنت ہے، یہ رب کو پسند نہیں۔)

فریدا راتیں چار پہر، دو ستا دو جاگ
گھنا سوسیں گور ماں، الھسیا ایہ ویراگ

فرید رات کے چار پہر ہوتے ہیں۔ دو پہر سو لے دو پہر جاگ لیا کر۔ قبر میں تو بہت لمبی نیند سوئے گا جہاں سونے کی تیری یہ ہوس بھی پوری ہو جائے گی۔

فریدا ستیاں نیند مت پوندے ایو!
جنھاں نین نندر اولے دھنی ملندے کیو؟

فرید! اللہ والے تو لیٹے ہوئے بھی نیند نہیں کیا کرتے اس لئے کہ جن کی آنکھیں نیند زدہ ہوتی ہیں انہیں خوش نصیبی کیا خاک ملے گی۔

فریدا کھیتی اجڑی، سچے سیوں لولا
جے ادھ کھادی اُبریں، تاں پھل بھتیرا اپا

اے فرید! تمہاری کھیتی خواہ ویران ہو جائے مگر حق سبحانہ وتعالیٰ سے لو لگائے رکھنا۔ اگر تجھے آدھی ویران کھیتی بھی اٹھانے سنبھالنے کو مل جائے تو بھی فکر نہیں اس لئے کہ اس میں سے تجھے زیادہ پھل میسر آ جائے گا۔

فرید کڈیں آہ ھکڑا، اتے ھن بھی تھیسی ھک
او پئی ٹنانہ کرے، تیہی لایوس سک

یہ فرید کبھی اکیلا ہی تھا (جب پیدا ہوا) اوراب بھی اکیلا ہی ہوگا۔ (قبر میں) مفید کوشش تو کرتا نہیں، یونہی شوق (دیدار) لئے پھرتا ہے۔

فریدا کھیتی اجڑی، گروی پرر ھنیا مال
صاحب لیکھا منگسی، بندے کون حوال

فرید! تیری تو کھیتی اجڑ کر ویران ہو چکی ہے۔ مال رہن پر ادھار لے کر کام چلایا گیا۔ مالک تو حساب مانگے گا حشر کے دن، اس وقت بندے کس کے حوالے ہونگے؟

کدے آھوں ھیکڑا، اتے ھن تھیو پر گٹ
ایوں پائو مشاھرو جالا بیٹھوں ھٹ!

کبھی تو میرا بھرم تھا کہ طاقتور ہوں مگر اب تو ظاہر ہو چکا کہ کمزور ہوں۔ یا تو میری کوئی تنخواہ ہو اور یا پھر میں دکان بنا کر بیٹھ جاؤں۔

فرید چلے پردیس کو، قطب جو کے بھائو
سانپاں، جوندھاں، ناھراں، تینوں دانت بندھائو

فرید سائیں! سفر نکلے ہیں۔ کسی قطب جویا والی کے متلاشی کی محبت میں، اس لئے اے سانپو، درندو اور لڑاکو اپنے اپنے دانت بنوالو۔

کرن حکومت دنی دی، حاکم نائوں دھرن
اگے دھول پیادیاں، پچھے کوت چلن
چڑھ چلن سکھواسنی، اپر چور جھلن
سیج وچھاون پاھرو، جتھے جائے سون
تنہاں جنہاں دیاں ڈھیریاں دوروں پیاں دسن

دنیا پر حکومت کرتے ہیں اور حاکم کہلواتے ہیں۔ان کے آگے آگے ہنگامہ خیز پیدل سپاہی ہوتے ہیں اور پیچھے پیچھے درباری چلتے ہیں۔آرام طلب سوار ہوتے ہیں جن پر چاروں طرف پنکھے جھولنے والے لگے ہوتے ہیں۔محافظ پہرہ دار سیج بچھاتے ہیں جن پر وہ لوگ جا کر سوتے ہیں۔ان سب کی قبریں دور دور سے دکھائی دے رہی ہیں۔

کَناں، دنداں، اکھیاں، سبھناں دتی ھار
دیکھ فریدا چھڈ گئے مڈھ قدیمی یار

کانوں، دانتوں اور آنکھوں سب نے مجھے نا کام بنا دیا ہے۔دیکھ اے فرید! شروع کے پرانے دوست سب نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

کنت نیناں، تن گارڑی ناگاں ھاتھ منا
وس گندلیں، مندہ نگر ھوریں لھر الھا

آقا کی آنکھوں، جسم کے پھندے اور اژدہاؤں کو ہاتھ لگانے سے باز رہ۔زہرناک سبزی اور بری نگری میں فائدہ ڈھونڈھنے سے بچ۔

کوک فریدا کوک توں، جیوں راکھا جوار
جب لگ ٹانڈا نہ گرے، تب لگ کوک پکار

فرید! اپنے رب سے جتنی فریاد کر سکتے ہو گڑگڑا کر دعا مانگ سکتے ہو ضرور مانگو، جیسے کوئی جوار کی

کی فصل کا رکھوالا ہوتا ہے کہ جب تک ایک بھی تنا کھڑا ہے؛ اس وقت تک چیخ وپکار کرتا ہی رہتا ہے۔

کو کیندڑاں تاں کوک فریدا! کدے تاں رب سنیسیا
نکل ویسی پھوک، تاں پھر کوک نہ ہوسیا!!

فرید! اگر تو فریاد کر سکنے والا ہے تو چیخ اور فریاد کر، کبھی تو پروردگار متعال سنے گا ہی اگر سانس نکل جائے گی تو پھر چیخ اور فریاد بھی نہ ہو سکے گی۔

لہریں سائر کھیندیاں، بھی سوہنس ترن
کیا ترن بگ بپڑے، جو پہلی لہر ڈبن

سمندری لہریں بھرتی ٹکراتی رہتی ہیں مگر ہنس پھر بھی تیرتے ہی رہتے ہیں لیکن احمق اور نکمے بگلے خاک تیریں گے جو پہلی ہی لہر کے ٹکرانے سے ڈوب جاتے ہیں۔

مانک مول اتھاہ فریدا، قدر کی جانے شیشہ گری
اکے تاں گوہڑا شاہ جانے، اکے تاں جانے جوہری

موتی کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی قدر شیشہ گر کیا جان سکتا ہے؟ اسے تو یا کوئی پختہ فطرت بادشاہ جان سکتا ہے یا کوئی جوہری۔

مائو میندی کملی جن "جیون" رکھیا نائوں
جاں دن پُنسے موت دا، نہ جیون نہ نائوں!!

میری والدہ بھی پگلی خاتون تھی جس نے میرا نام جیون (زندگی) رکھ دیا، جونہی موت کا دن پہنچے گا اس دن نہ جیون رہے گا نہ اس کا نام۔

مُنا، مُن مُنایا، سر منے کیا ہوئے؟
کتی بھیڈاں منیاں، سر ک نہ لدھی کوئے!

میں نے سر مونڈا، تو اپنا سر مونڈ لے اور لوگوں نے بھی سر مونڈ وایا، بھلا سر مونڈ نے سے کیا ہوتا ہے؟ کتنی ہی بھیڑیں مونڈ دی گئی تھیں مگر انجام کار نتیجہ یا بات کا سرا تو ملا ہی نہیں۔

منجھ مکہ، منجھ ماڑیاں، منجھے ھی محراب
منجھے ھی کعبہ تھیا، کیں دی کری نماز

میں مکہ ہوں، میں محلات ہوں، میں ہی محراب ہوں اور میں ہی کعبہ بھی ہوں، تو نماز کس کی ادا کی گئی؟

موسیٰ نٹھا موت تھیں، ڈھونڈے کائے گلی
چارے کنڈاں ڈھونڈیاں، اگے موت کھلی

موسیٰؑ موت سے بچنے کیلئے بھاگے اور کوئی راستہ ڈھونڈ ھنے لگے، چاروں طرف موت سے بچنے کا رستہ تلاش کیا مگر موت پھر بھی سامنے ہی نظر آئی۔

موں تن اوگن ایترے چھمی اندر وار
ھک نری خواری تھئی، رے جے ڈسن باھر وار!!

میرا جسم سب بیکار و عیب دار ہو گیا ہے۔ بدن کے اندر ہر چہ سو جن ہے اور ایک یہی نری خواری ہے مگر اس پر مستزاد یہ ہے کہ اب باہر کی دنیا دکھائی بھی نہیں دیتی بینائی بھی جاتی رہی ہے۔

میں تن اوگن ایترے، جیتے دھرتی ککھ
تو جیہا میں نہ لھاں، میں جیہا کئی لکھ!!

میں تو ایک بیمار پھولا ہوا جسم ہوں۔ بالکل جیسے زمین پر پڑا کوئی تنکا ہوتا ہے۔ مجھے تو تجھ سا کوئی

نہیں ملتا مگر مجھ ایسے تو لاکھوں ہوں گے۔

وچھوڑا بریاری، جت وچھڑے ڈبلا تن
سے ماھنو ھینسیار، وچھڑے میٹے جو تھیئن

جدائی بہت بری چیز ہے دوست! جب سے بچھڑے ہیں ان کے غم میں جسم دبلا ہوگیا ہے، سینکڑوں آدمی ایسے سادہ اور مخلص تھے جو ھنسوں جیسے پیارے لگتے تھے، بچھڑ گئے تو جدائی نے یہ حال کر دیا ہے۔

وڈی ایہ بہادری، کر کُسنگ کو تیاگ
درگاہ تھیوی مکھ اجلا، کوئے نہ لگے داغ!

یہ بہت بڑی بہادری کی بات ہے کہ تو بری صحبت کو چھوڑ دے اور ایسی جگہ چن لے جہاں سے تو سرخ رو ہو اور تیری شخصیت پر کوئی داغ نہ لگنے پائے۔

ھاتھی سوھن، انباریاں پیچھے، کٹک ھزار
جاں سر آوی آپنے، نا کو میت نہ یار

کہیں سجے سجائے ہاتھی ہیں۔ دولت کے ڈھیر ہیں۔ ہزار لشکر ہیں، مگر جب تجھ پر برا وقت آتا ہے تو نہ دوست ہے کوئی نہ یار اور نہ مددگار۔

فریدا تھاں ٹکیئے، جتھاں وسن انھے
نہ کو ساکوں جانے، نہ کو ساکوں منے

فرید! کسی ایسی جگہ جا کر قیام کرتے ہیں جہاں سب اندھے بستے ہیں، نہ کوئی ہمیں جانتا ہو اور نہ کوئی مانتا ہو۔

زندگی داوساہ نہیں سمجھ فریدا توں
کر لے اچھے عمل تے ھو جا سرنگوں!

فرید! یہ بات خوب سمجھ لو کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، اس لئے اچھے کام کر لو، تواضع کرو، اور اپنا سر اپنے رب کے حضور جھکائے رکھو۔

ھتھڑیں وٹوں ھتھڑے، پیراں وٹوں پیر
تساں نہ متیاں گاجراں، اساں نہ متے بیر

ہم اپنے ہاتھوں سے سوت کی گانٹھیں تیار کرتے ہیں اور پاؤں سے کپڑا بنتے ہیں۔ آپ نے ہمیں گاجریں نہ بھیجی اور ہم نے آپ کو بیر نہیں بھیجے یعنی ہم باہمی تعاون وتبادل نہیں کر رہے مگر اپنی اپنی جگہ سب کام خود کرتے رہتے ہیں۔

جنہیں دا صبر کمان، اتے ذکر کماون
کانیاں
اوھناں مندے باں، خالق خالی نہ کرے

وہ جن کا صبر کمان کا کام دیتا ہے اور ان کے قلم ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ (یعنی مجاہد صابر اور عالم مصنف ہیں۔) ان پر برے الفاظ آئیں؟ پروردگار اسے گوارا نہیں کرتے۔

فریدا (بندے رب دے) تنے ٹول کرین
مٹھا بولن، نوا چلن، ھتھوں بھی کجھ دین

فرید! اللہ تعالیٰ کے جو بندے ہیں وہ یہ تینوں اہم صفات اپنے اندر اکٹھی رکھتے ہیں۔ میٹھے بول بولتے ہیں، تواضع اور عاجزی سے چلتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے راہ خدا میں دیتے ہیں۔
(دیکھئے قرآن سورۃ فرقان)

فریدا میں نوں منج کر، نکی کر کر کٹ

بھرے خزانے رب دے جو بھاوے سو لٹ!

اے فرید! مجھے مونج بنا لو اور کوٹ کوٹ کر باریک بنا دو۔ پروردگار کے خزانے بھرے پڑے ہیں، ان میں سے جو اچھا لگے اٹھا لو۔

اظہر ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ (بین الاقوامی ایڈیشن)، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، جون ۲۰۰۵ء۔

داؤدی، مقبول انور، کلام بابا فرید شکر گنجؒ، فیروز سنز لاہور۔

محمد آصف خان (پروفیسر)، آکھیا بابا فرید نے، پاکستان پنجابی بورڈ، لاہور، دسمبر، ۱۹۷۸ء۔

پیر محمد حسین چشتی، ارشاداتِ فریدی معروف بہ شلوک فریدی، اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور۔

عبد الرزاق، دوہڑے بابا فرید دے، پنجابی ادبی لہر، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

سید بابا علی، کلام بابا فرید گنج شکرؒ، لاہور۔

شریف کنجاہی، کہے فرید، لوک ورثہ، اسلام آباد، اشاعت اوّل ۱۹۷۸ء، اشاعت دوم ۱۹۸۸ء۔

فقیر محمد فقیر (ڈاکٹر)، بول فریدی، الفیصل ناشران، لاہور، جنوری ۱۹۹۱ء۔

حمید اللہ ہاشمی (پروفیسر)، کلام بابا فرید، پروگریسو بک، لاہور، اگست ۱۹۹۶ء۔

خلاصہ بحث ونتائج

☆ سلسلہ چشتیہ سلاسل تصوف میں قدیم ترین سلسلہ ہے۔سلسلہ چشتیہ خراسان کے شہر چشت سے منسوب ہے۔خراسان کے شہر چشت میں کچھ بزرگان دین نے روحانی اصلاح وتربیت کا ایک ایسا نظام قائم کیا جو بہت مقبول ہوا اور اس مقام ''چشت'' کی وجہ سے وہ نظام ''سلسلہ چشتیہ'' کہلایا۔

☆ ابواسحاق شامیؒ پہلے بزرگ ہیں جو چشتی کہلائے اور یہ لقب انہیں خواجہ ممشاد علو دینوریؒ نے دیا۔ خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ، خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ، خواجہ ابو محمد چشتیؒ ، خواجہ ابو یوسف چشتیؒ اور خواجہ مودود چشتیؒ ''خواجگان چشت'' کہلاتے ہیں۔

☆ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے باطنی خلافت (خلافت کبریٰ) حضرت علیؓ کو اور ظاہری خلافت (خلافت صغریٰ) ابوبکر صدیقؓ کو عنایت کی اس طرح تمام سلاسل تصوف کا آغاز حضرت علیؓ سے ہوا۔

☆ اس بات میں اختلاف ہے کہ خرقہ خلافت حضرت حسن بصریؒ تک حضرت علیؓ کے ذریعے نہیں بلکہ حضرت حسنؓ کے ذریعے پہنچا کیونکہ حضرت علیؓ کی حضرت حسن بصریؒ سے ملاقات ثابت نہیں لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حسن بصریؒ کی حضرت علیؓ سے بصرہ اور مدینہ دونوں میں ملاقات ثابت ہے۔

☆ برعظیم پاک وہند میں مسلم فاتحین کی آمد کا آغاز ۹۳ھ میں محمد بن قاسم سے ہو گیا تھا لیکن ان فتوحات کا دائرہ اثر محدود رہا اور اشاعت اسلام میں زیادہ ممد ومعاون ثابت نہ ہوا۔

☆ مسلم صوفیہ نے اشاعت اسلام اور دین کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا خاص طور پر خواجگان چشت کی برکت اور مساعی سے ایسا ممکن ہوا۔محمود غزنوی کی پشت پناہی خواجہ ابومحمد چشتیؒ نے اور محمد غوری کی پشت پناہی خواجہ معین الدین چشتیؒ نے کی۔

☆ خواجہ ابومحمد چشتیؒ نے ہندوستان میں مستقل قیام نہیں کیا کیونکہ ان کا مقصد سلطان محمود کی پشت پناہی تھا۔محمود غزنوی نے ہندوستان پر پے درپے حملے کیے اور فتوحات بھی حاصل کیں لیکن وہ کوئی مستقل

حکومت قائم نہ کر سکا۔

☆ ۵۸۸ھ میں محمد غوری نے خواجہ معین الدین چشتیؒ کی مدد اور دعا سے پرتھوی راج چوہان کو جو دہلی اور اجمیر جیسی طاقت ور سلطنتوں کا حکمران تھا شکست فاش دی۔ محمد غوری کی فتح سے پہلے ہندوستان کے بعض علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی، مدرسے اور خانقاہیں وغیرہ تھیں۔ اگر چہ اسلام کے اس ابتدائی دور میں ہی مبلّغین اور علماء کی آمد برِعظیم پاک و ہند میں شروع ہوگئی تھی۔ صوفیا اور مشائخ بھی اس خطے میں تشریف لائے اور لوگوں کو فیض پہنچایا لیکن وسیع پیانے پر سلسلہ طریقت قائم نہ ہو سکا۔

☆ حقیقت یہ ہے کہ برِعظیم پاک و ہند کی روحانی فتح سلسلہ چشتیہ کے حصے میں آئی اور یہی وجہ ہے کہ اس خطے کو سلسلہ چشتیہ کا ورثہ کہا جاتا ہے۔

☆ چھٹی صدی ہجری میں خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر میں مستقل قیام فرمایا۔ اس وقت پورا ہند کفر و ضلالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اجمیر ہندوؤں کا مذہبی اور سیاسی گڑھ تھا۔ ایسے ماحول میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کا اجمیر میں اپنا مستقل مسکن بنانا اُن کی جرأت ایمانی اور اولوالعزمی کا واضح ثبوت ہے۔ انہوں نے اسلام کے نظریہ توحید کو عملی شکل میں پیش کیا اور ''نائب الرسول'' اور ''سلطان الہند'' کا لقب پایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی نجات اسی دین میں نظر آئی اور وہ بڑی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور جو سر زمین ہزاروں سال سے معرفت سے محروم اور توحید سے نا آشنا تھی علماء و اولیاء کی سرزمین اور دارالاسلام بن گئی۔ آپ کے خلفاء میں دو خاص خلفاء حمید الدین ناگوریؒ اور قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں سلسلہ کی اشاعت کا کام بختیار کاکیؒ نے سرانجام دیا۔

☆ بختیار کاکیؒ قصبہ اوش کے رہنے والے تھے ۵۲۲ھ میں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں اکابر اولیاء کے سامنے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔ جب دہلی دارالخلافہ قرار پایا تو سلطان الہندؒ نے آپ کو دہلی بھیج دیا جہاں آپ نے سلسلہ کی نشر و اشاعت اور تبلیغ دین کا کام شروع کیا۔ آپ کو وہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی عوام و خواص آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ لیکن آپ نے دربار و سرکار سے کوئی تعلق نہ رکھا اس کے باوجود

سلطان برابر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اُس نے آپ کی یاد میں قطب مینار تعمیر کروایا اس کے علاوہ آپ سے مشورے بھی لیتا رہتا بعض لوگ آپ سے حسد بھی کرنے لگے۔ ایک سماع کی محفل میں آپ پر وجد طاری ہوا اور چار دن اسی کیفیت میں رہے۔ نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کرتے۔ پانچویں دن ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

☆ آپ کے خلفاء میں دو بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اور شیخ بدرالدین غزنویؒ بہت مقبول ہوئے۔ سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام بابا فرید گنج شکرؒ سے سرانجام پایا۔

☆ برعظیم پاک وہند میں سلسلہ چشتیہ کے پانچ عظیم اولیاء کرام میں سے چار ہندوستان میں مدفون ہیں اور ایک عظیم المرتبت درویش بابا فرید گنج شکرؒ کا مزار مبارک پاکستان میں ہے۔

☆ بابا فرید گنج شکرؒ قرون وسطی کے سرکردہ ولی اللہ تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کابل سے ہجرت کر کے برعظیم پاک وہند آئے۔ بعض تذکرہ نگار اُن کی ہجرت غزنی سے لاہور بتاتے ہیں لیکن اکثریت کابل سے ہجرت کر کے آنے پر متفق ہے۔

☆ بابا فریدؒ کے دادا قاضی شعیبؒ نے چھٹی صدی ہجری / بارہویں صدی عیسوی میں ہجرت کی۔ ہجرت کی وجہ اکثر تذکرہ نگاروں نے فتنۂ تاتار بتائی ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ بلحاظ ادوار یہ بات درست نہیں کیونکہ کابل پر تاتاری حملہ ساتویں صدی ہجری یعنی ۶۱۵ھ تا ۶۲۰ھ کے درمیان ہوا جبکہ قاضی شعیبؒ نے بابا فریدؒ کی پیدائش سے پہلے اپنے تین بیٹوں کے ساتھ ہجرت کی اور ہجرت کے بعد بابا فریدؒ کی سن ولادت ۵۷۶ھ یعنی چھٹی صدی ہجری ہے جبکہ تاتاری حملہ ساتویں صدی ہجری میں ہوا۔ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ ہجرت کی وجہ غالباً غز قبائل کی خونریزی اور یلغار تھی۔ جس کا دورانیہ ۵۴۸ھ تا ۵۶۹ھ ہے۔

☆ قاضی شعیبؒ اہل خاندان کے ساتھ لاہور اور پھر قصور سے ہوتے ہوئے کوٹھے وال آئے اور سلطان نے آپ کو وہاں کا قاضی مقرر کیا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے جمال الدین سلیمانؒ جو بابا فریدؒ کے والد ماجد ہیں قاضی مقرر ہوئے۔

☆ صاحب سیرُ الاقطاب نے جمال الدین سلیمانؒ کو سلطان محمود غزنوی کا بھانجا لکھا ہے اور بعض نے سیرُ العارفین کے بیان ''پدر بزرگوار او جمال الدین سلیمان از طرف کابل در عہد سلطان شہاب الدین غوری خواہرزادہ سلطان محمود غزنوی در طرف ملتان آمدہ بود'' سے جمال الدین سلیمانؒ کو سلطان کا بھانجا اخذ کیا۔ جو درست نہیں۔ راقمہ کے ناقص خیال میں سیرُ العارفین کی فارسی عبارت جمال الدینؒ کو نہیں بلکہ شہاب الدین غوری کو سلطان کا بھانجا ظاہر کرتی ہے۔

☆ جمال الدینؒ کی شادی ملا وجیہہ الدین کی صاحبزادی قرسم بی بی سے ہوئی جو بابا فریدؒ کی والدہ ماجدہ ہیں تمام کتب سیر آپ کی کمال صلاحیت و عفت و عصمت کی قائل ہیں۔ بیشتر قدیم و جدید کتب سیر نے آپ کا اسم گرامی ''قرسم'' تحریر کیا ہے۔ کیونکہ لفظ ''قرسم'' عربی، فارسی اور ترکی زبان میں بے معنی لفظ ہے اس لئے بعض نے مریم، کلثوم اور قریشم لکھا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ''بی بی ترحم'' ہے جو ایک آبائی شجرہ نسب میں موجود ہے پیر محمد اجمل چشتی کے نزدیک یہ اقرب الصحت ہے اور دیگر اسماء ترحم کی صورت خطی ہیں۔

☆ قدیم ترین مأخذوں نے بابا فریدؒ کا شجرہ نسب فرخ شاہ عادل سے ہوتا ہوا حضرت عمر فاروقؓ سے ملایا ہے۔ بعض نے ۱۵ اور بعض نے ۱۷، ۱۹، ۲۰ یا ۲۳ واسطوں سے آپ کا شجرہ حضرت عمر فاروقؓ سے ملایا ہے۔

☆ سیرُ الاقطاب پہلا تذکرہ ہے جس میں آپ کا شجرہ نسب تحریری طور پر ملتا ہے۔ سیرُ الاولیاء سمیت تمام تذکرہ نویس آپ کا سلسلہ نسب فرخ شاہ عادل سے عمر فاروقؓ تک ملنے پر متفق ہیں۔ اکثر تذکرہ نویسوں نے فرخ شاہ عادل کو کابل کا بادشاہ بیان کیا ہے لیکن مورخین اس پر خاص روشنی نہیں ڈالتے۔ بہر حال بابا فریدؒ کا فاروقی النسب ہونا محقق، مستند اور خبر متواتر ہے البتہ آپ کے اجداد میں ابراہیم بن ادھمؒ اور عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے ناصر اور پوتے منصور کے ناموں کے بارے میں اختلافات ہیں۔

☆ صاحب اقتباس الانوار نے سیرُ الاقطاب کے مصنف کے بیان کردہ شجرہ نسب میں اس بارے

میں اختلاف کیا کہ بابا فریدؒ کا شجرہ نسب ابراہیم بن ادھمؒ سے ملایا گیا درست نہیں۔۔۔الخ

راقمہ کے ناقص علم میں آیا کہ اس اختلاف کا جواز ہی نہیں کیونکہ سیرُ الاقطاب میں بیان کردہ شجرہ نسب راقمہ کی نظر سے گزرا جو مقالہ میں درج ہے اُس میں ابراہیم بن ادھم کا نام شامل نہیں۔

☆ پیر سید رشید امروہی نے رسالہ ''سیادت فریدی'' میں آپ کو فاروقی نہیں بلکہ سید ظاہر کیا ہے۔ ہر قریشی کو سید کہا جا سکتا ہے اور سیرُ الاقطاب میں درج شجرہ نسب میں عمر فاروقؓ کے نام کے ساتھ یہ الفاظ ''وہو قریش مکہ'' وہ قریش مکہ سے ہیں۔ اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابا فریدؒ فاروقی ہونے کے ساتھ قریشی بھی ہیں اور اُن کی اولاد ''فریدی'' کہلاتی ہے۔

☆ بابا فرید کی سن ولادت اور سن وصال میں بہت اختلاف تھا لیکن قدیم ترین اور مستند مآخذوں فوائد الفواد اور سیرُ الاولیاء کے بیان کردہ واقعات و حالات کی روشنی میں تحقیقی عمل کے دوران یہ بات واضح ہوئی کہ بابا فریدؒ کا سن ولادت ۵۷۶ھ اور تاریخ و سن وصال ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ ہے۔ واضح رہے ۶۷۰ھ کے صرف پانچ دن ہیں اور بابا فریدؒ کی عمر بمطابق ہجری تقویم ۹۴ (ترانوے) سال ثابت ہے۔

☆ بابا فریدؒ کے مقام ولادت کوٹھے وال/کھتوال کے بارے میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ موجودہ چاوَلی مشائخ ہی کوٹھے وال ہے۔ کسی قدیم تذکرہ میں چاوَلی مشائخ کا ذکر نہیں ملتا البتہ اسم کوٹھے وال/کھتوال کے تلفظ اور ہجوں میں فرق پایا جاتا ہے جبکہ چاوَلی مشائخ کا قدیم نام موسیٰ وال ثابت ہوا ہے کوٹھے وال نہیں۔

زیرِ نظر مقالہ میں تحقیق کے دوران یہ بات ثابت ہوئی کہ بابا فریدؒ کا مقام ولادت چاوَلی مشائخ نہیں بلکہ ملتان سے دس یا سترہ کلومیٹر کے فاصلے پر جانب مشرق یہ مقام آج بھی کوٹھے وال کے نام سے موجود ہے اور یہی بابا فریدؒ کا مقام ولادت ہے جبکہ چاوَلی مشائخ منڈی بورے والا ضلع وہاڑی جانب جنوب واقع ہے۔

☆ بابا فریدؒ بچپن میں ہی والد کے سائے سے محروم ہو گئے اور آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کی۔ جس کا اثر بابا فریدؒ کی ساری زندگی اور شخصیت و کردار پر رہا۔ آپ کی اپنے مرشد بختیار کاکیؒ سے پہلی ملاقات دورانِ تعلیم ملتان میں ہوئی اور بیعت ہوئے پھر فارغ التحصیل ہو کر دہلی میں حاضر ہو کر

تجدید بیعت کی۔مرشد کی زیر نگرانی سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد آپ ہانسی چلے گئے اور مرشد کے وصال کے بعد آپ نے مرشد کی ہدایت کے مطابق خرقہ خلافت زیب تن کیا اور دہلی میں قیام فرمایا لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے آپ نے دور اندیشی کا ثبوت دیا اور ہانسی واپس چلے گئے کیونکہ آپ خلوت پسند واقع ہوئے تھے اس لئے ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے جو ویران ہو تا کہ آپ کی عبادت وریاضت میں کوئی مخل نہ ہو۔اسی مقصد سے آپ نے اجودھن جیسے غیر مجہول سانپوں ،بچھوؤں کے مسکن کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنایا۔جس کے باشندے انتہائی اُجڈ تھے اور تا وصال ایک روایت کے مطابق سولہ سال اور دوسری کے مطابق چوبیس سال قیام پذیر رہے۔اس عرصہ میں آپ کو انتہائی نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا حاکم اجودھن سے لے کر وہاں کے باشندوں تک نے کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن آپ نے سنت نبویؐ کی تقلید کرتے ہوئے سلسلہ کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کا کام جاری رکھا۔

☆ بابا فریدؒ کی عائلی زندگی انتہائی سادہ تھی بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کی متعدد ازواج اور بعض نے تین یا چار بتائی ہیں۔اکثریت آپ کی ازواج کی تعداد تین بتاتی ہے۔جوہرُ المجالس کے الفاظ ''دوحرم بود یا سہ حرم بود'' سے ثابت ہے۔آپ کے اہل خانہ فقر و فاقہ میں آپ کے ساتھ برابر شریک رہتے۔فتوح آتیں تو سب تقسیم کردی جاتیں آپ کی رہائش ،لباس اور خوراک انتہائی سادہ تھا۔ہمیشہ روزے سے رہتے سحری نہ کرتے افطاری میں صرف گھی میں چپڑی ہوئی تھوڑی سی روٹی اور شربت لیتے جس میں سے حاضرین میں بھی تقسیم کرتے۔آپ کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ مسلسل روزوں اور ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے عمر کے آخری حصے میں انتہائی کمزور ہو گئے اور آپ کو آنتوں کی بیماری خلہ لاحق ہوگئی اس کے باوجود آپ کی عبادت ونوافل میں فرق نہیں آیا۔آپ چند ماہ شدید علالت میں گزارنے کے بعد ۵محرم ۶۷۰ھ کو نماز کی حالت میں محبوب حقیقی سے جا ملے۔

☆ آپ کی ساری زندگی اتباع سنت نبویؐ میں بسر ہوئی اور وصال کے بعد تدفین بھی اُسی طرح اُسی حجرہ میں ہوئی جس میں آپ کا وصال ہوا۔آپ کے خلفاء میں سب سے زیادہ مقبول خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور صابر کلیریؒ ہوئے جن سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور چشتیہ صابریہ آج تک جاری ہے۔

☆ بابا فریدؒ کا سلسلہ چشتیہ میں تاریخ ساز مقام ہے اُس کا تعین اُس وقت سے ہو گیا جب اس خطہ میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ نے پہلی نظر میں پیشن گوئی کی کہ

''بختیار! شہباز عظیم تمہاری گرفت میں آیا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے علاوہ کہیں قرار نہ پکڑے گا۔ فرید ایک ایسی شمع ہے جس سے خاندان درویشاں روشن رہے گا'' آپ کا یہ مقام بھی منفرد ہے کہ آپ کو مرشد اور مرشد کے مرشد، سلسلہ چشتیہ کے بانی نے بیک وقت فیض بخشا۔

☆ خواجہ معین الدین چشتیؒ اور بختیار کاکیؒ کے یکے بعد دیگرے وصال کی وجہ سے جو ذمہ داری آپ پر آئی آپ نے اُسے اس عمدگی سے نبھایا کہ سلسلہ کو بام عروج تک پہنچا دیا اس لئے آپ صحیح معنوں میں سلسلہ چشتیہ کے مجدد اور آدم ثانی ہیں۔

☆ آپ کی فہم و فراست نے سلسلہ کو دہلی تک محدود نہیں رکھا بلکہ برعظیم پاک وہند کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا۔ آپ کے عقیدتمند طول وعرض سے اُس ویرانے کا رُخ کرنے لگے اور آپ کے نادیدہ عاشق بن کر آپ کی طرف کھچے چلے آئے۔ شاہان وقت بھی اُس ویرانے میں آپ کے در پر حاضر ہوتے۔

☆ آپ کے دور میں برعظیم پاک و ہند اور اس سے باہر دوسرے سلسلے بھی سرگرم عمل تھے لیکن بابا فریدؒ اپنے ہمعصر صوفیہ کرام میں بھی ہر پہلو سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اجودھن میں کریل کے درخت کے نیچے بے سروسامانی میں لگایا ہوا ڈیرہ مفلس اور پریشان حال لوگوں کی پناہ گاہ اور روحانی یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا جہاں آپ کی تربیت اور باطنی توجہ سے لاکھوں لوگوں نے ہدایت پائی اور آپ کے فیضان نظر سے محبوب الٰہی، سلطان المشائخ اور مخدوم کہلائے۔

☆ آپ کے خلفاء اپنے آپ کو بابا فریدؒ کے قائم کردہ مرکزی روحانی نظام کے تحت تصور کرتے اور ان کی نظریں ہمیشہ پاکپتن کی طرف لگی رہتیں۔ وہ بابا فریدؒ کی زندگی، شخصیت و کردار کو نمونے کے طور پر سامنے رکھتے اور لوگوں کے سامنے اُس کی مثالیں پیش کرتے۔ انہوں نے سلسلہ چشتیہ کو ایک عوامی تحریک بنا دیا۔ بابا فریدؒ نے اپنے مریدوں اور خلفاء کی تربیت زبان سے ہی نہیں بلکہ حسن عمل اور اخلاق سے کی۔ آپ کی زندگی آپ کے اصولوں کا عملی نمونہ ہے۔ اس طرح چشتیہ سلسلہ کے اثرات سے اُس دور میں

مضبوط معاشرے نے جنم لیا۔ جس سے مضبوط سیاسی نظام تشکیل پایا۔

☆ بابا فریدؒ خود بھی چشتی اصولوں پر کاربند رہے اور اپنے خلفاء کی تربیت بھی اُنہی بنیادوں پر کی۔ آپ ہمیشہ ارباب دوّل اور اقتدار سے دور رہے جاگیروں اور منصب کو ٹھکرایا۔ آپ نے خلافت کے منصب کو جمہوری اقدار کے تحت صرف قابلیت و اہلیت کی بنیاد پر آگے منتقل کیا اور اسے موروثی نہیں بنایا۔

☆ بابا فریدؒ کا روحانی نظام اور خانقاہ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ جن کے باسیوں پر اصحاب صفہؓ کا گمان ہوتا ہے۔ سب کے ساتھ برابری کا سلوک ہوتا۔ اس روحانی یونیورسٹی کے اصول وضوابط خالص صوفیانہ تھے۔ وہاں تزکیہ نفس اور روحانی پاکیزگی کی تربیت ہوتی اور انسان سازی کا عمل باطنی و روحانی علوم کے ادراک کی بنیاد پر ایسے معلم کی زیر نگرانی ہوتا جس کی تعلیم زبانی نہیں بلکہ عملی تھی جس کی شخصیت و کردار کا ہر پہلو مشعل راہ تھا اور جس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اس روحانی مرکز کے باسی عام لوگ نہیں بلکہ اپنے وقت کے تاجر، عدیم المثال عالم، خطیب، حفاظ اور سرکاری ملازم وغیرہ تھے جو سب کچھ ٹھکرا کر خوشی سے اُس ویرانے میں روحانی مرکز کے ممبر بنے آپ کی خانقاہ کے دروازے ہر خاص و عام کے لئے کھلے رہتے کوئی تخصیص نہیں تھی۔ ہندو، مسلمان، شہنشاہ، سیاح وغیرہ سب دل کا سکون اور روحانی خوشی پاتے۔

☆ آپ حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت سے بھی متصف تھے۔ نظر ایسی تھی کہ قلب و نظر میں پیوست ہو جاتی اور سرسری نظر ڈالتے ہی دل کی تہہ تک پہنچ جاتے اور ایسی طلسماتی شخصیت تھی جس کی مقناطیسی کشش سے شاہ و گدا آپ کی طرف کھچے چلے آتے۔

☆ آپ اسم بمسمّٰی فرد فرید اور گنج شکرؒ تھے۔ آپ کے اخلاق اور زبان کی حلاوت نے اُس خطہ کے لوگوں کے دلوں میں موجود مسلمانوں اور اسلام کے خلاف کڑواہٹ اور تعصب کو دوستی اور محبت میں بدل دیا۔ جس سے متاثر ہو کر لاکھوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ جن میں نہ صرف شکستہ اور ٹھکرائے ہوئے لوگ تھے بلکہ بڑے بڑے قبائل کے سر کردہ سردار اور جاہ و حشمت والے لوگ شامل تھے جنہوں نے مسلم فاتحین کے سامنے سر نہ جھکایا لیکن اس درویش صفت اور گنج شکرؒ کی تعلیمات، حسن عمل و اخلاق کے

سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ آج پاکستان کے وجود کا بڑا حصہ جس مسلم اکثریت کی بنیاد پر پاکستان میں شامل ہے وہ بابا فریدؒ ہی کی مرہون منت ہے۔

☆ خلوت پسند بابا فریدؒ نے اشاعت اسلام اور مخلوق کی بہتری کی خاطر اپنے دروازے ہر ایک کے لئے کھول دیے۔ ہر ایک کے مسائل توجہ سے سنتے اور مرہم رکھتے۔ آپ یہ سب آخرت کی جزاء کے لالچ میں نہیں کرتے بلکہ آپ سے دوسروں کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی تھی۔ خدمت خلق اور مخلوق خدا سے محبت آپ کی روش تھی آج ہر ہیومن ازم کے دعویدار کے لئے آپ کی شخصیت بہترین نمونہ ہے۔ آپ نے عمل سے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے عرفان کا راستہ مخلوق سے ہو کر جاتا ہے۔

☆ بابا فریدؒ خواتین کو بیعت کرتے۔ اپنے مریدوں کو اعلیٰ ذہنی فکر سے روشناس کرانے کے لئے تصوّف کی مستند کتابوں کا درس دیتے اور اُن کی باطنی زندگی میں اپنی تربیت سے نظم وضبط پیدا کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ اُن کے مرید فقر و تنگدستی، مجاہدہ و ریاضت میں خوشی محسوس کریں اور اپنے آپ کو اللہ کی رضا میں ڈھال لیں۔

☆ آپ کی ساری زندگی وقت کی پابندی اور قدر کی زندہ مثال ہے۔ عمر کے آخری حصہ میں قیامِ اجودھن کے دوران وقت ضائع نہیں کیا اور اپنے معمولات میں پابندوقت رہتے ہوئے دین اسلام کی اشاعت اور خدمت خلق میں زندگی صرف کی۔ آپ سادگی، نفس کشی، خلوت پسندی، صائم الدھر، سخاوت، حسن خلق، رحم دلی، عاجزی و انکساری، سوز وگداز، دُنیاوی لوازمات سے کنارہ کشی، قناعت پسندی، توکل علی اللہ، عفوودرگزر، دشمن سے حسن سلوک، صبر وتحمل، معاملات ولین دین میں کھرے، صاحب شریعت وطریقت، مستجاب الدعا، خدمت خلق، زاہد مرتاض، انسان دوستی جیسی صفات سے مزین اور اخلاق حسنہ کا پیکر تھے۔

☆ عبادت وریاضت کا مقصد خالص عشق الٰہی تھا۔ جس طرح دُنیا میں انسان اپنے محبوب کے وصل میں حائل رکاوٹیں دور کرنے کی تگ ودو میں لگا رہتا ہے اسی طرح بابا فریدؒ نے بھی اپنے محبوب حقیقی کو پانے کے لئے ریاضت ومجاہدہ اور نفس کے خلافت مسلسل جہاد کیا۔ بابا فریدؒ کی زندگی اتباع شریعت وسنت نبوی کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ روحانی ترقی کے لئے احکام شرعی کو ضروری قرار دیتے اور سختی سے اُن کی پابندی

فرماتے۔آپ جیسے صائم الدھر انسان نے بیماری کی حالت میں آخری رمضان کے روزے محض اس لئے نہیں رکھے کہ آپ نے شرعی عذر کے تحت رخصت کے اصول کومدِ نظر رکھااور عمل کیا۔

☆ بابا فریدؒ نے شاعری کے ذریعے بھی اپنی تعلیمات دوسروں تک پہنچائیں اُن کا پنجابی کلام شیخ ابراہیمؒ اور بابا گرونانک کی کوششوں سے محفوظ شکل میں ہم تک پہنچا جس کا موضوع عشق الٰہی اور محبوب حقیقی کے وصل کی تڑپ، دُنیا کی عدم ثباتی ،موت کی حقیقت کا ادراک، عبادات، آخرت، انسان کی حقیقت اور انسانی زندگی سے متعلق معاملات وغیرہ ہیں۔ بابا فریدؒ نے اپنی شاعری میں دیہات کی سادہ اور روزمرہ زندگی اور انسانی رشتوں سے استعارے اور تشبیہات ماخوذ کیے ہیں اور عوام الناس کو انہی کی زبان میں تصوف کے لطیف اور باریک تصورات سمجھائے۔آج ایک ان پڑھ انسان کو بھی اُن کے دوہے زبانی یاد ہیں۔جن میں اُن کی تعلیمات پوشیدہ ہیں ۔ اُن کی شاعری اُن کے روحانی تجربات کا نچوڑ ہے اور اُس میں شریعت وطریقت دونوں پہلو پائے جاتے ہیں اور آپ کی شاعری زھد وتقویٰ اور مجاہدہ وریاضت کے تجربات واحساسات پر مبنی ہے۔

☆ آپ سلسلہ چشتیہ کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے امام اوّل ہونے کے ساتھ ساتھ برِعظیم پاک وہند کی صوفیانہ و عارفانہ شاعری کے امام اوّل بھی ہیں ۔ نہ صرف پنجابی بلکہ فارسی ،عربی ، اردو/ہندوی کے شاعر بھی تھے گو کہ بعض لوگ اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں کیونکہ بابا فریدؒ کا فارسی وعربی کلام اُس شکل میں دستیاب نہیں جس میں پنجابی ہے۔لیکن اس بات کے شواہد قدیم ترین ماخذوں میں ملتے ہیں کہ بابا فریدؒ نے ان زبانوں میں بھی شاعری کی ۔ فارسی وعربی آپ کی علمی زبان تھی اور پنجابی جو کہ ملتانی پنجابی ہے آپ کی مادری اور عوامی بولی تھی ۔آپ جن لوگوں میں رہتے تھے اُنہیں اُن ہی کی زبان میں تعلیم دیتے تاکہ وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔

☆ آپ کے منفرد مقام کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کا پنجابی کلام سکھوں کی مقدس کتاب ''گروگرنتھ صاحب''میں ''شلوک بابا فرید'' کے عنوان سے موجود ہے۔جسے وہ انتہائی عقیدت واحترام سے پڑھتے اور مقدس مانتے ہیں۔آپ کے نام پر سوسائیٹیز ، یونیورسٹیاں اور ادارے قائم کئے گئے ہیں۔۱۹۷۳ء

میں بھارت میں آپ کا آٹھ سو سالہ جشن ولادت بابا میموریل سوسائٹی پٹیالہ نے دہلی، اجمیر اور لکھنؤ میں دھوم دھام سے منایا جس میں وزراء اور سیاسی راہنماؤں سمیت سب نے حصہ لیا۔ اس موقع پر ایک سکھ ادیب و شاعر کنور مہندر سنگھ بیدی جن کا تخلص سحر ہے نے نظم پڑھی جس سے اُن لوگوں کی بابا فریدؒ سے عقیدت و دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے اور بابا فریدؒ کا مقام بھی واضح ہوتا ہے۔ نظم درج ذیل ہے۔

اے فرید الدین بابا، اے مرے گنجِ شکر
عالمِ الحاد تیرے خوف سے زیرو زبر
تو نے بخشا اِک جہاں کو بادۂ عرفاں کا نور
زُہد کا ، اِخلاص کا ، تسلیم کا، ایماں کا نور
راہِ حق سے اور حق سے تھی شناسائی تیری
اس لیے ہوتی ہے ہر دل میں پزیرائی تیری
ٹوٹ سکتا ہے نظامِ انجم و شمس و قمر
اور مٹ سکتے ہیں دنیا سے یہ دشت و بحر و بَر
لیکن اے گنجِ شکر تو زندہ و پائندہ ہے
کل بھی تابندہ رہے گا آج بھی تابندہ ہے

☆ جو لوگ اس اختلاف کا شکار ہو گئے ہیں کہ یہ پنجابی کلام بابا فریدؒ کا نہیں بلکہ اُن کے پڑپوتے شیخ ابراہیمؒ کا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں تحقیق کے دوران اُن کا خیال غلط ثابت ہوا اور یہ بات سامنے آئی کہ شیخ ابراہیمؒ کا لقب ''فرید'' تھا ہی نہیں اور اُن سے کسی بھی قدیم ماخذ میں شاعری ثابت نہیں۔ جبکہ بابا فریدؒ کا لقب ''فرید'' اور شاعر ہونا قدیم ترین ماخذوں سے ثابت ہے۔ اتنا ضرور ہے بابا فریدؒ کا کلام گرمکھی زبان میں منتقل ہونے سے اور مرورِ زمانہ سے اُن کے کلام میں لفظی تحریف تو ممکن ہے لیکن معنوی نہیں۔ مرکزی خیال بابا فریدؒ کا ہی ہے۔

☆ بہر حال قطع نظر اختلافات کے بابا فریدؒ جیسی عالم، فاضل، حساس اور سوز و گداز کی حامل شخصیت

جن سے اکثر وبیشتر شعر پڑھنا ثابت ہے۔ جیسے نظام الدین اولیاءؒ پر پہلی نظر پڑتے ہی شعر کے ذریعے حال بیان کردیا۔ اس کے علاوہ وجد کے عالم میں سجدے میں بھی اشعار پڑھنا جن کا ذکر مقالہ میں کیا گیا ہے ثابت ہے۔ قدیم ترین ماخذوں سے اُن کا فارسی میں شعر کہنا ثابت ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک زبان میں شعر کہنے والا اگر اُسے اور زبانوں پر بھی عبور حاصل ہو اور وہ شاعری کو صرف ایک زبان تک محدود رکھے۔ بابا فریدؒ جیسے لطیف احساسات رکھنے والے انسان سے محسوسات، تجربات اور مشاہدات کا اظہار کسی بھی زبان میں، کسی بھی وقت شاعری کی صورت میں ہوسکتا ہے۔

☆ حقیقت یہ ہے کہ وہ ادب وفن کی دُنیا کا بھی عقابِ بلند پرواز تھے۔ بابا فریدؒ کے دستیاب شدہ پنجابی کلام کی کل تعداد تقریباً اڑھائی سو اشعار کی ہے۔ جن میں سے ایک سو بارہ ''شلوک بابا فرید'' کے عنوان سے اور دو شبد ''راگ آسا'' اور دو شبد ''راگ سوہی'' گروگرنتھ صاحب میں پائے جاتے ہیں۔ گروگرنتھ کے علاوہ بھی بابا فریدؒ کا پنجابی کلام پایا جاتا ہے جو تقریباً پچاسی اشعار ہیں۔

☆ بابا فریدؒ نے شاعری کو مقصد حیات نہیں بنایا کیونکہ وہ نمود ونمائش یا شہرت نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے اُسے محفوظ بھی نہیں کیا۔ اُن کی تعلیمات کو بھی تحریر نہیں کیا گیا بلکہ اُن کے تربیت یافتہ مرید اُن کی تعلیمات کی تحریریں ہیں جو عملی صورت میں معاشرے اور لوگوں پر اثر انداز ہوئے اور جن کا فیض نظام الدین اولیاءؒ جیسے خلیفہ کی صورت میں جاری ہے۔ جو ایسا ستون اور تناور درخت ثابت ہوئے جن کے سائے میں لوگ آکر گناہوں سے توبہ کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے لگے۔

☆ اہل تحقیق کے نزدیک بابا فریدؒ اُردو زبان کے بانیوں میں سے ہیں اُس وقت کی ہندوی زبان بعد میں جنم لینے والی اُردو کی قدیم ترین شکل ہے۔ بابا فریدؒ کی خانقاہ میں ہر زبان ونسل اور مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ آتے تھے اور آپس میں تبادلہ خیال کرتے تھے۔ جس سے ایک نئی زبان نے جنم لیا جو بعد میں ترقی کرکے اُردو کہلائی۔

☆ آپ ایسے دور میں امن وآشتی کا پیغام لائے جو جنگ وجدل اور تشدد کا دور تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بابا فریدؒ بحیثیت انسان، مبلّغ اسلام، عالم، امام سلسلہ چشتیہ، مصلح، زاہد، عابد، متقی، محبوب حقیقی کا

عاشق صادق ، روحانی پیشوا، لطیف جذبات رکھنے والے صوفی شاعر ،غرضیکہ ہر پہلو اور ہر میدان میں اسم بمسمّٰی فردفرید ہیں۔اُن کی ہر میدان میں کامیابی اُن کی ہمہ گیر شخصیت اور تاریخ ساز مقام اور کردار کی آئینہ دار ہے۔

☆ اجودھن (پاکپتن) کی تاریخی حیثیت جو بھی رہی ہو لیکن اجودھن سے پاکپتن بن کر جو ابدی تقدس و مقام اس علاقے کو حاصل ہوا جسے رہتی دُنیا تک اس مقام سے کوئی نہیں ہٹا سکتا وہ صرف اور صرف بابا فریدؒ کے وجودِ مسعود کی برکت اور اُن کے مقام کی وجہ سے ہے۔آج بھی دُنیا کے ہر کونے سے زائرین، مسلم وغیر مسلم اس مقام کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔حتیٰ کہ تیمور جس کی وحشت و بربریت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شہر یا قریہ اُس کی تلوار سے محفوظ نہ تھا۔جب اجودھن (پاکپتن) سے گزرتا ہے تو اپنی تلوار نیام میں کرکے انتہائی ادب کے ساتھ دربار پر حاضر ہوتا ہے اور اُس مقام ''پاکپتن'' کے باسیوں کی جان بخش دیتا ہے گویا بابا فریدؒ کے وجود کی برکت اور بلند مقام سے وہ جگہ امن والی جگہ بن گئی۔

☆ بابا فریدؒ کو جو مقام سلسلہ چشتیہ اور اللہ کے حضور حاصل ہوا وہ کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا۔اُنھوں نے جو کہا اپنے عمل سے ثابت کیا۔ہر قدم پر اتباع سنت نبویؐ اور اللہ کی اطاعت کا مظاہرہ عملی صورت میں کیا۔

☆ بابا فریدؒ کی تعلیمات عظیم اور عملی ہیں اور اُن میں انسان کی دنیوی و اُخروی نجات ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اُنہیں عام کیا جائے تاکہ وہی جذبے دلوں میں بیدار ہوں اور اسی طرح تطہیر قلب اور تزکیہ نفس ہو جس سے داخلی سکون حاصل ہوتا ہے اور جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔

☆ بابا فریدؒ کی حیات مبارک اور شخصیت و کردار یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔تو وہ مقام پالیتا ہے جب بندے کی رضا، اللہ کی رضا بن جاتی ہے۔جیسا کہ بابا فریدؒ کا فرمان ہے۔

''چالیس سال تک جو اللہ چاہتا تھا فرید کرتا رہا
اب جو فرید چاہتا ہے اللہ کر دیتا ہے'' [1]

---

[1] خیر المجالس (اُردو)،ص:۱۸۰

اس خطہ برصغیر پاک وہند میں اسلام کی اشاعت، اسلامی حکومتوں کو استحکام اور اُسے تقویت اولیاءکرامؒ کے نفوس سے حاصل ہوئی جن میں بابا فرید گنج شکرؒ کو منفرد مقام حاصل ہے گو کہ سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں لیکن اس سلسلے کی اصل اشاعت اور اسے استحکام بابا فرید گنج شکرؒ کی ذات اقدس سے ہی حاصل ہوا جس کی پیشن گوئی خود سلسلہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان الفاظ میں کی کہ فرید ایک ایسی شمع ہے جس سے خاندانِ درویشاں روشن رہے گا۔ [1] خواجہ معین الدین چشتیؒ سلسلہ چشتیہ کے مہر درخشاں تھے تو بابا فرید گنج شکرؒ اس کے بدر کامل اور شہباز طریقت تھے۔

جو لوگ ان اولیاء کرامؒ کی ریاضت ومجاہدہ اور کرامات کو محض قصے کہانیاں سمجھتے ہیں۔ان پر یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ یہ زندہ حقیقتیں ہیں جو مستند مصادر اصلیہ اور تاریخ سے ثابت ہیں۔اس کا ثبوت اس دور میں سفر کی سہولتیں نہ ہونے کے باوجود بڑے بڑے عالم فاضل اور صاحب حیثیت لوگوں کا سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اس ویرانے کا رُخ کرنا اور آسائشیں ترک کر کے اسی در کا ہو جانا ہے اور یہ کہ بابا فریدؒ جیسی ہستی نے آج کی طرح مجمع اکٹھا نہیں کیا بلکہ بیابانوں اور خطرناک ویرانوں میں اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں ڈیرہ لگایا لیکن ان کے حسنِ عمل واخلاق اور تعلیمات نے اس ویرانے کو بھی ایک روحانی یونیورسٹی میں بدل دیا اور لوگ مہینوں اور سالوں کی مسافتیں طے کر کے وہاں پہنچ کر فیض یاب ہونے لگے۔

بابا فرید گنج شکرؒ نے تعصب سے مبرّا ہو کر اور رنگ ونسل کو بالائے طاق رکھ کر امن وآشتی کا درس دیتے ہوئے انسان سازی کے عمل کو جاری رکھا۔بڑے بڑے اکابر سردار اور قبائل جنہوں نے مسلم فاتحین کے سامنے سر نہیں جھکایا مگر انسان سازی کے اس عمل کے نتیجے میں اس سرکردہ ولی اللہ کے در پر گھٹنے ٹیک دیئے اور اسلام کی دولت سے سرفراز ہو کر دین کی اشاعت اور اس کے استحکام کے لئے خدمات انجام دیں۔جس انسان کو کہیں سکون میسر نہیں آیا اس نے اسی ویرانے میں داخلی سکون پایا۔آج بھی معاشرہ کا ٹھکرایا ہوا اور بدامنی کا شکار انسان داخلی سکون کے لئے بڑے بڑے عالیشان حکمرانوں

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص:۲۳۔

کے در پر نہیں جاتا، نہ ہی ان جیسے حکمرانوں کے مقبروں کا رُخ کرتا ہے جو محض دنیا کی عدم ثباتی اور عبرت کا نشان ہیں بلکہ وہ اس داخلی سکون کے لئے بابا فریدؒ جیسی ہستیوں کے مزاروں کا رخ کرتا ہے اور اس کی آنکھ سے آنسوؤں کی شکل میں سچے موتی وہیں نکلتے ہیں جو اسے داخلی سکون بخشتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا احساس اس انسان کی روح میں اسی در پر ہی اُجاگر ہوتا ہے۔ یہی وہ در ہے جہاں بھوکا بھی جاتا ہے تو سیر ہو کر آتا ہے۔ جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے سچی محبت کرنے والے اور سنت نبویؐ کی ہر قدم پر پیروی کرنے والے اور مخلوق خدا کی خدمت کو عبادت سمجھنے والے، صاحب شریعت وطریقت اور اللہ تعالیٰ کے یہ محبوب بندے اور ان کی زندگی ایک بہترین نمونہ بن کر آج بھی انسان کے ایمان کی تجدید، عشق الٰہی اور معرفت الٰہی کا باعث ہے۔ یہ حقائق ثابت کرتے ہیں کہ انسان کا داخلی سکون، نجات اور امن وسلامتی صرف دنیاوی وسائنسی ترقی، فرقہ بندی اور محض وعظ ونصیحت اور مجمع اکٹھا کرنے میں نہیں بلکہ معرفت الٰہی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے سچی محبت اور عملی طور پر ہر قدم پر اتباع سنت نبویؐ میں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت بلا امتیاز رنگ ونسل اور فرقہ بندی کے ہونی چاہیے اور انسان کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اُٹھنا چاہیے۔

آج کے مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ ان اسباب کو جان سکے جن کی وجہ سے اس سائنسی دور میں ہر طرح کی سہولتیں اور ذرائع مواصلات کے ہونے کے باوجود اس سطح پر اسلام کی اشاعت اور اسے تقویت دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور نہ ہی مسلمان کو بحیثیت مسلمان دنیا میں وہ عزت اور مقام دلا سکا ہے جو عزت اور مقام بابا فرید گنج شکرؒ جیسی ہستیوں نے بے سروسامانی کے عالم میں دلایا۔ جس کے نتیجے میں اسلام اس خطے میں روحانی طاقت بن کر پھیلا اور جن کی تعلیمات وتربیت نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جیسے تناور درخت پیدا کئے جن کے سائے میں مخلوق خدا نے گناہ اور نیکی میں فرق سمجھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا حتی الامکان برائیوں سے دور رہتا اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی خوشی سے کرتا۔

بابا فرید گنج شکرؒ جیسی ہستیوں کی وجہ سے لوگ اسلام سے متنفر نہیں ہوئے بلکہ انہیں دین اسلام میں ہی اپنی نجات نظر آئی جس کی وجہ سے انہوں نے صدیوں پرانے اپنے آباءواجداد کے مذہب کو ترک

کر کے برضا ورغبت دین اسلام کو اختیار کیا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ان پاکیزہ ہستیوں کی وجہ سے اس خطے کے مسلمان کو بحیثیت مسلمان جو عزت ومقام حاصل ہوا آج دنیا کی نظر میں وہ مقام کیوں نہیں رہا؟ جس کا حقدار ایک سچا مسلمان ہے۔ اس سوال کا جواب اور وہ تمام مسائل جن کا شکار آج کا مسلمان ہے ان کا حل، ہمیں بابا فریدؒ جیسی ہستیوں کی حیات مبارکہ اور حسن عمل وتعلیمات میں ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان کی تعلیمات ان کے حسن عمل کی پیروی کی توفیق عطاء فرمائے۔وہ تعلیمات کوئی اور نہیں بلکہ خالصۃً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات ہیں۔انہی کو اختیار کر کے ان ہستیوں نے اسلام اور مسلمان کو اس کا اصل مقام دلایا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں بھی ان کی طرح ان تعلیمات کا عملی نمونہ بننا چاہیے اور اس راہ میں جو بھی مصائب وتکالیف آئیں، ان میں ان ہستیوں کی طرح ثابت قدم رہ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی چاہیے۔

مصادر و مراجع

۱۔ امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد (فارسی)، نولکشور، لکھنو، ۱۳۰۲ھ۔

۲۔ امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد (فارسی)، مطبوعہ، چرنجی لال، دہلی۔

۳۔ امیر حسن علاء سجزیؒ، فوائد الفواد (اُردو)، مترجم خواجہ حسن نظامی دہلویؒ، اشیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء۔

۴۔ اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (فارسی)، نولکشور، ۱۹۱۳ء۔

۵۔ اللہ دیا چشتی، سیرُ الاقطاب (اُردو)، مترجم پروفیسر محمد معین الدین دردائی، طبع دوم، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۹ء۔

۶۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب، الاکمال فی اسماء الرجال، کراچی، سن اشاعت نامعلوم۔

۷۔ ابوالفضل، آئین اکبری، سرسید ایڈیشن، ۱۲۷۲ھ۔

۸۔ ابوالفضل، آئین اکبری (اردو)، مترجم، محمد فدا علی طالب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، سن اشاعت ندارد

۹۔ امام بخش مہاروی، مخزن چشت، تالیف ۱۲۷۷ء، مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی، ۱۴۰۹ھ۔

۱۰۔ ابوالنصر محمد خالدی، تقویم ہجری وعیسوی، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت سوم، کراچی، ۱۹۷۴ء۔

۱۱۔ اخلاق حسین دہلوی (علامہ)، حیات طیبہ ابو اسحاق شامیؒ طبع اول، برقی پریس، دہلی، ۱۹۶۷ء۔

۱۲۔ اسد نظامی (علامہ)، خواجگان چشت کا منوقف قدمی شیخ بغداد، جہانیاں شریف، ضلع خانیوال، ۱۴۲۶ھ۔

۱۳۔ اسلم فرخی (ڈاکٹر)، فرید و فرد فرید، المخزن پرنٹرز، کراچی، ۱۹۹۰ء۔

۱۴۔ ابو محمد سید عبدالعزیز دہلوی، آثار دھلی، مطبع حقانی، دہلی، ۱۹۱۱ء۔

۱۵۔ اظہر ظہور احمد (ڈاکٹر)، معارف فریدیہ (دیوان بابا فرید)، (بین الاقوامی ایڈیشن) مرکز معارف اولیاء، طبع اول، لاہور، جون، ۲۰۰۵ء۔

۱۶۔ بلونت سنگھ آنند، بابا فرید، مترجم مہر افشاں فاروقی، عالمین پبلی کیشنز پریس، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

۱۷۔ پیر محمد حسین چشتی، گلزار فریدی (اُردو)، شیخ الٰہی بخش، جلال الدین اینڈ سنز، لاہور، ۱۳۰۱ھ۔

۱۸۔ پیر محمد حسین چشتی، گلزار فریدی (معروف بہ وقائع فریدی)، مطبع محمدی، لاہور۔

۱۹۔ پیر محمد اجمل چشتی، تاج العارفین، مرکز تعلیمات فریدیہ، چشتیاں شریف، ۲۰۰۱ء۔

۲۰۔ پیر محمد اجمل چشتی، حضرت بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ کی تبلیغی خدمات، چشتیاں شریف، بہاولنگر، ۲۰۰۶ء۔

۲۱۔ پیر محمد اجمل چشتی، چلّہ گاہیں بابا فریدُ الدین گنج شکرؒ، طبع اول، مرکز تعلیمات چشتیاں شریف، بہاولنگر، ۲۰۰۳ء۔

۲۲۔ پیر محمد حسین شاہ پاکپتنی، ارشاداتِ فریدی معروف بہ اشلوک فریدی، اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور، سن اشاعت ندارد۔

۲۳۔ پیر سید رشید احمد رئیس امروہی، سیادت فریدی، مطبوعہ رضوی پریس، امروہہ، ۱۳۳۲ھ۔

۲۴۔ جعفر قاسمی، بابا فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ (اُردو)، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۸ء

۲۵۔ جہاں آراء بیگم، مونس الارواح (فارسی قلمی)۔

۲۶۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (فارسی)، مطبوعہ رضوی پریس، دہلی، ۱۳۱۱ھ۔

۲۷۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین (اُردو)، مترجم محمد ایوب قادری، مرکز اُردو بورڈ لاہور اپریل، ۱۹۷۶ء۔

۲۸۔ حامد قلندر، خیرُ المجالس (فارسی قلمی عکسی)۔

۲۹۔ حامد قلندر، خیرُ المجالس (اُردو عکسی)، واحد بک ڈپو جونا مارکیٹ، کراچی ۲۔

۳۰۔ حمید اللہ ہاشمی (پروفیسر)، کلام بابا فرید، پروگریسو بک، لاہور، اگست ۱۹۹۶ء۔

۳۱۔ خواجہ نجم الدین، بیان الاولیاء، آرمی پریس، دہلی۔

۳۲۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی، نظامی بنسری، حسن نظامی میموریل سوسائٹی، نئی دہلی، ۱۴۰۴ھ۔

۳۳۔ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دارالمولفین، اسلام آباد، سن اشاعت ندارد۔

۳۴۔ خلیق احمد نظامی، احوال و آثار شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (ترجمہ دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فریدُ الدین گنج شکرؒ)، مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۱۹۸۳ء۔

۳۵۔ خواجہ محمد ہاشم بدخشانی، زبدۃُ المقامات، نولکشور پریس، کانپور، ۱۳۰۷ھ۔

۳۶۔ داراشکوہ، سفینۃُ الاولیاء (اُردو)، مترجم محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۵۹ء، طبع پنجم، ۱۹۷۵ء۔

۳۷۔ داؤدی، مقبول انور، کلام بابا فرید شکر گنجؒ، فیروز سنز لاہور۔

۳۸۔ رکن الدین نظامی، اسم کتاب نامعلوم عکسی، سن اشاعت ندارد۔

۳۹۔ رحیم بخش (مولانا)، شجرۃُ الانوار (قلمی فارسی)۔

۴۰۔ سید افضل حیدر، فرید، نانک، بلھا، وارث، دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء۔

۴۱۔ سید افضل حیدر، زندگی نامہ، دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء۔

۴۲۔ سید افضل حیدر، بابا نانک، دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء۔

۴۳۔ سید افضل حیدر، پریم پیالہ، دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء۔

۴۴۔ سید محمد محمود نظام الدین، صحیفہ نظامی (فارسی، قلمی، عکسی)۔

۴۵۔ سید محمد اکبر حُسینی، جوامع الکلم (ملفوظات سید محمد گیسودراز) مطبوعہ انتظامی پریس، عثمان گنج حیدرآباد۔

۴۶۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، (حصہ سوم)، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۷۹ء۔

۴۷۔ سلیم یزدانی، فکر فرید، ایجوکیشنل پریس، کراچی، ۱۹۸۵ء۔

۴۸۔ سید حسین نظر، اسلام کے تصورات وحقائق، مطبوعہ لندن، ۱۹۶۶ء۔

۴۹۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، ایڈیشن دوم، مطبع معارف، دارالمصنفین اعظم گڑھ، بھارت ۱۹۷۱ء۔

۵۰۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، مجالس صوفیہ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ انڈیا، مجلس نشریات اسلام، کراچی، سن اشاعت ندارد۔

۵۱۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء۔

۵۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار (فارسی) مجتبائی پریس، دہلی ۱۳۰۹ھ۔

۵۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار (فارسی) مجتبائی پریس، دہلی، ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء۔

۵۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار (اُردو) مترجم سبحان محمود، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۶۸ء۔

۵۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار (اُردو) مترجم سبحان محمود، مٹیا محل دہلی، ۱۹۹۴ء۔

۵۶۔ شریف کنجاہی، کہے فرید، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۶ء۔

۵۷۔ شیخ محمد اکرم، آب کوثر، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۲ء۔

۵۸۔ شیخ محمد اکرم، آب کوثر، ایڈیشن نواں، سراج محمد پریس، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

۵۹۔ شیخ محمد غوث، جواہر خمسہ (قلمی فارسی)، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، ۳۵۸۱/۵۵۸۔

۶۰۔ شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (فارسی)، مطبوعہ مملوکہ حکیم محمد انور بابری صاحب۔

۶۱۔ شیخ محمد اکرم، اقتباسُ الانوار (اُردو)، مترجم واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، ۱۴۰۹ھ۔

۶۲۔ ضیاءالدین برنی، تاریخ فیروز شاہی (سر سید ایڈیشن)، بب انڈیکا کلکتہ، ۱۸۶۲ء۔

۶۳۔ ضیاءالدین برنی، تاریخ فیروز شاہی (اُردو)، مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، اُردو سائنس بورڈ، طبع چہارم، لاہور، ۲۰۰۴ء۔

۶۴۔ طالب ہاشمی، تذکرہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، ندیم یونس پرنٹرز، لاہور، سن اشاعت ندارد۔

۶۵۔ ظہور الحسن شارب (ڈاکٹر)، تذکرہ اولیاء پاک وہند، رضا پرنٹرز، لاہور، تاریخ اشاعت ندارد۔

۶۶۔ علاؤالدین اودھیؒ، مامقیماں، مطبع مصطفائی، لکھنو ۱۲۵۶ھ۔

۶۷۔ علی محمود بن جاندار، دُررِ نظامی، مترجم صاحبزادہ یسین علی نظامی، کتب خانہ نذیریہ، مسلم منزل، باولی دہلی، تالیف، ۷۵۰ھ، سن اشاعت ندارد۔

۶۸۔ عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اُردو)، مترجم واحد بخش سیال، (تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ)، سن اشاعت ندارد۔

۶۹۔ عبدالرحمٰن جامی (مولانا)، نفحات الانس، لکھنو، ۱۳۳۳ھ۔

۷۰۔ عبدالحی ندوی، نزہتہ الخواطر، مترجم ابو یحیٰی امام خان، لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۷۱۔ عصامی، فتوح السلاطین، مدوّنہ، اے۔ایم۔ یوشع، مدراس، ۱۹۴۸ء۔

۷۲۔ عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، نظامی پریس، کانپور، (تالیف ۹۶۹ھ)، ۱۲۹۹ھ۔

۷۳۔ عبدالرزاق، دوہڑے بابا فرید دے، پنجابی ادبی لہر، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

۷۴۔ عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، مترجم مفتی محمد خلیل برکاتی، عالمین پرنٹرز، لاہور، تالیف ۹۶۹ھ۔

۷۵۔ علی اصغر چشتی، جواہر فریدی (فارسی)، وکٹوریہ پریس، لاہور، ۱۸۸۴ء۔

۷۶۔ علی اصغر چشتی، جواہر فریدی (اردو)، مترجم، ملک فضل الدین نقشبندی، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور، سن اشاعت ندارد۔

۷۷۔ غزالی، امام ابو حامد محمد، احیاء علوم الدین، ج ۱، لکھنو، ۱۲۹۰ھ۔

۷۸۔ غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکرام، آگرہ، ۱۹۱۰ء۔

۷۹۔ غلام سرور لاہوری (مفتی)، حدیقتہ الاولیاء، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۴ء۔

۸۰۔ غلام معین الدین خویشگی، معارج الولایت (قلمی نسخہ)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۸۱۔ غلام سرور لاہوری، خزینتہ الاصفیاء، مطبوعہ لکھنو، ۱۸۷۲ء۔

۸۲۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء (اُردو)، مترجم اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء۔
۸۳۔ فیروزالدین احمد فریدی، فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے سال وصال کی تحقیق، ایجوکیشنل پریس، کراچی، فروری، ۲۰۰۵ء۔
۸۴۔ فقیر محمد فقیر (ڈاکٹر)، بول فریدی، الفیصل ناشران، لاہور، جنوری ۱۹۹۱ء۔
۸۵۔ قاضی جاوید، پنجاب کے صوفی دانشور، ایچ۔وائی پرنٹرز، لاہور ۱۹۸۶ء۔
۸۶۔ گل محمد شیروی، گلزار فریدی (قلمی فارسی)۔
۸۷۔ گربچن سنگھ طالب، بابا شیخ فرید، مترجم عتیق صدیقی، نیشنل بک ٹرسٹ نئی دہلی، انڈیا، سن اشاعت ندارد۔
۸۸۔ میر خورد، محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، چرنجی لال ایڈیشن، مرکز تحقیقات فارسی و ایران پاکستان، اسلام آباد، (تالیف ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ)، ۱۳۰۲ھ/ ۱۹۷۸ء۔
۸۹۔ میر خورد، محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء (فارسی)، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا قلمی نسخہ، ۱۰۱۳ھ۔
۹۰۔ میر خورد، محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء (قلمی فارسی)، برٹش لائبریری لندن۔
۹۱۔ میر خورد، محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء (قلمی فارسی) کراچی میوزیم۔
۹۲۔ میر خورد، محمد بن مبارک کرمانی، سیر الاولیاء (اُردو)، مترجم غلام احمد بریاں، لاہور سن اشاعت ندارد۔
۹۳۔ محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار (اردو ترجمہ اذکار ابرار)، مترجم فضل احمد جیوری، (سن تصنیف ۱۰۱۴ھ)، اشاعت جدید، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۳۹۵ھ۔
۹۴۔ محمد احتشام الدین چشتی، سلسلۃ الذھب، محمدی پریس، کان پور ۱۳۸۱ھ۔
۹۵۔ محمد امام الدین (مولوی)، مرآۃ السالکین، میکی پریس، گجرانوالہ، ۱۳۰۴ھ۔
۹۶۔ منہاج السراج عثمانی جوزجانی (جرجانی)، طبقات ناصری، کلکتہ، ۱۸۶۴ء۔
۹۷۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، لکھنو، ۱۲۸۱ھ۔
۹۸۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (باب مشائخ ہند اُردو ترجمہ)، احسن برادرز، لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۹۹۔ محمد بلاق چشتی، روضۃ الاقطاب (اردو)، مطبع محب ہند، دہلی، ۱۳۰۹ھ۔

۱۰۰۔ محمد بلاق چشتی، مطلوب الطالبین (فارسی قلمی)۔

۱۰۱۔ مصطفائی بیگم، خاصان خدا، معارف پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۷۷ء۔

۱۰۲۔ محمد نواب مرزا بیگ سلیمانی، تحفۃ الابرار، مطبع رضوی پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ۔

۱۰۳۔ مسلم نظامی دہلوی، انوار الفرید، طبع ہفتم، لاہور، سن اشاعت ندارد۔

۱۰۴۔ مرزا محمد اکرم، حیات گنج شکر، محمد اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، سن اشاعت ندارد۔

۱۰۵۔ مخدوم شاہ محمد حسن، تواریخ آئینۂ تصوف، قصور، لاہور، ۱۹۷۱ء۔

۱۰۶۔ محمد مشتاق انبٹھوی (مولانا)، تذکرہ فریدیہ، چشتیہ اکادمی، فیصل آباد، ۱۹۸۸ء۔

۱۰۷۔ منظور ممتاز (ڈاکٹر)، پیام گنج شکرؒ، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۹۹ء۔

۱۰۸۔ محمد فاضل بن شیخ فیروزی، مفتاح الکرامات (قلمی فارسی)، (ملفوظات حضرت یحییٰ شیخ مدنیؒ)۔

۱۰۹۔ میاں اللہ بخش طارق، تاریخ پاکپتن، قومی پریس، لاہور، جون ۱۹۹۴ء۔

۱۱۰۔ مولوی عبدالحق (ڈاکٹر)، اردو زبان میں ابتدائی نشوونما میں صوفیاء کا حصہ، انجمن ترقی اُردو، دہلی، ۱۹۳۹ء۔

۱۱۱۔ محمد جمال قوام الدین، قوام العقائد، مترجم پروفیسر نثار احمد فاروقی، نئی دہلی ۲، ۱۹۹۴ء۔

۱۱۲۔ محمد آصف خان، آکھیا بابا فرید نے، طبع اول، الکتاب پرنٹرز، لاہور، دسمبر ۱۹۷۸ء۔

۱۱۳۔ نظام یمنی (مولانا)، لطائف اشرفی (فارسی، قلمی عکسی)، (ملفوظات "سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ)۔

۱۱۴۔ نعمت علی، سُبُل السلام، بہاولنگر، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۱۵۔ نور احمد خان فریدی (مولانا)، تذکرہ مشائخ چشت، قصر الادب رائٹرز کالونی، ملتان، سن اشاعت ندارد۔

۱۱۶۔ نورالدین محمد بن عالم، ذخیرۃ المشائخ (قلمی فارسی)، ۱۱۱۰ھ۔

۱۱۷۔ نثار احمد فاروقی (پروفیسر)، نقد ملفوظات، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۹ء۔

۱۱۸۔ نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین (فارسی)، مطبع محمدی، سن اشاعت نامعلوم۔

۱۱۹۔ نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین (اردو)، مترجم افتخار احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۹۷۸ء۔

۱۲۰۔ واحد بخش سیال، مقام گنج شکر، الفیصل، بار دوم، جون ۲۰۰۰ء۔

۱۲۱۔ وحید احمد مسعود، سوانح حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، وصی پرنٹرز، لاہور، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۱۲۲۔ یحییٰ بن احمد سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، مترجم: ڈاکٹر آفتاب اصغر، اردو سائنس بورڈ، لاہور، اشاعت اول: ۱۹۷۶ء، اشاعت دوم ۱۹۸۶ء۔

میگزین، رپورٹ، انٹرویو اور جنرل وغیرہ

۱۲۳۔ ماہنامہ، جہاں چشت گنج شکر نمبر، فیروز الدین احمد فریدی، بابت ماہ مارچ و اپریل، ۲۰۰۰ء۔

۱۲۴۔ ماہنامہ منادی، مضمون نگار، گوربچن سنگھ طالب (پروفیسر)، مضمون، ''حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا کلام معرفت الٰہی''، ج: ۳۹، شمارہ: ۵-۶، نئی دہلی، ۱۹۷۴ء۔

۱۲۵۔ ماہنامہ منادی، مضمون نگار، نثار احمد فاروقی (پروفیسر)، مضمون، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، ج: ۹۳، ش: ۸، نئی دہلی۔

۱۲۶۔ ماہنامہ سلطان الہند، مدیران، قاری محمد میاں مظہری، پیرزادہ امام الدین معینی، ناشر، نجم الدین معینی، ج، ۱۱ شمارہ، ۵، مئی ۱۹۸۱ء۔

۱۲۷۔ اورینٹیل کالج میگزین، موہن سنگھ (ڈاکٹر)، لاہور، نومبر ۱۹۳۸ء۔

۱۲۸۔ رسالہ خواجہ خواجگان، مضمون، سلسلہ عالیہ چشتیہ، سید محمد ذوقی شاہ (مولانا)، احتشام پریس، کراچی، ۱۹۷۲ء۔

۱۲۹۔ رسالہ گنج شکر، سلیم حسن مرزا، محکمہ اوقاف، الائیڈ پریس لاہور۔

۱۳۰۔ ضمیمہ اورینٹیل کالج، لاہور، پروفیسر بلدیو سنگھ، مضمون، نسب نامہ بابا فرید گنج شکرؒ، بابت ماہ

فروری، ۱۹۴۱ء۔

۱۳۱۔ منشی حکم چند اسسٹنٹ کمشنر بندوبست اراضی رپورٹ، ۱۸۷۹ء۔

۱۳۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد ۱۵، طبع الاول ۱۳۹۵ھ۔

۱۳۳۔ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ گزیٹر، ۱۸۷۳ء۔

۱۳۴۔ اخلاق حسین دہلوی، ''بابا فرید گنج شکر کا جدی مستقر''، جنرل آف دی پنجاب یونیورسٹی، دہلی۔

۱۳۵۔ مقالہ نگار، انعام الحق جاوید، آٹھ صد سالہ جشن ولادت کی تقریب عالمی کانفرنس، ناشر آغا میر حسین، نفیس پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۲ء۔

۱۳۶۔ مقالہ نگار، پروفیسر گورچرن سنگھ، آٹھ صد سالہ جشن ولادت عالمی کانفرنس۔
موضوع ''کلام بابا فرید تے سری گرو گرنتھ صاحب دا کیہہ تعلق اے'' ناشر آغا میر حسن، نفیس پرنٹرز، لاہور، جنوری ۱۹۹۲ء۔

۱۳۷۔ مقالہ نگار، بھائی شمندر سنگھ (رکن پارلیمنٹ بھارت، ۱۹۹۲ء) آٹھ صد سالہ جشن ولادت کی تقریب عالمی کانفرنس، ناشر آغا میر حسین، نفیس پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۲ء۔

۱۳۸۔ انٹرویو: پیر محمد اجمل چشتی، بمقام چشتیاں شریف، ضلع بہاولنگر، مورخہ ۱۰ فروری، ۲۰۰۷ء، مورخہ: ۸ جون، ۲۰۰۷ء، ۱۳ نومبر، ۲۰۰۷ء، یکم فروری، ۲۰۰۸ء اس کے علاوہ مختلف اوقات میں مقالہ کے اختتام تک فون پر بھی گفتگو جاری رہی۔

ENGLISH

139. Muneera Haeri The Chishties, Oxfored University Press, 2001 A.D

140. M.A Makalf, "The Sikh Religion", Volume-2, Clarendon Press, Oxfored, 1909 A.D

141. Lajvanti Ram Krishn (Doctor), Punjabi Sufi Poets,

Oxfored University Press, Oxfored, 1938 A.D

142. Jafar Qasimi, Baba Farid-ud-Din Masud Ganj-i-Shakar, Maktaba Jadeed Press, Islamic Book Foundation, Lahore, 1978 A.D

143. KHALIQ AHMAD NIZAMI, The life and times of SHAIKH FARID-UD-DIN GANJ-I-SHAKAR IDARAH-I-ADABIYAT-I-DELLI, FIRSI PUBLISHED, INDIA, 1955, First Reprinet 1973 1987,